

کتابت اسماء

۱۰۸۷
۱۳۰۷
۱۳۰۸

از

حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب

سابق مدرس فارسی گورنمنٹ سنٹرل ریل سکول آگرہ

و قمر اشاعت

دی اوپنل پبلیشنگ کمپنی

اوپنل ہاؤس میرٹھ

۱۹۱۰ء

بیتناں لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔

فہرست مضامین کلیات سہ ماہی

اردو

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۲۲	ایک گھوڑا اور اس کا سایہ	۱۶	(۱) مشنویات	
۲۳	ایک کتا اور اس کی پچھائیں	۱۷	صنائع الہی	۱
۲۴	ریل گاڑی	۱۸	خدا کی صنعت	۲
۲۵	ہماری لگے	۱۹	اول	۳
۲۶	سچ کہو	۲۰	خطبہ دوم	۳
۲۷	ہمارا کتا شیو	۲۱	تھوڑا تھوڑا بہت ہو جاتا ہے	۴
۲۸	شفق	۲۲	ایک وقت میں ایک کام کرو	۵
۲۹	رات	۲۳	ہوا چلی	۶
۳۰	گرمی کا موسم	۲۴	پن بجتی	۷
۳۱	بوسات	۲۵	اسلم کی بتی	۸
۳۱	طبع کی انگوٹھی	۲۶	بچہ اور ماں	۹
۳۲	دال کی فریاد	۲۷	ماں اور بچہ	۱۰
۳۳	دال چپاتی	۲۸	ایک مور اور کلنگ	۱۱
۳۵	دو لکھیاں	۲۹	عجیب چڑھا	۱۲
۳۶	آب زلال	۳۰	ایک لڑکا اور سیر	۱۳
۳۷	موعظت	۳۱	ایک پودا اور گھاس	۱۴
۳۸	داناؤں کی نصیحت دل سے سنو	۳۲	ایک جگنو اور بچہ	۱۵

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ
۷۸	شمعِ ہستی	۵۳	۴۱	چھوٹے کلام کا بڑا نتیجہ
۸۱	شہنوی فی العقائد	۵۴	۴۲	اونٹ
۸۳	محمد باری تعالیٰ	۵۵	۴۳	شیر
۸۵	یاد حضرت شیخ	۵۶	۴۵	کیسٹرا
۹۰	صفتِ شیخ	۵۷	۴۶	ایک قانع مفلس
۹۱	مناجات	۵۸	۴۷	موت کی گھڑی
۱۰۰	غصہ کا ضبط	۵۹	۴۹	فادرولیم
	ادب	۶۰	۵۰	حبِ وطن
۱۰۱	چغلیوری	۶۱	۵۱	انسان کی خام خیالی
	آزادی غنیمت ہے	۶۲	۵۳	کوہ ہمالہ
۱۰۲	طلبِ خیر میں قناعت کس سے بہتر ہے	۶۳	۵۵	بارش کا پہلا قطرہ
۱۰۲	تکبر میں نکتہ اور تواضع میں عبرت	۶۴	۵۷	شہنوی باد مراد
	(۲) مثلث		۶۱	ایک گنوار اور قوسِ قزح
۱۰۳	اب آرام کرو	۱	۶۲	شکرِ تکبر
	(۳) مربع		۶۳	چا
۱۰۴	اچھا زمانہ آنے والا ہے	۱	۶۴	کچھوا اور خرگوش
	(۴) منحنس		۶۷	مشاقشہ ہوا و آفتاب
۱۰۴	چھوٹی ٹیپوٹی	۱	۶۹	ناقدروانی
۱۰۷	کوشش کئے جاؤ	۲	۶۹	جنگِ روم و روس
۱۰۹	میرا خدا میرے ساتھ ہے	۳	۷۲	مکالمہ سیف و قلم

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۶۲	قصیدہ	۳	صبح کی آمد	۳
۱۶۵	شکسالی (۱۸۴۴ء)	۴	قیصرۃ المذلمات رہے	۵
۱۶۷	شب برات (۱۸۸۰ء)	۵	(۵) نظم بے قافیہ	
۱۷۰	عید الفطر (۱۸۸۰ء)	۶	چڑیا کے بچے	۱
۱۷۲	نذرانہ پیرجی (۱۸۸۰ء)	۷	تاروں بھری رات	۲
۱۷۳	نذرانہ پیرجی	۸	(۶) مبدس	
۱۷۵	جریدہ عبرت (۱۸۸۵ء)	۹	ماں کی ماتا	۱
۲۰۵	تہنیت جشن جوبلی ملکہ و کٹوریہ (۱۸۸۷ء)	۱۰	مرثیہ سید اقبال احمد مرحوم	۲
۲۱۰	جاڑ اور گرمی (۱۸۸۸ء)	۱۱	مرثیہ پٹیونا	۳
۲۱۳	تہنیت سالگرہ ملکہ و کٹوریہ (۱۸۹۲ء)	۱۲	متفرق	۴
۲۱۵	قصیدہ ناتمام ۱۰ قطعات	۱۳	انسان	۵
۲۱۶	ار ارف میو و ایسرا کھند (۱۸۶۳ء)	۱	(۷) مٹمن	
۲۱۷	شب برات (۱۸۷۷ء)	۲	آثار سلف (کیفیت قلند اکبر آباد)	۱
۲۱۸	شب برات (۱۸۸۳ء)	۳	(۸) ترجیح بند	
۲۱۹	قطعی تاریخ وفات سرالار جنگ بہادر (۱۸۸۳ء)	۴	نالہ چند در فراق شیخ	۱
۲۲۰	عید الفطر (۱۸۸۵ء)	۵	ہفت درود محمود	۲
۲۲۱	عید الضحیٰ (۱۸۸۴ء)	۶	۹ قصائد	
۲۲۲	عید الضحیٰ (۱۸۸۳ء)	۷	قصیدہ (۱۸۶۹ء)	۱
۲۲۳	نذرانہ پیرجی (۱۸۸۳ء)	۸	قصیدہ ناتمام (")	۳

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۲۳۹	دل کی یکسوئی طہوت ہے	۲۴۰	۲۳۴ (۱۹۸۶ء)	۹ خوابِ راحت
۲۴۰	(۱۱) غزلیات ۷۵	۲۴۱	۲۳۶ (۱۹۸۶ء)	۱۰ سرسید اور خانِ قانونِ برطانیہ
۲۴۱	(۱۲) رباعیات ۴۸	۲۴۲	۲۳۹ (۱۹۹۲ء)	۱۱ تہنیت سالگرہِ ملکہ و کشورِ بریت
۲۴۲	(۱۳) ابیات	۲۴۳	۲۳۰ (۱۹۹۳ء)	۱۲ قطبِ جنوب و فاسدِ اقبال (مجموعہ)
		۲۴۴	۲۳۰ (۱۹۹۳ء)	۱۳ شریعہ و فطرتِ حرمِ نبویؐ (ابواب)
		۲۴۵		۱۴ ایک گدھا شیر بنا تھا
		۲۴۶		۱۵ بخیلی اور فضولی
		۲۴۷		۱۶ کاشتکاری
		۲۴۸		۱۷ کاشتکاری
		۲۴۹		۱۸ قرض
		۲۵۰		۱۹ سب سے زیادہ نصیب کون؟
		۲۵۱		۲۰ ہمت
		۲۵۲		۲۱ اپنے فعل پر پشیمانی
		۲۵۳		۲۲ معافی میں سرور ہے
		۲۵۴		۲۳ انتقام علاجِ خطا ہے
		۲۵۵		۲۴ خطا کو خطا نہ جاننا ہلاکت ہے
		۲۵۶		۲۵ ہر کام میں کمال اچھا ہے
		۲۵۷		۲۶ دوراندیشی
		۲۵۸		۲۷ بری کے عوض میں نیکی کرنا
		۲۵۹		۲۸ قول و فعل میں مطابقت چاہئے

فارسی

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۳۲۰	محمود غزنوی	۱۸	(۱) مثنویات	
۳۲۱	بیرام وقاصم	۱۹	۲۹۹ آفتاب عالمتاب	۱
۳۲۳	اورنگ زیب	۲۰	۳۰۰ مناظرہ میدان باکوہ	۲
۳۲۴	روبا ہے بے دم	۲۱	۳۰۳ پنہر دانہ	۳
۳۲۵	یاد و آفتاب	۲۲	۳۰۶ شیر	۴
۳۲۶	گوزنے	۲۳	۳۰۷ خجالت برگناہ	۵
۳۲۷	بدی و نیکی	۲۴	۳۰۸ کلخ ویرانہ	۶
۳۲۹	دور آخر	۲۵	۳۰۹ ابر و باراں	۷
	(۲) قصاید		۳۱۰ پیر جلاب و خربش	۸
			۳۱۲ چوبکے میان سیلاب	۹
۳۳۳	تشبیب قصیدہ	۱	۳۱۳ طفلکے و مادرش	۱۰
"	تشبیب قصیدہ	۲	۳۱۴ اگیرے و رودے	۱۱
	(۳) قطعات		۳۱۵ دو جوے	۱۲
			۳۱۶ کشفے و خرگوشے	۱۳
۳۳۵	قطعہ	۱	۳۱۷ طاؤس	۱۴
۳۳۶	قطعہ	۲	"	۱۵
۳۳۸	قطعہ	۳	۳۱۸ سگے	۱۶
۳۳۹	قطعہ	۴	۳۱۹ گرگے	۱۷

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۳۶۴	مثلاً (۱)	۳۴۹	قطعی تاریخ وفات سرالارنگ بہادر	۵
	قطعات	۳۵۰	دو کیسہ داریم	۶
		۳۵۱	(۴) غزلیات	
۳۶۵	مسلمانوں کی تعلیم	۱	(۵) متفرقات	
۳۶۹	وفات ملک معظم ایڈورڈ پنجم آجمنی	۲	۳۵۶	۱
۳۷۰	مسلمان اور انگریزی تعلیم	۳	۳۵۷	۲
۳۷۲	غریب اور امیر	۴	۳۵۹	۳
۳۷۲	(۲) غزلیات			
۳۷۴	(۵) رباعیات	۳۶۲		

بِسْمِ الْعَدْلِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کلیات اسمعیل

مشویات

۱۔ صنایع الہی

اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا	خدا یا نہیں کوئی تیرے سوا
کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال	تصور تری ذات کا ہے مجال
تفکر کو ایسی رسانی کہاں	عقل میں اتنی صفائی کہاں
تخیل پہ ہیبت، چھائی ہوئی	یہاں عقل جاتی ہے آئی ہوئی
تصور کا کٹنا ہے سر اس جگہ	تفکر کے جلتے ہیں پراس جگہ

کسی کی یہاں دال گلتی نہیں
 نہ ٹھہری کوئی ناوا اس موج میں
 جلا اس ہو میں نہ کوئی چرغ
 جو ہوتی مشابہ ترے کوئی چیز
 ترا کوئی ہم جنس و ہمتا نہیں
 سمجھ کیا ہے؟ اور کیا بچھ کی بساط؟
 چلی بوند لینے سمت در کی تھا
 ہوئی آپ ہی گم تو پائے کسے؟
 اگر تیری قدرت کی کاریگری
 تو وہ سپنکتی ہی رہتی مدام
 بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت
 یہ سقن کمن ہے ابھی تک نئی
 زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گرز
 لے رہے پایا اسی ڈھنگ میں
 عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب
 نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شرکاف
 جھو دکا نہ کھر کی نہ در ہے نہ چھید
 کسی کی یہاں چال چلتی نہیں
 نہ پہونچا کوئی تیرا اس اوج میں
 پریشاں ہوئے دل تھکے سب داغ
 تو کچھ کام کرتی سمجھ یا تمیز
 گماں کا یہاں پاؤں جتا نہیں
 سمندر سے قطرہ کا کیا ارتباط؟
 یکا یک لیا موج نے اُس کو کھا
 بتائے وہ کیا اور جتائے کسے؟
 نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
 طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
 کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
 اسے دیکھتی یوں ہی دنیا گئی
 رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
 لے رہے دیکھا اسی رنگ میں
 ہمیشہ موصفا ہے بے مروت و روب
 ادھر سے ادھر تک ہے میدان صفا
 عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید

کہیں جوڑ ہے اور نہ پوند ہے
 بنا یا ہے کیا دستِ قدرت نے گول
 عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ
 ہوا کو دیا تو نے کیا خوب رنگ
 پرے اُس کی حد سے نہ جلے نظر
 یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے
 نظر آرہے ہیں عجیبان سے
 چراغ ایسے روشن جو بن تیل میں
 یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے پڑے
 کوئی ان میں سوچ کوئی ان میں چاند
 نظر میں جواتنے سے آتے ہیں یہ
 پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے
 یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے
 گھسے جو کبھی اور نہ ٹوٹے کبھی
 رسائی سے ہاتھوں کی برتر ہے وہ
 نہ سیمیں نہ زریں نہ وہ آہنی
 کھلے کب۔ کوئی اُس کو کھولے اگر
 جدھر دیکھے اُس طرف بند ہے
 چرخ ہے نہ جھڑی نہ سلوٹ جھول
 نظر کی پہنچ کا ٹھکانا ہے یہ
 سرا سیمہ ہے عقل اور فکر دنگ
 جہاں تک نظر جائے آئے نظر
 چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے
 ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے
 یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل میں
 زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے
 کہ یہ ماہ و خورسا منے جن کے ماند
 بہت دُور چکر لگاتے ہیں یہ
 ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
 بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے
 نہ اس بند سے کوئی چھوٹے کبھی
 نظر کے بھی قابو سے باہر ہے وہ
 مگر دستِ قدرت سے ہے وہ بنی
 اُسے عقل پائے ٹٹولے اگر

وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی
 عجب تو نے بانڈھی ہے یہ باگڈوز
 یہ سب لگتے ہیں اسی لاگ پر
 ہر اک کے لئے اک معین ہے دور
 نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں
 سدا چال کا ایک انداز ہے
 کبھی چلتے چلتے ٹھٹکتے نہیں
 ہے ان سب کا آئین ایجاد ایک
 یہ شاخیں ہیں سب ایک ہی اصل کی
 ہر اک چیز ذرہ سے تا آفتاب
 ہیں ذروں میں خورشید کی سی صفات
 حقیقت میں ہے یاں دوزنگی کہاں
 نہیں تیری قدرت کے کچھ یہ بعید
 نہیں تیرے لطف و کرم سے عجب
 ہو گرمی بھی سردی بھی برسات بھی
 یہ ندی یہ نالے سمندر پہاڑ
 ہوا بھی ہوا اور لطفِ باراں بھی ہو
 نہ اُس میں خلل ہو نہ بیشی کمی
 تلاسب کا رہتا ہے آپس میں زور
 لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر
 وہی اک و تیرہ وہی ایک طول
 کہ قانونِ قدرت سے مجبور ہیں
 نہ کھٹکانہ آہٹ نہ آواز ہے
 طریقہ سے اپنے بھٹکے نہیں
 ہنر ایک ہے اور اُستاد ایک
 بہاریں ہیں گل ایک ہی فصل کی
 بلاشبہ رکھتی ہے یکساں حساب
 ہے خورشید بھی ذرہ کائنات
 جہاں ذرہ ہے اور ذرہ جہاں
 کہ ہو ہر ستارہ جہاں جدید
 کہ ہو اُس جہاں میں بھی مخلوق سب
 اندھیرا اجالا بھی دن رات بھی
 یہی پل بوٹے درخت اور پہاڑ
 خزاں بھی ہو فصل بہاراں بھی ہو

ہوسرپراسی طور سے آسمان ہو پاؤں کے نیچے زمیں بھی ہاں
فلک پر ستارے بھی ہوں جلوہ گر وہاں بھی ہو دورانِ شمس و قمر

ہوں انسان بھی اور حیوان بھی
ہر اک جنس کا ساز و سامان بھی

(۲) خدا کی صنعت

جو چیسے خدا نے ہے بنائی اُس میں ظاہر ہے خوشنمائی
کیا خوب ہے رنگ ڈھنگ سب کا چھوٹی بڑی جس قدر ہیں اشیا
روشن چیزیں بنائیں اُس نے اچھی شکلیں دکھائیں اُس نے
ہر چیز کی ہے ادرازی حکمت سے نہیں ہے کوئی خالی
ہر چیز ہے ٹھیک ٹھیک لاریب میں اُس کے تمام کام عجیب
نہی کلیاں چنک رہی ہیں چھوٹی چڑیاں چھٹک رہی ہیں
اُس کی قدرت سے پھول جھکے پھولوں پہ پرند آ کے چمکے
چڑیوں کے عجیب پر لگائے اور پھول میں عطر میں بسائے
چڑیوں کی ہے بھانت بھانت آواز پھولوں کا جدا جدا ہے انداز
مخلوں میں امیر ہیں بہ آرام بے در پہ گھر اغریب ناکام
ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج بے گھر ہے کوئی کسی کے گھر راج

روزی دونوں کو دی خدانے
 تاروں بھری ات کیا بنائی!
 موتی سے پٹے ہوئے ہیں لاکھوں
 کیا دودھی چاندنی ہے چھٹکی با
 تارے رہے صبح تک نہ وہ چاند
 نیلا نیلا اب آسماں ہے
 شام آئی تو اس نے پردہ ڈالا
 جاڑا گرمی بہا رہ برسات
 جاڑے سے بدن ہے تھر تھرتا
 سردی سے ہیں ہاتھ پاؤں ٹھرتے
 سرسوں پھولی بسنت آئی
 پھوٹیں نی کو پلپیں شجر میں
 جاڑے کی جوڑت پٹ گئی ہے
 گرمی نے زمین کو تپایا
 برسات میں دل میں بادلوں کے
 رو آئی ہے زور شور کرتی
 کس زور سے بہ رہا ہے نالا
 معمور ہیں قدرتی خزانے
 دن کو بخششی عجب صفائی!
 پیر سے بڑے ہوئے ہیں لاکھوں
 حیران ہو کر نگاہ ٹھٹکی!
 آگے سورج کے ہو گئے ماند
 وہ رات کی انجن کہاں ہے
 پھر صبح نے کر دیا اجالا
 پر رت میں نیا سماں نئی بات
 ہر شخص سے دن میں ڈھوپ کھاتا
 سب لوگ لاؤ پر ہیں گرتے
 ہولی پھاگن میں رنگ لائی
 اک جوش بھرا ہوا ہے سر میں
 دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے
 بھانے لگا ہر کسی کو سایہ
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے
 داماں زمین کو کترتی
 اونچے ٹیلے کو کاٹ ڈالا

بل کھا کے ندی نکل گئی ہے	مُخ اپنا اُدھر بدل گئی ہے
دریا ہے رواں بہاڑ کے پاس	بستی ہے بسی اُجاڑ کے پاس
بستی کے ادھر ادھر ہے جنگل	جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل
مٹی سے خدا نے باغ اُگائے	باغوں میں اُسی نے پھل لگائے
میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی	دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی
سنرنے سے ہر اکھرا ہے میداں	اونچے اونچے درخت فی شاں
ہم کھیتے ہیں وہاں کبڈی	میری ہے کوئی۔ کوئی پھٹی
گائیں بھینسیں عجب بنائیں	کیا دود کی ندیاں بہائیں
پیدا کئے اونٹ نیل گھوڑے	ہر شے کے بنا دئے ہیں جوڑے
روشن آنکھیں بنائیں دودو	قدرت کی بہاڑ دیکھنے کو
دو ہونٹ دئے کہ منہ سے بولیں	شکر اُس کا کریں زبان کھولیں

ہر شے اُس نے بنائی نادر
 بیشک ہے خدا قوی و قادر

(۳) خطب

حمد و سپاس حصّہ اُس پاک ذات کا ہے جو اُسرا سہارا نکل کائنات کا ہے
 جب کچھ نہ تھا وہی تھا اُس کے سوانہ تھا کچھ کچھ ہونہ ہو وہ ہوگا۔ قدرت اُس کی کیا کچھ
 رکن خوبیوں سے اُس نے اِس بزم کو سجایا اور خلعت شرافت انسان کو پہنایا
 اللہ رے اُس کی قدرت! اللہ رے بیخیزی دی بعض کو نسبت بعضوں کے سرفرازی
 پھر خاص خاص بندے جو اُس نے چن لئے ہیں کیا کیا بدن درتے اُن کو عطا کئے ہیں
 یاں بندگی ہے اور اں بندہ نوازیں ہیں یاں سر جھکا ہوا ہے وال سرفرازیں ہیں
 انسان ہی نہ ہوتا جو بندگی نہ ہوتی اندھیر تھا جو دل میں یہ لو لگی نہ ہوتی
 طاعت کا آدمی کو فرمان کیوں ملا ہے بے حد و ماں مہتا انعام اور صلہ ہے
 ہے اذن عام لوگو! خوانِ کرم پہ ٹوٹو بھر بھر کے جھولیاں لو۔ دوڑو ثواب لوٹو
 تم بھی نہیں ہو محروم۔ آؤ گناہ گارو! گرسدقِ دل سے اپنے غفّار کو پکارو
 تو پاؤ گے ہمیشہ توبہ کا در کھلا تم رحمت ہے اُس کی بے حد کرتے ہو فکر کیا تم
 ہر وقت باز رہو ہے لطف و کرم کا دریا دو چار ماٹھ مارو۔ لگتا ہے پار کھیوا
 پھر اُس کی نعمتیں ہیں اور عیش میں جاں کے افسوس! جو نہ مانیں گن ایسے مہرباں کے
 میں حمد اُس کی ہر دم کرتا ہوں جانِ دل سے اور شکر ہے شکتا اس میری آبِ گل سے
 میں اُس کی مغفرت کا ہوں جی سے آرزو توبہ ہے اُس کے آگے۔ توبہ کا در نہیں بند

یہ دو نزل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائش سے لکھے گئے تھے جب کان کا شلق سرکار نظام

نوٹ

سے تھا ۱۲

دے اپنی راہ میں وہ میرے قدم کو چستی
 اُبلے زمینِ دل سے چشمہ ہرایتوں کا
 ہے پاک ذات اُس کی بس قابلِ عبادت
 ہاں! اُس کے ہوتے کوئی موجود ہی نہیں ہے
 میرے ہر ایک ڈکھ کی کرتا ہے چارہ جوئی
 ہادی مراد محمد ہے بندہ الہی
 اوروں سے اُس کو برتر صدق و صفا رکھا
 بے کم و کاست اُس نے جو حکم تھا سنایا
 درگاہِ ایزدی کا تھا اک سفیرِ اعظم

میں اُس سے چاہتا ہوں دنیا میں تندرستی
 بادل برس پڑے کاش اُس کی عنایتوں کا
 رہنا گواہ تم بھی دیتا ہوں میں شہادت
 اُس کے سوا تو کوئی معبود ہی نہیں ہے
 یکتا ہے وہ۔ کہاں ہے؟ اُس کا شریک کوئی
 ہاں! یہ بھی سن رکھو تم دیتا ہوں میں گواہی
 تاجِ رسالت اُس کے سر پر خدانے رکھا
 اُس کو خدا نے اپنا پیغام بر بنایا
 وہ خاتمِ نبوت وہ سرورِ دو عالم

علم و وقار و نرمی خوش خوئی مہربانی
 پیغمبری کی اُس میں تھی یہ کھلی نشانی

خطبہ دوم

جو جمع کر لے توشہ وہی خوش نصیب ہے
 حالانکہ دوستی کا بھی کرتے ہو اُدعا
 گونگ تو ایسے اور امید بہشت بھی ہا
 دنیا کے کاروبار میں یہ جاں فشانیاں

لوگو! سنو کہ کوچ کی ساعت فریب ہے
 جی بندگی حق سے چڑاتے ہو واہ! ا!
 دوزخ سے نفرت اور یہ فعالِ نشت بھی!
 دین کا معاملہ ہو تو گویا ہیں نیم جاں

دار البقا کا بھول گئے اہتمام تم
واللہ ہو گئی ہے تمہاری سمجھ خراب
افسوس اس سمجھ پہ عجب پر غرور ہو
سوتے ہیں زیر خاک پڑے کس قدر عزیز
چھوٹے بھی اور بڑے بھی جو تم سے تمہے چلے
بیہات ان کے حال سمجھتے نہیں تمہیں
قرآن سنو۔ تو ہو تمہیں اس بات پر عبور
اللہ کا کلام ہے سب سے بلیغ تر

دار الفنا کو سمجھے ہو اپنا مقام تم
پوچھا گیا وہاں تو بھلا دو گے کیا جواب
موت آرہی ہے تم ابھی غفلت میں چور ہو
تم اپنے مست عیش ہو کرتے نہیں تمیز
کیا سمجھے ہو، رہیں گے تمہارے محل بسے
تحصیل جاؤ مال سے فرصت نہیں تمہیں
اللہ کی طرف ہمیں جانا ہے بالظہور
مالک ہے سب کا ہے اُسے ہر بات کی خبر

قرآن پاک کوئی پڑھے تو سونو خموش

اللہ تم پے رحم کرے ہے وہ عیب پوش

(۴) کھوڑا کھوڑا مل کر بہت ہو جاتا ہے

بنایا ہے چڑیوں نے جو گھونسل
سو ایک ایک تنکا اکٹھا کیا
گیا ایک ہی بار سورج نہ ڈوب
مگر رفتہ رفتہ ہوا ہے غروب
قدم ہی قدم طے ہوا ہے سفر
گئیں لخطہ لخطہ میں عمریں گذر
سمندر کی لہروں کا تانتا سدا
کنارہ سے ہے آکے ٹکرا رہا
سمندر سے دریا سے اٹتی ہے موج
سدا کرتی رہتی ہے دھاوا یہ فرج

کراروں کو آخر گرا ہی دیا نہ چٹانوں کو بالکل صفا چٹ کیا
 برستا جو مینہ موسلا دھا رہے سو یہ ننھی بوندیوں کی بوچھا رہے
 درختوں کے جھنڈا اور جنگل گھنے یوں پتے پتے سے مل کر بنے
 ہوئے ریشہ سے بن اور جھاڑ بنا ذرہ ذرہ سے مل کر پھاڑ
 لگا دانہ دانہ سے غلہ کا ڈھیر پڑا لمحہ لمحہ سے برسوں کا پھیر
 جو ایک ایک پل کر کے دن کٹ گیا تو گھڑیوں ہی گھڑیوں برس گھٹ گیا
 لکھا لکھنے والے نے ایک ایک حرف ہوئیں گڈیاں کتنی کاغذ کی صرف
 ہوئی لکھتے لکھتے مرتب کتاب اسی پر ہر اک شے کا سمجھو حساب
 ہر اک علم و فن اور کرتب ہنر نہ تھا پہلے ہی دن سے اس ڈھنگ پر
 یونین بڑھتے بڑھتے ترقی ہوئی جو تیرہ ہے اب تھا وہ پہلے سوئی
 جولا ہے لے جوڑا تھا ایک ایک تار ہوئے تھان جس کے گزوں سے شمار
 یونین پھوپھوں پھوپھوں بھر جھیل تال یونین کوڑی کوڑی ہو جسے مال

اگر تھوڑا تھوڑا کرو صبح و شام

بڑے سے بڑا کام بھی ہو تمام

۱۹۱۵
اس م



(۵) ایک وقت میں ایک کام

ہے کام کے وقت کام اچھا اور کھیل کے وقت کھیل زیبا
 جب کام کا وقت ہو کر و کام بھولے سے بھی کھیل کا نہ لو نام
 ہاں کھیل کے وقت خوب کھیلو کو دو پھاندو کہ ڈنڈ سپیلو
 خوش رہنے کا ہے یہی طریقہ ہر بات کا سیکھے سلیقہ
 ہمت کو نہ تار یو خدا را مت ڈھونڈو غیر کا سہارا
 اپنی ہمت سے کام کرنا مشکل ہو تو چاہئے نہ ڈرنا
 جو کچھ ہو سو اپنے دم قدم سے کیا کام ہے غیر کے کرم سے
 مت چھوڑو کام کو ادھورا بے کار ہے جو ہوا نہ پورا
 ہر وقت میں صرف ایک ہی کام پاسکتا ہے بہتری سے انجام
 جب کام میں کام اور چھیڑا دونوں ہی میں پڑ گیا بکھیڑا
 جو وقت گزر گیا اکارت افسوس! ہوا خزانہ غارت

ہے کام کے وقت کام اچھا
 اور کھیل کے وقت کھیل زیبا

(۶) ہوا چلی

ہونے کو آئی صبح تو ٹھنڈی ہوا چلی
 لہرا دیا ہے کھیت کو ملتی ہیں بالیاں
 پھلوار یوں میں تازہ شکوفے کھلا چلی
 سرسبز ہوں درخت باغوں میں تجھ بغیر
 کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی
 پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی میں ڈالیاں
 سویا ہوا تھا سبزہ اُسے تو جگا چلی
 سر سے ہی دم قدم سے ہر بھاتی پن کی سیر
 چوپایہ کوئی زندہ بچے اور نہ آدمی
 پھر کائیں کائیں ہونہ غُٹرخوں نہ چھہ

بندوں کو چاہئے کہ کریں بندگی ادا
 اُس کی کہ جس کے حکم سے چلتی ہے یہ سدا

(۷) پن چلی

نہر پر چل رہی ہے پن چلی
 بیٹھتی تو نہیں کبھی تھک کر
 دھن کی پوری ہے کام کی پکی
 تیرے پیٹہ کو ہے سدا چکر
 تو نے جھٹ پٹ لگا دیا اک ڈھیر
 تیرا اٹا بھرے گا کتنے پیٹ
 شہر کے شہر میں ترے محتاج
 کام کو کر رہی ہے طے چلی
 پینے میں لگی نہیں کچھ دیر
 لوگ لیجائیں گے سمیٹ سمیٹ
 بھر کے لاتے ہیں گاڑیوں میں اناج
 تو بڑے کام کی ہے لے چلی!

خستم تیرا سفر نہیں ہوتا
پانی ہر وقت بہتا ہے دھل دھل
کیا تجھے چین ہی نہیں آتا
مینہ برستا ہو یا چلے آندھی
تو بڑے کام کی ہے لے چکی!
علم سیکھو سبق پڑھو بچو
کھینے کو دے کامت لو نام
جب نبر جائے کام تب ہے فرہ
دل سے محنت کرو خوشی کے ساتھ

نہیں ہوتا مگر نہیں ہوتا
جو گھٹاتا ہے آ کے تیری کل
کام جب تک نبر نہیں جاتا
تو نے چلنے کی شرط ہے بانڈھی
مجھکو بھاتی ہے تیری لے چکی
اور آگے چلو بڑھو بچو
کام جب تک کہ ہونہ جائے تمام
کھینے کھانے اور سونے کا
نہ کہ اکتا کے خاموشی کے ساتھ

دیکھ لو چل رہی ہے پن چسکی
دھن کی پوری ہے کام کی پکی

(۸) اسلم کی بتی

چھوٹی سی بتی کو میں کرتا ہوں پیار
گو د میں لیتا ہوں تو کیا گرم ہے
میں جو نہ چھپڑوں تو نہ جھلائے وہ
کھینچ کے دم ابے ستاؤں گا میں

صاف ہے ستھری ہے بڑی ہے کھلا
گالے کی مانند رُواں نرم ہے
میں نہ ستاؤں تو نہ خرائے وہ
گھر میں سے باہر نہ بھگاؤں گا میں

اب نہ ڈرے گی وہ مری مار سے
 صحن میں گھر میں کبھی میدان میں
 دُم کو بلا میرے پڑے گی وہ پاؤں
 دونگا اُسے گیند میں جب آن کر
 تاک لگائے گی۔ دبوچے گی خوب
 کھیلیں گے ہم دونوں بہت پیار سے
 کھیلیں گے در میں کبھی دالان میں
 بولے گی پھر پیار سے یوں ”میاؤں میاؤں“
 جھپٹے گی وہ اُس پہ چونا جان کر
 مار نہٹے اُسے نوچے گی خوب

ہم نے بڑے پیار سے پالا اُسے
 کتے ہیں سب چوہوں کی خالا اُسے

(۹) بچہ اور ماں

اچھی اماں! مجھے بتا دو ابھی
 تم کو بچہ سے کیوں یہ الفت ہے؟
 ماں نے بچہ کو یوں جواب دیا
 کیسا لیٹا ہے یہ خوش و خرم
 نہ تو روتا نہ بلبلاتا ہے
 مسکراتا ہے کیا ہی خوش ہو کر
 جبکہ سونے کا وقت ہے آتا
 جب کہ آنکھوں میں نیند آتی ہے
 کہوں ہے بچہ کی ماما اتنی؟
 کس لئے اس قدر محبت ہے؟
 حیف! تم جانتے نہیں بیٹا
 نہ کوئی فکر ہے نہ کوئی غم
 گود میں کیا ہنک کے آتا ہے
 جیسے چڑیا گلن ہو ڈالی پر
 میرے سینے سے ہے چمٹ جانا
 بستر اُس کا میری چھاتی ہے

نند لے کر ہنسی خوشی سے اٹھا پھول گویا کھلا چنبیلی کا
لگ گئی بھوک کہ نہیں سکتا پیاری نظروں سے ہے مجھے تکتا

پیار کا میرے بس ہی ہے سبب
نہیں آتا بیان میں مطلب

(۱۰) ماں اور بچہ

بولی بچہ سے ماں مرے پیارے صد قے اماں! جواب دو بارے
کہ ہر بچہ کو ماں سے الفت کیوں؟ رکھتا ہے اس قدر محبت کیوں؟
دیا بچے نے یوں جواب سنا! لے ہے! اماں خبر نہیں تم کو
مجھ کو تکلیف سے بچاتی ہو پیار سے گو د میں بٹھاتی ہو
جی مرا بد مزہ اگر ہو جائے میرے دکھ کا تمہیں اثر ہو جائے
مجھ کو ہو درد تم کو میرانی مچکے چمکے کرو نگہبانی
اچھے اچھے کھلاتی ہو کھانے پیار کرتی ہو تم۔ خدا جانے!
اور سب سے کم آ رہے ہیں نظر تم زیادہ ہو مہسرباں مجھ پر
جاننا ہوں عزیز سب سے تمہیں چاہتا ہوں اسی سبب سے تمہیں

پیاری اماں کس نہیں جاتا

نہیں مطلب بیان میں آتا

(۱۱) ایک مور اور کلنگ

دُم مور نے پھول کر دکھائی
 کیا خوب میں نقش اور کیا رنگ!
 میری سی کہاں ہے آپ کی دم
 بولا اُس سے کلنگ سنس کر
 لیکن نہیں کچھ بھی کام آتے
 اڑنے نہیں دیتی دم تمھاری
 یہ کہہ کے پروں کو پھٹ پھٹا کے
 اُڑا کریں آسماں کا پھیرا
 مٹنہ اپنا سالے کے رہ گیا مور
 بھاتا ہے جنھیں نرا دکھاوا
 بس اُن کو ہے ٹیپ ٹاپ کی دھن
 وہ لوگ ہیں مور کے بھی باوا
 شہخی کے سوا نہیں کوئی گن

دیکھیں کسے یاد ہے زبانی

مور اور کلنگ کی کہانی



(۱۲) عجیب چڑیا

چڑیا ہم نے عجیب پالی
 دن رات ہو۔ شام یا سورا
 چڑیا سے بھی قد ہے اُس کا چھوٹا
 پوٹے پہ جو غور سے نظر کی
 گویا ہے۔ اگرچہ بے زبان ہے
 دانہ پانی نہیں وہ کھاتی
 دن رات میں چھپڑو کسی آن
 جب تک بیتی ہے جاگتی ہے
 کہتی ہے کہ وقت کی خبر لو
 غفلت کیجے تو ٹوکتی ہے
 اس طور سے کرتی ہے گزارہ
 پھر اتنے ہی رات کو ہے دیتی
 انڈے میں تمام اُس کے سچے
 ہر بچے نے اگلے ساٹھ دانے
 جو دانہ گرا سو ہو گیا گم
 زنجیر اُس کے گلے میں ڈالی
 لیتی ہے وہ جیب میں بسیرا
 ہے اُس کا بدن تمام پوٹا
 پوٹا نہیں پوٹ ہے ہنر کی
 ناداں ہے مگر حساب اں ہے
 ہر دم ہے خوشی سے چھپاتی
 یہ چھپڑ ہے اُس کے جسم کی جان
 لو کام تو چسینر کام کی ہے
 جو کچھ کرنا ہے جلد کر لو
 عجلت کیجے تو روکتی ہے
 انڈے دیتی ہے دن میں بارہ
 دیتے ہی ہر ایک کو ہے سیتی
 ایک ایک سے نکلے ساٹھ بچے
 ہر دانہ میں ہیں بھرے خزانے
 ڈھونڈا کرو پھر نہ پاؤ گے تم

دانہ کی تباؤں کیا میں قیمت دانا سمجھیں اُسے غنیمت
جس نے اُسے پالیا کہا واہ! کیا بات ہے تیری بارک اللہ!
سچ مچ تو لعلِ بے بہا ہے گویا ہر درد کی دوا ہے

القصد ہے وہ عجب پرندہ

مردہ اُسے کہہ سکیں نہ زندہ

(۱۳) ایک لڑکا اور بیہوش

ایک لڑکا ہے بڑا ایمان دار آزمائش ہو چکی ہے چند بار
ایک دن وہ نیک دل اور باحیا اپنے ہمسایہ کے گھر میں تھا گیا
آدمی بالکل نہیں واں نام کو کیونکہ ہمسایہ گیا ہے کام کو
تازہ تازہ بیر ڈلیا میں بھرے بے حفاظت گھر کے اندر میں دھرے
لیکن اُس نے بیر کو چھڑا نہیں ہونہ جائے شبہ چوری کا کہیں
آگیا اتنے میں ہمسایہ وہاں کھیل میں مصروف ہے لڑکا جہاں
اپنے بیروں میں نہ پانی کچھ کمی ہو کے خوش لڑکے سے پولا آدمی
بیر یہ تم نے چرائے کیوں نہیں؟ کیوں چڑاتا؟ چور تھا کیا میں کہیں؟
چور جب بنتے کہ کوئی دیکھتا دیکھنے کو میں ہی خود موجود تھا
کچھ بڑائی آپ میں گراؤں میں پانی پانی شرم سے ہو جاؤں میں

واہ وا! شاباش! لڑکے واہ وا!
تو جواں مردوں سے بازی لے گیا

(۱۴) ایک پودا اور گھاس

اتفاقاً ایک پودا اور گھاس
گھاس کہتی ہے کہ اے میرے رفیق
ہے ہماری اور تمہاری ایک ذات
مٹی اور پانی ہوا اور روشنی
بجھپہ لیکن ہے عنایت کی نظر
سر اٹھانے کی مجھے فرصت نہیں
کون دیتا ہے مجھے یاں پھیلنے
تجھ پہ منہ ڈالے جو کوئی جانور
اولے پالے سب پالتے ہیں تجھے
چاہتے ہیں تجھ کو سب کرتے ہیں پیار
اُس سے پودے نے کہا یوں سڑا
مجھ میں اور تجھ میں نہیں کچھ بھی امتیاز
فائدہ اک روز مجھ سے پائیں گے

باغ میں دونوں کھڑے ہیں پاس پاس
کیا انوکھا اس جہاں کا ہی طریق
ایک قدرت سے ہے دونوں کی حیات
واسطے دونوں کے یکساں سہنی
پھینک دیتے ہیں مجھے جڑ کھود کر
اور ہوا کھانے کی بھی مہبت نہیں
کھالیا گھوڑے گدھے یا بیل نے
اُس کی لی جاتی ہے ڈنڈی سے خیر
کیا ہی عزت سے بڑھاتے ہیں تجھے
کچھ پتا اس کا بتا اے دوستدار
گھاس! سب بیجا ہے یہ تیرا گلا
صرف سایہ اور میوہ ہے عزیز
سایہ میں بیٹھیں گے اور پھل کھائیں گے

ہے یہاں عزت کا سہرا اُس کے سر
جس سے پہنچے نفع سب کو بیشتر

(۱۵) ایک جگنو اور بچہ کی باتیں

سناؤں تھیں بات اک ات کی
چمکنے سے جگنو کے تھا اک سماں
پڑی ایک بچہ کی اُن پر نظر
چمک دار کیڑا جو بھایا اُسے
کہ وہ رات اندھیری تھی برسات کی
ہوا پر اڑیں جیسے چنگاریاں
پکڑھی لیا ایک کو دوڑ کر
تو ٹوپی میں جھٹ پٹ چھپایا اُسے
وہ جھم جھم چکنا ادھر سے ادھر
تو غمگین قیدی نے کی التجا
پھرا۔ کوئی رستہ نہ پایا مگر
کہ چھوٹے شکاری! مجھے کر رہا

جگنو

خدا کے لئے چھوڑ دے چھوڑ دے!
میری قید کے جال کو توڑ دے!

بچہ

کروں گا نہ آزاد اُس وقت تک
کہ میں دیکھ لوں دن میں تیری چمک

جگنو

چمک میری دن میں نہ دیکھو گے تم
اُجالے میں ہو جائے گی وہ تو تم

بچہ

الے چھوٹے کیڑے نہ دی دم مجھے کہ ہے واقفیت ابھی کم مجھے
 اُجالے میں دن کے کھلے گایہاں کہ اتنے سے کیڑے میں ہے کیا کمال
 دھواں ہی نہ شعلہ نہ گرمی نہ آنج چکنے کی تیرے کروں گا میں جانچ

جگنو

یہ قدرت کی کاریگری ہے جناب کہ ذرہ کو چکائے جوں آفتاب
 مجھے دی ہے اس واسطے یہ چمک کہ تم دیکھ کر مجھ کو جاؤ ٹھٹھک
 نہ اُلٹھ پنے سے کرو پاٹال
 سنبھل کر چلو آدمی کی سی چال!

(۱۶) ایک گھوڑا اور اُس کا سایہ

ایک گھوڑا تھا نہایت عیب دار اپنے سایہ سے بدکتا بار بار
 اُس سے مالک نے خفا ہو کر کہا سُن تو احمق! جس سے تو ہے ڈر رہا
 جسم کا تیرے ہی تو سایہ ہے وہ کچھ درندہ ہے نہ چوپایہ ہے وہ
 جسم رکھتا ہے نہ اُس کے جان ہے تو بڑا ڈرپوک۔ او نادان! ہے
 یوں دیا گھوڑے نے مالک کو جواب سچ کہا یہ آپ نے لیکن جناب!
 آدمی سے بڑھ کے میں وہی نہیں اُن بوئی باتوں کا جسوں کو یقین
 بھوت کا قصہ کہانی کے سوا کچھ نشاں گھر میں نہ جنگل میں پتا

بھوت سے ڈرنا بھی کوئی بات ہے کیا ہی وہی آدمی کی ذات ہے
سایہ تو آنکھوں سے آتا ہے نظر کیا عجب ہے جو ہوا مجھ پر اثر

اپنے دکھ کا کیجئے اول علاج

دوسروں کا پوچھئے پیچھے مزاج

(۱۷) ایک کتا اور اُس کی پرچھائیں

منہ میں ٹکڑا لئے ہوئے کتا ایک دریا کو تیر کر اُترا
پانی آئینہ سا رہا تھا چمک نظر آتی تھی تہ کی مٹی تک
اپنی پرچھائیں پر کیا جو غور اُس کو سمجھا کہ ہے یہ کتا اور
منہ میں ٹکڑا دوبار رہا ہے یہ گہرے پانی میں جا رہا ہے یہ
حرص نے ایسا بے قرار کیا جھٹ سے غرّاکے اُس بے وار کیا
جو نہیں ٹکڑے پر اُس کے منہ مارا اپنا ٹکڑا بھی کھو دیا سارا
واں نہ ٹکڑا نہ اور گُٹا تھا وہم تھا۔ وہم کے سوا کیا تھا
یونہیں جتنے میں لاپچی نادان کر کے لالچ اٹھاتے ہیں نقصان
باندھتے ہیں کہاں کہاں کس خیال اور کھو بیٹھتے ہیں اپنا مال

تم ہو س میں سٹری نہ بن جاؤ

جو ملے اُس کو کام میں لاؤ

(۱۸) ریل گاڑی

حیواں ہو وہ انساں جن پر نہ وہ پری ہو
 کھاپی کے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے
 وہ گھورتی گرجتی بھرتی ہے اک سپاٹا
 آتی ہے شور کرتی جاتی ہے غل مچاتی
 بے خوف بے محابا ہر دم رواں دواں ہے
 آندھی ہو یا اندھیرا ہے اُس کو سب برابر
 اتر سے لے دکن تک پور سے لے پچھان تک
 بجلی ہو یا گولا۔ بھونچال ہے کہ آندھی
 ہر آن ہے سفر میں کم ہے قیام کرتی
 پردیسیوں کو جھٹ پٹ پہنچا گئی وطن میں
 ہر چیز سے نڑالی ہے چال ڈھال اُس کی
 برکت اُس کی بے پردار بن گئے ہیں
 ہم کہ چکے افضل۔ جو کچھ ہے کام اُس کا

سینے میں اُس کے ہر دم اک آگ سی بھری ہے
 سر سے دھوئیں اڑا کر غصہ اُتارتی ہے
 ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں اُس نے کاٹا
 وہ اپنے خادموں کو ہے دور سے جگاتی
 ہاتھی بھی اُس کے آگے اک مورنا توں ہے
 یکساں ہے نور و ظلمت اور روز و شب برابر
 سب ایک کر دیا ہے سنبھی ہے وہ جہاں تک
 ٹھیکہ پر ہے پہنچتی بچنوں کی ہے وہ باندھی
 رہتی نہیں معطل۔ پھرتی ہے کام کرتی
 ڈالی ہے جان اُس نے سو آگری کے تن میں
 پاؤ گے صنعتوں میں کتر مثال اُس کی
 ملک اُس کے دم قدم سے گلزار بن گئے ہیں
 جب جانیں تم تباہ دین سوچے نام اُس کا

جی ہاں سمجھ گیا میں۔ پہلے ہی میں نے تاڑی

وہ دیکھو اگرہ سے آتی ہے ریل گاڑی

(۱۹) ہماری گائے

رب کا شکر ادا کر بھائی
 اُس مالک کو کیوں نہ پکاریں
 خاک کو اُس نے سبزہ بنایا
 کل جو گھاس چری تھی بن میں
 سجانِ اسد دودھ ہے کیسا
 دودھ میں بھیگی روٹی میری
 دودھ وہی اور مٹھا مسکا
 گائے کو دی کیا اچھی صورت
 دانہ دُنکا بھوسی چوکر
 کھا کر تنکے اور ٹھٹیرے
 کیا ہی غریب اور کیسی پیاری
 سبزہ سے میدان ہرا ہے
 پانی موجیں ماز رہا ہے
 پانی پی کر چارہ چر کر
 دوری میں جودن ہے کاٹا
 جس نے ہماری گائے بنائی
 جس نے پلائس دودھ کی سدھاریا
 سبزہ کو پھر گائے نے کھایا
 دودھ بنی اب گائے کے تھن میں
 تازہ گرم سفید اور میٹھا
 اُس کے کرم نے بخشی سیری
 دے نہ خدا تو کس کے بس کا
 خوبی کی ہے گویا مورت
 کھا لیتی ہے سب خوش ہو کر
 دودھ ہے دیتی شام سویرے
 صبح ہوئی جنگل کو سدھاری
 جھیل میں پانی صاف بھرا ہے
 چروانا چمکار رہا ہے
 شام کو آئی اپنے گھر پر
 بچہ کو کس پیار سے چاٹا

گائے ہمارے حق میں پر نعت دو دم ہے دیتی کھانے نسبت
 بچھڑے اُس کے بیل بنائے جو کھیتی کے کام میں اُسے
 رب کی حمد و ثنا کر بھائی
 جس نے ایسی گائے بنائی

(۲۰) سچ کہو

سچ کہو سچ کہو ہمیشہ سچ ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ
 سچ کہو گے تو تم رہو گے عزیز سچ تو یہ ہے کہ سچ ہے اچھی چیز
 سچ کہو گے تو تم رہو گے شاد منکر سے پاک رنج سے آزاد
 سچ کہو گے تو تم رہو گے دلیر جیسے ڈرتا نہیں دلاور شیر
 سچ سے رہتی ہے تقویتِ دل کو سہل کرتا ہے سخت مشکل کو
 سچ ہے ساری معاملوں کی جان سچ سے رہتا ہے دل کو طیمان
 سچ میں رحمت ہے اور آسانی سچ سے ہوتی نہیں پشیمانی
 سچ ہے دنیا میں نیکیوں کی جڑ سچ نہ ہو تو جہان جائے اُبڑ
 سچ کہو گے تو دل رہے گا صاف سچ کرادے گا سب قصور معاف
 سچ سے زہار درگزر نہ کرو دل میں کچھ خوف اور خطر نہ کرو
 جس کو سچ بولنے کی عادت ہے وہ بڑا نیک باسعادت ہے

وہی دانا ہے جو کہ ہے سچا
اس میں بڑھا ہو یا کوئی بچا
ہے بڑا جھوٹ بوسنے والا
آپ کرتا ہے اپنا سُنہ کالا
فائدہ اُس کو کچھ نہ دے گا جھوٹ
جائے گا ایک روز بھانڈا پھوٹ

جھوٹ کی بھول کر نہ ڈالو خو

جھوٹ ذلت کی بات ہر آخ تھو !!

(۲۱) ہمارا گٹا ٹیپو

ٹیپو ہے اس کا نام یہ گٹا عجیب ہے
ہم دونوں بھائی بہنوں سے الفت ہے اس قدر
افسوس میرے ٹیپو! حیراں ہوں کیا کروں
آتا ہے کم جہاں میں تجھسار فیوں ہاتھ
میں دودھ پنی رہا ہوں تو بیٹھا ہی میرے پاس
البتہ میں بھی کرتا ہوں صرف اس قدر سلوک
لیکن مجھے یقین ہے اگر کچھ نہ دوں تجھے
اس واسطے کہ تو ہے وفادار حق شناس
ٹیپو ہمارے گھر کا پڑانا رفیق ہے
جنگل کو جائیں حضور تو جاتا ہے ساتھ ساتھ

بڑھا ہے باادب نہایت غریب ہے
جب دیکھتا ہے دور سے آتا ہے دوڑ کر
کس ڈھب سے تیرے ساتھ محبت کیا کروں
جاتا ہوں جب میں سیر کو رہتا ہی میری ساتھ
کچھ شک نہیں کہ تو ہی وفادار حق شناس
دیتا ہوں ایک ٹکڑا کہ دب جائے تیری بھوک
دیکھے گا پھر بھی پیار کی نظروں سے تو مجھے
مالک کا اپنے تجھ کو بہت ہے لحاظ و پاس
بڑھا ہے با وفا ہے نہایت شفیق ہے
جب گھر کو واپس آئیں تو آتا ہے ساتھ ساتھ

بیچارہ گھر کی چوکسی کرتا ہے رات بھر
اور دن میں کھیلتا ہے مرے ساتھ اور صُورِ دُھر

شفق (۲۲)

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار	ہو امیں کھلا ہے عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ	جھنیں دیکھ کر عقل ہوتی ہے دنگ
نیا رنگ ہے اور نیا روپ ہے	ہر ایک روپ میں آوی ہو پے
طبیعت کے بادل کی رنگت پہ لوٹ	سنہری لگائی ہے قدرت گوت
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی	بنفشی و نارنجی و چمنی
یہ کیا بھید ہے! کیا کرامات ہے!	ہر اک رنگ میں اک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ	بے سونے چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیلگوں اس میں سرخی کی لاگ	ہرے بن میں گویا لگا دی ہے آگ

اب آثار ظاہر ہوئے رات کے

کہ پردے چھٹے لال بانات کے



رات (۲۳)

گیا دن ہوئی شام آئی ہے رات
 نہ ہو رات تو دن کی پہچان کیا
 ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے
 لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند
 مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر
 درختوں کے پتے بھی چپ ہو گئے
 اندھیرا اُجالے پر غالب ہوا
 ہوئے روشن آبادیوں میں چراغ
 کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر
 تھپک کر سٹلایا اُسے نیند نے
 غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں
 وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے
 نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر
 گئے بھول سب کام دھندے کا غم
 کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب
 خدا نے عجب شے بنائی ہے رات
 اٹھائے مزدور دن کا انسان کیا
 خموشی سی چھائی سیر شام سے
 زمانے کے سب کار بہوار بند
 سیر شام منزل پر کھولی کمر
 ہوا تھم گئی پیسٹر بھی سو گئے
 ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا
 ہو سب کو محنت سے حامل فراغ
 کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر
 تردد بھلایا اُسے نیند نے
 مشقت سے جن کے بدن چھڑیں
 وہ ماننے تھکے اور مارے ہوئے
 ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر
 سویرے کو اٹھیں گے اب تازہ دم
 کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب

(۲۴) گرمی کا موسم

مئی کا آن پہونچا ہے مہینہ
 بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
 چلی لو اور تراقی کی ٹہری دھوپ
 زمیں ہے یا کوئی جلتا تو ہے
 درود یوار ہیں گرمی سے تپتے
 پرندے اڑ کے ہیں پانی پہ گرتے
 درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں
 نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی
 نہ سنبکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ
 بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینا
 ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایا
 لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
 کوئی شعلہ ہے یا بچھوا ہوا ہے
 بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
 چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
 مگر ڈوبے پڑے میں کھاریوں میں
 زمین کا فرش ہے چھت آسماں کی
 ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی

غریبوں کا بھی ہے اللہ بلی

(۲۵) برسات

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا	ہے چاروں طرف چھاؤالی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی	ہو امیں بھی اک سنسناہٹ ہوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برس گئی	تو بے جان مٹی میں جان آگئی
زمین بسر نے سے لہلانے لگی	کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی
جڑی بوٹیاں پیڑ آئے نکل	عجب بیل پتے عجب پھول پھل
ہراک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے	ہراک پھول کا ایک نیا رنگ ہے
یہ دو دوں میں کیا ماجرا ہو گیا	کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا	وہاں آج ہے گھاس کا بن کھڑا

ہزاروں پھد کئے لگے جانور

نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

(۲۶) ملتے کی انگوٹھی

چاندی کی انگوٹھی پہ جو سونے کا چڑھا جھول	اچھی تھی لگی بولنے اتر کے بڑا بول
چاندی کی انگوٹھی کے نہیں ساتھ رہو گی	وہ اور ہے میں اور یہ دولت نہ سہوں گی
میں قوم کی اونچی ہوں بڑا میرا گھرانہ	وہ ذات کی گھٹیا ہے نہیں اس کا ٹھکانہ

میری ہی چکل میں زمیری ہی دمک ہے
 چاندی ہی کہ ہے رنگ مجھ اس میں بھی شک ہے
 میری ہی کہاں چاشنی میرا کہاں رنگ
 وہ مول میں اور تول میں میر نہیں پانگ
 لے دیکھنے والو تمہیں انصاف سے کہنا
 چاندی کی انگوٹھی بھی ہے کچھ گنوں میں گنا
 یہ سنئے ہی چاندی کی انگوٹھی بھی گئی جل
 اللہ ری ملے کی انگوٹھی تیرے چھل بل
 سونے کے ملے پہ نہ اتر میری پیاری
 دو دن میں بھڑک اس کی اتر جائیگی ساری
 کچھ دیر حقیقت کو چھپایا بھی تو پھر کیا
 جھوٹوں نے جو پتوں کو چڑایا بھی تو پھر کیا
 مت بھول کہی اصل کو اپنی ہی اتق!
 جب آدیا جائے گا ہو جائے گا منہ فق
 سچے کی تو عت ہی بڑھے گی جو کریں جانچ
 مشورٹل ہے کہ نہیں سانچ کو کچھ آسج

کھوٹے کو کھرا بن کے نکھرنا نہیں اچھا

چھوٹے کو بڑا بن کے ابھرنا نہیں اچھا

(۲۷) دال کی فریاد

ایک لڑکی بگھارتی ہے دال
 دال کرتی ہے عرض یوں احوال
 ایک دن تھا ہری بھری تھی میں
 ساری آفات سے بری تھی میں
 تھا ہر اکھیت میرا گوارہ
 وہ وطن تھا مجھے بہت پیارا
 پانی پی پی کے تھی میں لہراتی
 دھوپ لیتی کبھی ہوا کھاتی
 مینہ برستا تھا مجھو کے آتے تھے
 گودیوں میں مجھے کھلاتے تھے

مجھ سے کرتے تھے نیک برتاؤ
 آہ ظالم کسان آن پڑا
 کھیت کا کھیت کر دیا پیٹ
 مجھ کو گونوں میں لے گئے بھر کے
 چھن گئی ہاے میری آزادی!
 دال منڈی میں مجھ کو جا بیچا
 جس نے پکلی میں مجھ کو دل ڈالا
 دونوں پاٹوں نے کر دیا چورا
 خوب بننے کی خریداری
 قید خانہ میرا بنا سٹکا
 تم نے تو اور بھی غضب ڈھایا
 زخم کیونکر ہرے نہ ہوں دل کے
 رکھ کے چولھے یہ جی جلایا خوب
 اور ناخن کے بھی کچو کے ہیں
 دانت ہے آپ کا مرے اوپر
 ہاے تم نے بھی کچھ نہ رحم کیا
 جان پر ابنی جو اس میں کم
 ظلم ہے یا نہیں (قصور معاف)
 مجھ کو معلوم ہے ترا سب حال
 خاک میں ملے خاک ہو جاتی
 پیٹ میں اپنے تجھ کو بھر لیتی
 اب چپاتی سے تجھ کو کھاتی ہوں
 یوں تجھے آدمی بنا نا تھا
 مہربانی تھی سب نہ تھا یہ ستم

یہی سورج زمین تھے ماں باوا
 جب کیا مجھ کو پال پوس پڑا
 گئی تقدیر یک یک جو پیٹ
 خوب لوٹا دھڑی دھڑی کر کے
 ہو گئی دم کی دم میں بربادی
 کیا بتاؤں کہاں کہاں کھینچا
 ایک ظالم سے داں پڑا پالا
 ہوا تقدیر کا لکھا پورا
 نہ مستی میری آہ اور رازی
 چھانا پھلنی میں چھاج میں پھٹکا
 پھر مقتدر مجھے یہاں لایا
 کھال کھینچی الگ کئے چھلکے
 ڈالیں مچھیں نمک لگا یا خوب
 اُس پے کفگیر کے ٹوکے ہیں
 میرے گلنے کی لے رہی ہو خبر
 گرم گھی کر کے مجھ کو دغ دیا
 ہاتھ دھو کر پڑی ہو پیچھے تم
 اچھی بی بی تمہیں کرو انصاف
 کہا لڑکی نے میری پیاری دال
 تو اگر کھیت سے نہیں آتی
 یا کوئی گائے بھینس چر لیتی
 میں تو ترسہ ترا بڑھاتی ہوں
 نہ ستانا نہ جی جلانا تھا
 اگلی پتی کا تو نہ کر کچھ غم

(۲۸) دال چپاتی

دال چپاتی میں جھڑپ ہو گئی

اور سزا ایک حکایت نئی

دال لگی کہ میرا مزہ
 میرے بدولت کو بھلا کھاؤ کون
 بلکہ بڑی دال اگر کھائیے
 کرتا ہے درویش جو روٹی طلب
 دیکھ لو اس وقت میری برتری
 بیٹھتی ہوں چڑھ کے چپاتی پیں
 اس کے سوا دیکھئے میرا سنگار
 مجکو پکاتے ہیں سبھی ادبدا
 میری فضیلت میں نہیں کوئی شک
 ذائقہ خوشبو پیر میری لوشے
 دال نے شیخی جو بگھاری بڑی
 بے ادبی کرنے میری شان میں
 دال ہو سالن ہو کہ چٹنی اچار
 کوفتہ ہو قورمہ ہو یا کباب
 چٹ پٹی ترکاریاں جو ہیں ساتھ
 دال کا دانہ بھی نہ چکھے کوئی
 دال تو اک بارے کا ہتیار ہے
 کرتا چپاتی کو بھی ہے بازہ
 روکھی چپاتی میں مزہ پاؤ کون
 ہونٹ ہی بس چاٹتے رہ جائیے
 دال چپاتی اُسے دیتے ہیں سب
 نیچے ہے وہ اور میں اوپر دھری
 مونگ دلا کرتی ہوں چپاتی پیں
 پہلے مصالح ہے پھر اس پر بگھا
 کھاتے ہیں شاہ سے لے تا گدا
 واہ رے میں درمرا آب و نمک
 دل پے چپاتی کے یہی چوشے
 سن کے چپاتی بھی اچھل ہی ٹپی
 میری طفیلی ہے تو ہر خوان میں
 سب ہیں میرے ساتھ کے خدمت گزار
 تھام کے چلتے ہیں میری رکاب
 دال کو پھر کون لگاتا ہے ہاتھ
 بلکہ رکابی میں نہ رکھے کوئی
 کھائے وہی اس کو جو بیمار ہے

دال میسر نہیں ہوتی جنھیں
 جس کی فقط دال پر گزان ہے
 صرف چپاتی کو غنیمت گنیں
 یوں تو سبھی کھانوں میں فضل ہو میں
 آدمی کا ہے کو وہ حیوان ہے
 دونوں میں القصد بہت بڑھ گئی
 دال سے سو مرتبہ اولیٰ ہوں میں
 ایک لے ایک آن کے پھر چڑھ گئی
 لقمہ بنا دونوں کو میں کھا گیا
 قصہ ہوا فیصلہ جھگڑا گیا

(۲۹) دو مکھییاں

ایک مکھی کہ ہے زریِ احمق
 کوتہ اندیش - لالچی - ناداں
 فکرِ انجام اُسے نہیں مطلق
 دیتی پھرتی ہے مفت اپنی جاں
 پائوں اور پر لقمہ گئے سارے
 اکھڑے بازو تو تانگ ٹوٹ گئی
 کیا حماقت کی چاشنی چکھی
 آخرش بھنس کے رہ گئی مکھی
 سوچ لیتی ہے کام کا پس پیش
 اڑتی پھرتی ہے وہ بہ چالاک
 تو یہ آہستگی اڑائی
 کہیں مصری کی جب ڈلی پائی
 چاٹ کر ہو گئی مگر وہ سیر
 گرجہ اس کام میں لگی کچھ دیر

چاٹ کے کھا کے اڑ گئی چھٹیر
دور بینی کا اُس کو یاد ہے گر
کس مزہ سے گزارتی ہے دن
شکر کا گیت گاتی ہے بھن بھن

(۳۰) شنوی آب زلال

خدا نے دی ہے تم کو عقل و تیز	ذرا دیکھو تو یہ پانی ہے کیا چیز
دکھاؤ کچھ طبیعت کی روانی	جو دانا ہو تو سمجھو کیا ہے پانی
یہ لکر دو ہواؤں سے بنا ہے	گرہ کھل جائے تو فوراً ہوا ہے
نظر ڈھونڈے مگر کچھ بھی نہ پائے	زباں چکھے مزہ ہرگز نہ آئے
ہواؤں میں لگا یا خوب پھندا	انوکھا ہے تیری قدرت کا دھندا
نہیں مشکل اگر تیری رضا ہو	ہوا پانی ہو اور پانی ہو ابو
مزاج اُس کو دیا ہے نرم کیا	جگہ جیسی ملے بجائے ویسا
نہیں کرتا جگہ کی کچھ شکایت	طبیعت میں رسائی ہے نہایت
نہیں کرتا کسی برتن سے کھٹ پٹ	ہر اک سا پنچ میں ڈھلجاتا ہے جھٹ پٹ
نہ ہو صدر سے ہرگز ریزہ ریزہ	نہ نوزخمی اگر لگ جائے تیرہ
نہ اُس کو تیر سے تلوار سے خون	نہ اُس کو توپ کی بھمار سے خوف
تواضع سے سدا پستی میں بہنا	جفا سہنا مگر ہموار رہنا

نہیں ہے کشتی سے کچھ سروکار
 خزانہ گر بلند سی پر نہ ہوتا
 جو ہلکا ہو اُسے سر پر اٹھائے
 نہ جلتا ہے نہ گلتا ہے نہ سڑتا
 اُسے بھینچو دباؤ یا ٹٹولو
 اُسے رگڑو گھسو پیسو بہاؤ
 کسی عنوان سے ہوگا نہ نابود
 لگے گرمی تو اڑ جائے ہوا پر
 ہوا میں تل کے غائب ہونظر سے
 ہوا پر چڑھ کے پونچے سیکڑوں کوں
 گھر ہے بھاپ ہے پانی ہے یا برف
 اُسی کے دم سے دنیا میں تری ہے
 پھلوں میں پھول میں ہر کھڑی میں
 ہر اک ریشہ میں ہے اُس کی سائی
 پھلوں کا ہے اُسی سے تازہ چہرہ
 اُسی کو پی کے جیتے ہیں سب انساناں
 یہی معدہ کو پہنچاتا رسد ہے
 نہ دیکھو گے کبھی تم اُس کا انبار
 تو فوارہ سے وہ باہر نہ ہوتا
 جو بھاری ہو اُسے غوطا کھلائے
 نہ پانی نہیں ہرگز بگڑتا
 اُسے چھیڑو اچھا لو یا گھنگولو
 جھکولے دو مسلڈا تو ڈباؤ
 وہی پانی کا پانی دو دفعہ کا دودھ
 پڑے سردی تو بجاتا ہے پتھر
 کبھی اوپر سے بادل بن کے برسے
 کبھی اولا کبھی پالا کبھی اوس
 کئی صینوں میں ہو ایک تل کی ضر
 اُسی کی چاہ سے کھیتی بہری ہے
 ہر اک ٹہنی میں ہر لوٹی جڑی میں
 غذا ہے جڑ سے کوئل تک پٹھانی
 اُسی کے سر پہ ہی پھولوں کا سہرا
 اُسی سے تازہ دم ہیں سارے جانوں
 یہی تخلیل میں کرتا مدد ہے

عمارت کا بسایا اُس نے کھڑا
 زراعت اُس کی موروثی اٹائی
 کہیں ساگر کہیں کھاڑی کہیں جھیل
 کہیں نالہ کہیں نڈی کہیں سیل
 یہی پہلے زمیں پر موجزن تھا
 زمیں سب غرق تھی پانی کے اندر
 زمیں پوشیدہ تھی اُسکی بغل میں
 نہ بستی تھی نہ ٹاپو تھا کہیں پر
 نہ افریقہ نہ امریکہ نہ یورپ
 ہمالہ نے بھی تھی ڈبکی لگائی
 نہ طارس تھا نہ بندھی پل لطین
 مگر دنیا میں یکسانی کہاں ہے
 یہاں ہر چیز ہے کروٹ بدلتی
 کوئی شے ہو ہوا ہو یا ہو پانی
 رہا باقی نہ وہ پانی کا ریلا
 زمیں آہستہ آہستہ گئی چوس
 تری کا جب کہ دامن ہو گیا چاک
 تجارت کا کیا ہے پار بیڑا
 صنعت کے بھی اوزاروں کا حامی
 کہیں جہنا کہیں گنگا کہیں نیل
 ہے یہ دنیا کی کمسرٹ کا جنیل
 نہ میداں تھا نہ پربت تھا نہ بن تھا
 جدھر دیکھو سمندر ہی سمندر
 نہ تھا کچھ فرق جل میں اور تھل میں
 اسی کا دور دورہ تھا زمیں پر
 رہی تھی ایشیا اوشنیا چھپ
 نہ دیتی تھی کہیں چوٹی دکھائی
 نہ فارس تھا نہ ہندوستان نے چین
 جواب دیکھو تو وہ پانی کہاں ہے
 ہر ایک حالت کے چڑھتی اور ڈھلتی
 سمجھی کو ہے بڑھاپا اور جوانی
 اُسے خشکی نے پستی میں دھکیلا
 چھپائے مال کو جس طرح کنوس
 تو خشکی نے اڑائی جا بجا خاک

پہاڑا بھرے ہوئے میدان پیدا ہوئے میدان میں نخلستان پیدا
 تری کا گوا بھی پلہ ہے بھاری اڑائی ہے گردونوں میں جاری
 کیا کرتے ہیں نون کاٹ اور چھانٹ چلی جاتی ہے باہم لاک اور ڈانٹ
 تری ہر دم چلی جاتی ہے اُستی کبھی خشکی بھی ہے کایا پلٹتی
 تری کاتین چوتھائی میں سے راج تو خشکی ایک چوتھائی میں ہے آج
 نہیں چلتی تری کی سینہ زوری زمین اک روز بجائے گی کوری
 پہن رکھا تھا جب آبی لبادہ مٹا پا بھی زمیں کا تھا زیادہ
 مگر اب دن بدن چڑھتی خشکی تری گھٹی ہے اور بڑھتی خشکی

کی بیشی نہیں آتی نظر کچھ

بہت عمروں میں ہوتا ہے ارکچھ

(۳۱) موعظت

کرے دشمنی کوئی تم سے اگر جہاں تک بنے تم کرو درگزر
 کرو تم نہ حاسد کی باتوں پہ غور جلے جو کوئی۔ اُس کو جلنے دو اور
 اگر تم سے ہو جائے سرزد قصور تو اقرار و توبہ کرو بالضرور
 بدی کی ہو جس نے تمہارا خلاف جو چاہے معافی۔ تو کرد و معاف
 نہیں بلکہ تم اور احساں کرو بھلائی سے اُس کو پشیاں کرو

ہے شرمندگی اس کے دل کا علاج
سنرا اور ملامت کی کیا احتیاج
بھلائی کرو تو کرو بے غرض
غرض کی بھلائی تو ہے اک مرض
جو محتاج مانگے تو دو تم ادھار
رہو واپسی کے نہ امیدوار

جو تم کو خدا نے دیا ہے تو دو

نہ حسرت کرو اس میں جو ہو سو ہو

(۱۳۲) واناؤں کی نصیحت دل سے سنو

راوی نے ہے اس طرح خبر دی
اک شب لگی بندروں کو سردی
سردی نے دیا جو سخت آزار
جو یا ہوئے آگ کے وہ ناچار
ہر چار طرف دوا دوش کی
پائی نہ کہیں دوا غلش کی
ناگہ چکا جو کرم شب تاب
انگڑا سے جان کر لیا داب
ناچے کو دے خوشی سے باہم
تنکے پتے کئے فراہم
رکھ کر اُسے خار و خس کے اندر
پھونکیں لگے مارنے وہ بندر
لیکن ہوا فائدہ نہ کچھ بھی
انٹھانہ دھواں نہ آگ سلگی
کرتے رہے پھر بھی کام اپنا
چھوڑا نہ خیال خام اپنا
صحرا میں جو اور جانور تھے
وہ تجربہ کار و با خبر تھے
سمجھانے لگے زروئے شفقت
یوں وقت کو رائیگاں کر دت

اس کام سے کیجئے کنارہ
 جگنو کو نہ جانئے شرارہ
 سمجھانے سے وہ مگر نہ سمجھے
 جب تک نہ ہوئی سحر نہ سمجھے
 یاروں نے کہی تھی بات ٹھب کی
 غصا کے انھیں دکھائی بھبکی
 ناداں رہے رات بھرا کرتے
 سر مار تے ایڑیاں رگڑتے
 جب صبح ہوئی تو شک ہوا دور
 شرمندہ ہوئے بہت وہ معزور

سن لو نہ سننے کا جو نصیحت
 ہو گا وہ اسی طرح نصیحت

(۳۳) چھوٹے سے کام کا بڑا نتیجہ

ایک بچہ کہ ابھی کچھ اُسے تمیز نہ تھی
 لہو بازی سے پسندیدہ کوئی چیز نہ تھی
 کھیلنا کوونا کھانا۔ یہی معمول تھا بس
 انہیں طفلانہ تمناؤں میں مشغول تھا بس
 ایک تالاب تھا دو چار قدم گھر سے پرے
 دل میں لہرائی لب آب ذرا سیر کرے
 صاف پانی سے جو تالاب کو پایا لبریز
 کھیل کا شوق طبیعت میں ہوا اور بھی تیز
 آس پاس اپنے جو پایا کوئی کت کر پھر
 پھینک مارا اُسے پانی میں بہت خوش ہو کر
 کھیل تھا پہلے تو اب طرفہ تماشا دیکھا
 دل ہی دل میں متحیر تھا کہ یہ کیا دیکھا
 دائرہ ایک بنا ایسا کہ بڑھتا ہے محیط
 گھیر لی جس نے کہ تالاب کی بس سطح بسیط
 پھر تو کھیل اُس کا اسی شغل یہ پوقوف رہا
 اسی نظارہ میں تا دیروہ مصروف رہا

اسی اثنائیں ہوا بچہ کی ماں کا بھی گرز
 چونکہ دیکھی نہ ٹھنسی تھی کبھی اب سے پہلے
 اک ذرا سی حرکت اور یہ تاثیر عجیب
 بسکہ جی جان سے اس شعبدہ پر تھا شاید
 تھی وہ ماں اہل دل اور نیک منش نیک نہاد
 یونہی بہ کام کا ہو جاتا ہے انجام بڑا
 کبھی ادنیٰ حرکت زلزلہ بن جاتی ہے

بولا اماں مجھے آئی ہے عجب چیز نظر
 شاید آئی ہے نظر ٹھکڑی سے پہلے
 دائرہ بڑھکے پہنچتا ہے کنارے کے قریب
 وسعتِ دائرہ کی اپنے عمل سے پیدا
 ہنس کے فرمایا مری جاں یہ نصیحت کھریاد
 گو کہ آغاز میں ہوتا نہیں وہ کام بڑا
 کبھی ناچیز سی اک بات غضب ٹھکتی ہے

یہی اندازِ نگو کاری و بدکاری ہے

اولاً خاص تھی اب عام میں وہ جاری ہے

(۳۴) اونٹ

اونٹ تو ہے بس حلیم خوش خصال
 تیری پیدائش رفاہِ عام ہے
 کھانے کپڑے کا بھی تجھ پر ہے مدار
 لوق و دوق صحرا میں یا میدان میں
 سایہ انگن ہے نواں کوئی چٹان
 چلچلاتی دھوپ ہے اور چپ ہوا

تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال
 آدمی کے حق میں اک انعام ہے
 تو نے دی ہے اُس کو تیزی مستعار
 یا عرب کے گرم ریگستان میں
 سرد پانی کا نہ دریا کا نشان
 واں پرندہ بھی نہیں پر مارتا

تو وہاں کے مرحلے کرتا ہے طے
 قیمتی اشیاء ہیں تیری پشت پر
 تودہ تودہ تیرے اوپر لدر رہا
 چند ہفتے جب کہ جاتے ہیں گرز
 اونٹ! گھبراتا نہیں تو بار سے
 گویا کہتا ہے کہ اے میرے سوار
 ہاں نہ ہو بیدل نہ رستے میں ٹھٹک
 مجھ کو آتی ہے ہوا سے بوئے آب
 اونٹ تو کرتا ہے اُس کی رمیری
 آخرش منزل پہ پہنچاتا ہے تو
 صبر سے کرتا ہے طے راہِ دراز

دن بدن اور ہفتہ ہفتہ پے پے
 تاجروں کا ریشم اور شاہوں کا زر
 ہے بھرا گویا جہاز پر بہا
 اور تھکا دیتا ہے راکب کو سفر
 دیکھتا ہے اُس کی جانب پیار سے
 ایک دن تو اور بھی سمیت نہ ہار
 صاف سرچشمہ ہے اُگے دھڑلک
 ناامیدی سے نہ کر تو اضطراب
 یوں بنا دیتا ہے راکب کو جری
 اور سوکھے خار و خس کھاتا ہے تو
 سچ کہا ہے تو ہے خشکی کا جہاز

الغرض تو ہے حلیم و خوش خصال
 تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال

(۳۵) شیر

اے شیر تیرے تن پہ ہے طاقت کا پوستیں
 شاہی کے حق میں کوئی بھی سا بھی ترا نہیں

پیدا ہے تیرے رُخ سے تری شوکت اور جلال
 ظاہر ہے تیری شکل سے باطن کا تیرے حال
 دل تیرا بزدلی و غلامی سے ہے بری
 پھٹکے نہ تیرے پاس کبھی خوف اے جری
 تیرا حریف کون ہے جو تو ہٹے بیچے
 چھپکے نہ تیری آنکھ نہ گردن تری لچے
 حق نے عطا کیا ہے تجھے زور بے خلل
 فولاد کی رگیں ہیں تو ہے دل ترا ٹل
 گرسور ما سبجے کوئی میدان کا دھنی
 جوشن۔ کہ چار آئینہ یا خود آہنی
 حملہ سے تیرے بچنے کو کافی نہ ہو مگر
 اللہ رے تیرا حوصلہ بل بے ترا جگر
 غزا کے شیر کرتا ہے جب جوش اور خروش
 شکل تمام ہوتا ہے سنسان اور خموش
 پہچانتے ہیں جانور آواز شیر کی
 وہ ہولناک ہے کہ دہلتا ہے سب کا جی
 جاتی ہے ان کے پاؤں تلے کی زمین نکل

ہیں بھاگتے کہ گویا تعاقب میں ہے اجل
 اے شیر گرم خطہ ہے تیرے لئے وطن
 بیٹرا ہو۔ نیستاں ہو۔ جھاڑی ہو یا ہو بن
 لو ہو۔ کہ گرم دھوپ ہو یا ریگ زار ہو
 تینوں غضب ہیں کیوں نہ مسافر شکار ہو
 اے شیو تو ہے شاہ ترا تخت ہے کچھار
 ہے کس کو تیرے ملک میں دعویٰ گیر و دار

(۳۶) کسرا

تم اس کیڑے کو دیکھو تو لگاتار	تمھاری راہ میں ہے گرم رفتار
چلا کترا کے کیا کیا بیچ و خم سے	جھکتا ہے یہ آواز قدم سے
کسی سوراخ میں دن کاٹتا ہے	سویرے اٹھ کے شبنم چاٹتا ہے
کر چشم حقیقت بین سے تمیز	کہ سمجھے ہو جسے تم تخت ناچیز
اُسے قدرت نے زریں پردے ہیں	کچھ اک بیزی و سُرخ مٹی لہیں
تمھیں لگتی ہے اچھی مور کی دم	کہ خوش ہوتے ہو اُس کو دیکھ کر تم
جو دیکھو ناچ اُس کا دوری سے	تو اس بے لوث ہو جاتے ہو جی سے
مگر کیڑے کو بھی سمجھو نہ ہیٹا	یہ مانا خاک مٹی میں ہے لیٹا

نہ بے پروائی سے چلے چھپٹ کر قدم لکھنے ڈرا کیڑے سے بہت کر
 کہ ہے دونوں سے دانادیکھ سکتا نمونے دو میں گار یگر ہے یکتا
 ہے دونوں ہی میں یکساں ہتکاری کسے ہلکی کہیں اور کس کو بھاری
 ہے ان دونوں کو اُس کا لطف حاصل کہ بخشا ہے برابر عیشِ کامل
 اگر ہے خوبصورت مور پیارا تو کیڑا بے گنہ کیوں جاے مارا
 بظاہر کچھ نہیں اُس کی حقیقت مگر جب اُس کی کرتے ہو بڑی گت

تو ہے ننھی سی جاں اُس کی تڑپتی
 ہے تم جیسا ہی اک جاندار وہ بھی

(۳۷) ایک قانع مفلس

سو ہزار ایکڑ ہے کلن کی زمین بلک میری ایک بھی ایکڑ نہیں
 ہے محل اُس کا نہایت شان دار اور ہمارا جھونپڑا ہے تنگ و تار
 آن گنت ہے اُس کی نقدی اور مال ایک پائی کے لئے میں پائمال
 اُس کا رتبہ ہے بڑا عزت بڑی میرے سر پر خاکِ ذلت کی پڑی
 ہے زمیندار آج کلن واقعی زر سے پڑے ہے اُس کا دامنِ واقعی
 پر جہاں تک میری جاتی ہے نظر بلک سب اپنی ہی آتی ہے نظر

لطف جو اس حال میں ہے باقیں
 مست ہے کلن بایں ناز و نعم
 داں امیرانہ ہے محل کا لباس
 وہ ہے قیدی۔ پائے بند ملک و مال
 ڈاکٹرواں بیٹیں ہیں بہر علاج
 ہے مصیبت ماہل و دولت میں بڑی
 لطف قدرت کا نہیں اس کو نصیب
 یہ بیا باں یہ سمت در یہ ہوا
 کان سے کلن کی لیکن دور ہے
 دولت دنیا میں ادھا بھی نہیں
 میں ہوں چاق و چست ہر دم تازہ دم
 میں ہوں مفلس میری پوشش ہے پلاس
 اور میں آزاد ہوں مثل خیال
 یاں نہیں ہے ایک کی بھی احتیاج
 موت کا دھڑکا ہے اس کو گھڑی
 یہ بہا ربے خزاں بھی ہے عجیب
 گو بختی ہے ان میں قدرت کی نوا
 وہ تو دولت کے نشہ میں چور ہے

راگنی قدرت کی ہر دم ہے چھڑی
 میں تو ہوں اس لے کا دیوانہ سہڑی

(۳۸) موت کی گھڑی

گھیر لیں ہر طرف سے موج و ہوا
 اور آنکھوں تلے اندھیرا ہو
 ڈرنہ زہنار۔ رکھ نظر بچدا
 جب کہ طوفاں ہو زندگی میں بپا
 جب کہ لغزش میں پانو تیرا ہو
 بلکہ ہوش و حواس بھی ہوں جدا

تھا م دل کو نہ خوف کرنے پر اس
 تھا جو ایامِ عیش کا ہدم
 لہو بازی میں ساتھ رہتا تھا
 آنکھ تجھ سے اگر چڑ جائے
 اس محبت کا دل میں باندِ خیال
 آرزوئیں تھیں وہ جو دل میں بھری
 کہے ان دوسوں کو دل سے دو
 ہے شگفتہ ازل سے تا بہ ابد
 جب عزیز و قریب یار نہ ہوں
 یعنی فرزند جیسا لختِ جگر
 گرم واپس جدا ہو جائیں
 کر تو قہ نہ غم گساری کی
 اس وطن کی طرف ہو راہ سپر
 آہ جب آئے موت کی نوبت
 اور گزرے ہوئے زمانہ پر
 کہ نگہاں ہے تیرا تیرے پاس
 ہم پیالہ شریکِ شادی و غم
 ہر گھڑی نرم و گرم سہتا تھا
 ابر غم جب کہ تجھ پہ چھا جائے
 جس کو ہرگز نہیں ہے بیمِ زوال
 مٹاتے پھراغ تھے سحری
 اس محبت کو دیکھ جو ہے سرور
 نہ کبھی خاتمہ نہ اس کی حد
 دوستداری میں استوار نہ ہوں
 اور ہم خانہ جیسے جاں پرور
 وقت کے وقت سب ہوا چائیں
 یاد کر گور کی وہ تاریکی
 کہ محبت جہاں ہے تازہ و تر
 آنے والی گھڑی ہو پڑ ہیبت
 ڈالتی آئے پردہ سر تا سر

دل کو رکھ تو امید پر شیدا

ہو نہ حسرت نگاہ سے پیدا

(۳۹) فادرولیم

نوجوان آدمی نے کی تقریر
 چند موئے سفید ہیں باقی
 لیک ویسے ہی تندرست ہو تم
 سن کے ولیم نے یوں نہاں کھولی
 تھی جوانی میں یہ نصیحت یاد
 اس لئے طاقت و توانائی
 تاکہ انجام کار وقتِ اخیر
 بولا پھر وہ جوان نیک شیم
 اور ناپاؤدار لطفِ شباب
 مگر ان کا الم نہیں تم کو
 کچھ بیاں کیجئے گا صاف اس کا
 ولیم پیر نے جواب دیا
 میں جوانی میں کہتا تھا ہر بار
 اس لئے تھا خیالِ آئندہ
 تاکہ پاؤں غم و الم سے اماں
 انے پدر ولیم اب تو ہو تم پیر
 کہ نمایاں ہے جن میں بڑا ترقی
 خوب چاق و دلیر و چست ہو تم
 گرہ پر سش نہاں کھولی
 کہ ہے عہدِ شباب صورتِ باد
 کی نہ صنائعِ بعہدِ برنائی
 ہوں نہ محتاجِ ان کا بنکر پیر
 تم تو ہو پیر اسے پدر ولیم
 ہوتے میں کوئی دم کے مثلِ حساب
 حسرتِ بیش و کم نہیں تم کو
 تاکہ ہو مجھ پر انکشافِ اس کا
 کیا پسندیدہ باصواب دیا
 کہ یہ دن دیر پا نہیں زہار
 سوچت تھا مالِ آئندہ
 نہ رہے حسرتِ گزشتہ زماں

پھر بھی گویا ہوا جوانِ لطیف اور گزرتی ہے زندگی گانی جلد
 اے پدر تم تو ہو گئے ہو ضعیف چھوڑنی ہے سرائے فانی جلد
 ظاہر کس قدر سن ہو تم مگر اس پر بھی مطمئن ہو تم
 ہے تمہیں ذوقِ داستانِ اہل اور پسندیدہ ہے بیانِ اہل
 مدعا یہ ہے کچھ بیاں ہو جائے راز پوشیدہ تا عیاں ہو جائے
 وہ مخاطب ہوا بسوئے جوان کہ ہے البتہ مجھ کو اطمیناں
 کیونکہ ایامِ نوجوانی میں موسمِ عیش و کامرانی میں
 میں نے اپنے خدا کو رکھا پاؤں نہ کیا اُس سے نفس کو آزاد

وہی اب میرا دستگیر ہوا

لطفِ یزداں عصائے پیر ہوا

حبِ وطن (۲۰)

دل میں اک چاشنی محبت کی جملہ جاندار کو خدا نے دی
 قلبِ انسان ہی یہ کیا ہے مدار کہ ہر اک دل میں ہے اسی کا شرا
 ایک اسپن کی جواں طوطی جو کہ بچپن سے تھی اسپر ہوئی
 وہ درخشاں پر خجستہ نوا ہوئی وارو ملکِ سر و ملا
 اُس نے وہ پر شمیمِ نخلستان کہ نکالے تھے پڑو مالِ جہاں

اور وہ ملک و میوہ پاؤں وطن
 سب فراموش کر دئے ناچار
 تیرہ و تار وادی پر دو دو
 اور بسببِ زمین پر از خاک
 یاں کے قصہ دیکھ کر یہ ساز
 اس دیا غریب میں آکر
 رہی شکر شکن وہ خوش گفتار
 اُس کے زریں زمردیں پر بال
 عاقبت ایسی صُتم و حکم نبی
 اسی اشنا میں ایک مردِ غریب
 اُس نے طوطی سے جا کلام کیا
 دیا اُس نے اسی نہاں میں جواب
 آسمانِ وطن ہوئے وطن
 تھا یہاں اور رنگِ لیل و نہار
 ساحتِ آسماں بخارا لود
 قلہ کوہ و موجِ دہشت ناک
 چشمِ زریں تھی نظر انداز
 سردِ خطہ میں پرورش پاکر
 باعثِ طولِ عمر آخر کار
 بھورے بھورے سے ہو گئے زوال
 چھپے وہ نہ وہ شکر شکنی
 آیا اسپین سے ملا کے قریب
 حرفِ اسپین میں سلام کیا
 اور گنجِ قفس میں ہو بیتاب

کیا ہی مسرور چہپا کے ہوئی
 آخر پھڑک پھڑک کے ہوئی

(۴) انسان کی خام خیالی

لے دیدہ و رانِ دانش آثار دنیا میں ہیں کیسے کیسے جاندار

ہاتھی چوڑی ٹھکانا مٹھی
 ایسا تو بتاؤ کوئی حیوان
 ہر ایک ہے اپنی راہ چلتا
 آرام و خورش جو چاہتے ہیں
 جس چیز سے ہے گزند ان کو
 جس شے سے ہیں فائدہ اٹھاتے
 انسان ہے اگر چہ پرفائق
 اڑتا ہے مگر اسی کا خاکا
 ممکن ہی نہیں خیال پرواز
 یا چھوڑ کے عرصہ چراگاہ
 انسان بخلاف حکیم قدرت
 ہو دل کو خوشی نہیں یہ ممکن
 یا نفس کہ تابعِ خرد ہو
 یا وہ دل صاف اور فیاض
 یا صبر کہ خندہ زن ہو اکثر
 شاگرد قسمت ہی پر رہے وہ
 یا عقل کہ ہو سلیم و یکسو
 قدرت کچھ ہے سب میں بات کھی
 جیسا نادان ہے یہ انسان
 جس رہ سے ہے مدعا نکلتا
 قدرت کی روش بناہتے ہیں
 اتنی ہی نہیں پسند ان کو
 دھوکا نہیں اُس میں نگاہ کھاتے
 مشہور ہے اشرف المخلوق
 پتلا ہے یہ سہو اور خطا کا
 کرنے لگے بیل صورت باز
 خواص ہو مچھیلیوں کے ہمراہ
 کرتا ہے خیال ترکِ فطرت
 جب تک کہ نہ ہو صفا بے باطن
 حاصل تب راحتِ ابد ہو
 ہو خود غرضی سے جس کو اعراض
 مجبوریِ نجاتِ نارسا پر
 قدرت کو الٰہ ہانا نہ دے وہ
 اندوہ سے ہو نہ چیں بابرو

یہ رمز کہ ہو چکے ہو پیدا ہے اصل خوشی انہیں میں پیدا
 جو لوگ ہیں عقل سے گزرتے بیہودہ خوشی پہ ہیں وہ مرتے
 گر ہو وے خلاف اس کے مضمون
 باطل ہیں دلائلِ فلاطوں

(۴۲) کوہ ہمالہ

ہے ہمالہ پہاڑ سر جیون جس کے اوپر تلے کھڑا ہے بن
 بیل بوٹوں سے بن بنا چھین سبز چوٹی ہرے بھرے دامن
 ہے ہر اک ڈھانگ اُس کی پھلوری سرد چشمے ادھر ادھر جاری
 لالہ خود رو ہے اور اُس کے پاس لہلہاتی ہے خوبصورت گھاس
 سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے پیر باہم کھڑے ہوئے ہیں ٹلے
 کہیں بن مانا کہیں بیلا کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
 سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے سور ماؤں کا بن کے جنگل ہے
 سرو و شمشاد ہیں قطار قطار یکچہ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
 ہیں چٹانوں پہ کودتے لنگور ایک ہی جست میں وہ پہنچے دو
 میں ترائی میں نا تھیوں کے غول کوئی پائل ہے اور کوئی بھول
 شیر خوار شاہ ہے یاں کا پاڑھے پتیل کو خوف ہے جاں کا

بارہ سنگے غریب پر ہے لتاڑ
 وہ جو ہے ہند کا بڑا سنگر
 کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے
 کبھی دیتا ہے ہاندھ میند کا تار
 جا چڑھایوں پہاڑ پر پانی
 واں سے چشمے بہت اہل نکلے
 سندھ و ستلج میں مغربی دیا
 ہیں یہ دریا بہت بڑے چاڑوں
 پس سمندر سے جو رسد آئی
 ہوا سرسبز ہند کا میدان
 ہند کی سرزمین ہے اُن ماتا
 اے ہمالہ پہاڑ! تیری شان
 ساری دُنیا میں ہے تو ہی بالا
 سامنے اک سیاہ دل بادل
 گھاٹیاں جن میں گونجتی ہے صدا
 دہرہ اپنا تو دکھاتا ہے
 ہے مرے دل میں یہ خیال آتا
 سینگ ہیں اُس کے جھاڑا دھنکاڑ
 واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر
 پھر ہمالہ پہ آ کے پڑھتا ہے
 کبھی کرتا ہے برف کی بھر مار
 کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی
 ندی نالے ہزار چل نکلے
 اور پورب میں میگھنا گنگا
 جن میں بہتا ہے پانی الغاروں
 یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی
 تیری حکمت کے اے خدا قربان
 اور ہمالہ پہاڑ چل داتا
 دنگ رہ جائے دیکھ کر انسان
 پہونچے جب پاس دیکھنے والا
 دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل
 آبشاروں کا شور ہے برپا
 گویا میدان کو ڈراتا ہے
 کاش چلنی ہتیرے چڑھ جاتا

واں سے نیچے کا دیکھتا میداں
جس میں گنگا و جمن ہیں تیز رواں
دو لکیریں سی وہ نظر آتیں
دائیں بائیں کو صاف لہراتیں
اس تماشے سے جب کہ جی بھرتا
تو شمالی طرف نظر کرتا
شام کو دیکھتا بہار بڑی
گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی
پھر وطن میں جب آن کر رہتا
دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

(۳۲) بارش کا پہلا قطرہ

گھنگھور گھٹا تلی کھڑی تھی
پر پونہ ابھی نہیں پڑی تھی
ہر قطرہ کے دل میں تھا یہ خطرہ
ناچیز ہوں میں غریب قطرہ
ترمجھ سے کسی کا لب نہ ہوگا
میں اور کی گوں نہ آپ جوگا
کیا کھیت کی میں بچاؤں گا پیاں
اپنا ہی کروں گا ستیا ناس
آتی ہے برسنے سے مجھے شرم
مٹی پتھر تمام میں گرم
خالی ناگھوں سے کیا سخاوت
پھیلکی باتوں میں کیا جلاوت
کس برتنے پہ میں کروں دلیری
ہر قطرہ کے دل میں تھا یہی غم
کھڑی سی گھٹا میں پک رہی تھی
کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی

اک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور
 فیاض و جواد و نیک نیت
 بولا للکار کر کہ آؤ
 کر گزرو جو ہو سکے کچھ احسان
 یارو! یہ پھر مچر کہاں تک
 مل کر جو کرو گے جانفشانی
 کہتا ہوں یہ سبے بر ملا میں
 یہ کہہ کے وہ ہو گیا روانہ
 ہر چند کہ تھا وہ بے بضاعت
 دیکھی جرات جو اُس سخی کی
 پھر ایک کے بعد ایک لپکا
 آخر قطروں کا بندہ گیا تار
 پانی پانی ہوا سیاہاں
 تھی قحط سے پائمال خلقت
 جرات قطرہ کی کر گئی کام
 اے صما جو! قوم کی خبر لو
 قطروں ہی سے ہوگی نہر جاری
 ہمت کے محیط کا شناور
 بھڑکی اُس کی رگ حیت
 میرے پیچھے قدم بڑھاؤ
 ڈالو مردہ زمین میں جان
 اپنی سی کرو بنے جہاں تک
 میدان پہ پھیر دو گے پانی
 آتے ہو تو آؤ لو چلا میں
 ”دشوار ہے جی پہ کھیل جانا“
 کی اُس نے مگر بڑی شجاعت
 دو چار تے اور پیروی کی
 قطرہ قطرہ زمین پہ ٹپکا
 بارش لگی ہونے موسلا دھار
 سیراب ہوئے چمن حیاہاں
 اُس مینہ سے ہوئی نہال خلقت
 باقی ہے جہاں میں آج تک نام
 قطروں کا سا اتفاق کر لو
 چل نکلیں گی کشتیاں تمہاری

(۴۴) شہوی بادِ مراد

چل اے بادِ بہاری سمتِ گلزار
 تنقائی ہے تیرا ہر گل و خار
 نہال و نخل و سبزہ سب میں سنسناں
 گیاہِ مُردہ میں تو ڈال دے جان
 نہیں گلشن میں پتے کا بھی کھڑکا
 ذرا شاخیں ہلا۔ طائر کو بھڑکا
 لہک تیزی سے اے بادِ بہاری
 کہ ہو جائے چمن پر و جدطاری
 جو تو لہکے تو سبزہ لہلائے
 چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے
 لچک جائے کمر نازک شجر کی
 زمیں پر جھک پڑے ڈالی ثمر کی
 ٹپک جائے جو ہو پتکا ہو اچھل
 کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوچھل
 سنا۔ بادِ صبا! کیا کیا خبر ہے
 قلمرو میں تیری کل بحر و بر ہے
 ذرا کرد امن صحرا میں راحت
 بہت کی تو نے دریا کی سیاحت
 بس اب آرام کر لوگوں کے گھر میں
 رہی تا دیر تو سیر و سفر میں
 تیرے ہمراہ چلے آتے ہیں مہم
 یہی ہیں کیا سفیرِ بحرِ عظیم
 جلو میں ہے تیرے اک فوجِ جزار
 تو ہی ہے ابر کے لشکر کی سردار
 اٹھایا ہے سمندر تو نے سر پر
 گھٹا کو لا کر لائی کمر پر

تیری تیزی سے ہیں بادل پلکنے
 ترے جھونکوں سے ہیں قطرے پلکنے

غزل

چمن ہے ابر ہے ٹھنڈی ہوا ہے
 کبھی جھونکا نخل جاتا ہے سن سے
 عبا رو گرد سے جواٹ گئی تھی
 ہوانے کیا ہوا باندھی چمن میں
 چمن کا پتا پتا ہے نوا سنج
 گلوں کی ڈالیاں جھک جھک گئی ہیں
 کھلی ہر پنکٹری گھمائے ترکی
 بکھیری نسترن پر زلف سنبل
 گیاہ سبز کا ٹڑہ پریشان
 ہجوم طائرانِ خوش نوا ہے
 کبھی آہستہ رو موج صبا ہے
 صبا نے غسل کا سامان کیا ہے
 کہ خوبانِ چمن کا سر ہلا ہے
 صبا کی آمد آمد نجا بجا ہے
 زمیں پر سبزہ کیسا لوٹتا ہے
 صبا نے کان میں کیا کدیا ہے
 صبا شوخی میں فتنہ ہے بلا ہے
 صبا تیرے ہی چھپڑے سے ہوا ہے

نہیں ہے مجھ کو دعویٰ شاعری کا

لو تھپڑے سے بھی کیا مدعا ہے

کراے بادِ مراد آہنگ آفاق
 پھریرے کو اڑا کس بادباں کو
 خلیج و آبناے و بحر و ساحل
 مقامِ استوا سے تا قطبین
 بہت کھوندے ہیں کوہ و دشت تو نے
 جہازِ سست رو ہے تیرا شاق
 کہ دیکھیں ساحلِ ہندوستان کو
 تیرے دیکھے پڑے ہیں سب مرہل
 تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین
 کیا بحرین کا گلگشت تو نے

محیطِ ارض ہے تو اے سبک پا
 لطیف و نازک و بے رنگ ہے تو
 رواں ہے تیری موجوں میں ہر آواز
 جہاں میں تو رسولِ ہر ندا ہے
 نہ پہونچے تو اگر تا پردہ گوش
 وہ بہرا ہے جو تجھ سے بے اثر ہے
 زباں کو نطق کا یا را ہے تجھ سے
 حجابِ دیدہ بسنا نہیں تو
 ترے کھانے سے دم لیتی ہے خلقت
 ہمیں تیری ضرورت ہے بہر طور
 اگر اک لمحہ گزرے ہم پہ تجھ بن
 ہے تیرا شغل دائم پاسِ انفاس
 تو ہی ہے اے نسیم صبح گاہی
 جہاں میں ہیں تیرے الطافِ حاوی
 کبھی بنتی ہے ایسی تند و پر شور
 اگر تو خشمگیں اے تند خو ہو
 کبھی دریا میں لے جائے بہا کر
 تری موجیں رواں ہیں مثلِ دریا
 اصولِ نعمت و آہنگ ہے تو
 تو ہی کانوں میں ہے ہنگامہ پرداز
 مذاقِ سامعہ تجھ پر فدا ہے
 سب آوازیں رہیں پردہ میں روپوش
 وہ سنتا ہے جو تجھ سے بہرہ ور ہے
 جہاں میں شور و شر سارا ہے تجھ سے
 نگہ سے گرچہ ہے پردہ نشین تو
 ترے کھانے پہ دم دیتی ہے خلقت
 نہیں ایسی ضروری شے کوئی اور
 تو ہو جائے تنفسِ غیر ممکن
 نہیں ہے ورنہ تجھ بن زیست کی اس
 مثالِ رحمتِ عامِ الہی
 غریبوں اور امیروں پر مساوی
 معاذ اللہ! معاذ اللہ! ترا زور
 تہ و بالا جہازِ جنگ جو ہو
 کبھی ساحلِ پردے پٹکے اٹھا کر

اڑاتی ہے اُسے تو راہ بے راہ
 معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے
 اجاڑا تو نے گلزارِ وحش کو
 یہ چھیرا نے میں کیسا راگ تو نے
 تیری رفتار ہے بے باک کیسی
 یہ گل کترے ہیں تو نے بے تامل
 کبھی گرمی سے گرما گرم ہے تو
 چڑا لیتی ہے تو پانی کو چپ چاپ
 بروقت کی پولیس نے تجھ کو گھیرا
 جو بادی چور تو ایسی نہ ہوتی
 دبائیں تو نہیں دبنے سے انکار
 خوش آمد تیری خصلت میں نہیں ہے
 اجاڑا اگر کسی مفاسد کا چھپڑ
 نہ درگزرے غریبوں کے رکاں سے
 نہیں کچھ تہہ کو خوفِ شانِ سلطان
 کسی کا طستہ طرار چھپڑا
 غرض دلچسپ تیری ہر ادب ہے
 جہاز آگے ترے مثلِ پرِ کاہ
 تیری تیزی نشانِ قہر رب ہے
 بلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو
 نیستاں میں لگا دی آگ تو نے
 اڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی
 کیا رک دم زدن میں شمع کو گل
 کبھی سردی سے سرد و نرم ہے تو
 نظر آتا نہیں جب بن گیا بھاپ
 تو کچھ کچھ مال مسروقہ بھی پھیرا
 نہ پاتے صبح کو شبنم کے موتی
 تیری عادت نہیں ہے ضدِ امر
 تری تیزی برابر ہر کہیں ہے
 اکھاڑا نیمہ و خرگاہِ شکر
 نہ جھکے طستہ تاجِ شہاں سے
 اڑایا پردہ ایوانِ سلطان
 کسی کا برقعِ زر تار چھپڑا
 تیری شوخی و چالاکی بجا ہے

(۲۵) ایک گنوار اور قوس قزح

تھی شام قریب اور دہقان	میدان میں تھا گلہ کانگیاں
دیکھی اُس نے کمان ناگاہ	جو کرتی ہے مینہ سے ہم کو آگاہ
رنگت میں اُسے عجیب پایا	ظاہر میں بہت قریب پایا
پہلے سے وہ سُن چکا تھا اکثر	ہے قوس میں اک پیالہ زر
مشہور بہت ہے یہ کہانی	افسانہ تراش کی زبانی
مٹی ہے جہاں کماں زمیں سے	مٹا ہے وہ جام زر وہیں سے
سوچا لو جام اور بنو جم	چھوڑو بزدگو سفند کا غم
یہودہ گنوار ایں گماں پر	سیدھا گیا تیر سا کماں پر
دن گھٹنے لگا قدم بڑھایا	امید کہ اب خزانہ پایا
جتنی کوشش زیادہ ترکی	اُتنی ہی کماں پرے کو سرکی
پہناں ہوئی قوس آخر کار	اور ظلمت شب ہوئی نمودار

نا کام پھر ادہ سادہ دہقان

حسرت زدہ غم زدہ پشیاں

ترکِ تکبر (۴۶)

بلندی سے چلا سیلابِ پر زور
 ہو اس تیزی و تندی سے جا ہی
 شجر تو کیا اٹھائے اُس کی ٹکڑے
 غرض ڈھایا بہایا اور توڑا
 چلا وادی کی جانب موج در موج
 اُسی زمرہ میں اک لکڑی بھی بہتی
 میں راہ و رسم منزل سے ہوں آگاہ
 اشاروں پر مرے چلتا ہے پانی
 مرے دم سے رواں یہ کارواں ہے
 قضا را موج نے پلٹا جو کھایا
 کہا لکڑی نے او گسٹخ معرود
 کہ میں ہی بدرقہ ہوں رہنا ہوں
 مجھے اوبے ادب کیوں تو نے چھیڑا
 رکوں گی میں توڑک جائے گا دریا
 کہا پتھر نے کہ ساحل سے احوال
 پہاڑی گھاٹیوں میں مچ گیا شو
 کہ تھی سنگِ گراں پر ہول طاری
 بہم ٹکرا دئے پتھر سے پتھر
 پڑا جو سامنے اُس کو نہ چھوڑا
 جلو میں تھی خس و خاشاک کی فوج
 چلی جاتی تھی اوریوں دل میں کتی
 یہ سارا قافلہ ہے میرے ہمراہ
 ہے میرے بس میں دریا کی روانی
 مرا تابع ہے جو کوئی یہاں ہے
 تو اک پتھر نے لکڑی کو دبایا
 مرے دہن سے اپنا ہاتھ رکھ دور
 امیرِ کج ہوں اور نا خدا ہوں
 جو میں ڈوبی تو بس ڈوبا یہ بیڑا
 کڑھے گا اور پھپھتائے گا دریا
 کہ ہے ہم سب میں وہ پیر کن سال

کہی لکڑی نے ساحل سے وہی بات تو ساحل نے صدایوں دی کہ یہاں ہاں!
 ہزاروں مدعی آگے بھی آئے بہت جوشِ مخروش اپنے دکھائے
 گیا سالم نہ کوئی اس بھنور سے یہی دیکھا کیا ہوں عمر بھر سے
 ہوئے یاں غرق لاکھوں تجھ سے فرعون نہ پوچھا پھر کسی نے یہ کہتے کون
 مگر دریا کی باقی ہے وہی اُن وہی رونق وہی غطت وہی شان
 نہیں دریا کی مٹواہی میں کچھ فرق
 اُسے کیا غم ترے کوئی کہ ہو غرق

حیا (۴۷)

اوجیا! او پاسبانِ آبرو! نیکیوں کی قوتِ بازو ہے تو
 پاکدلانی پہ تجھ کو ناز ہے کیا ہی تیرا دل پزیر انداز ہے
 کھب گئی جس آنکھیں تو مثلِ نور بد نگاہی سے رہی وہ آنکھ دور
 دامنِ عصمت کو تو رکھتی ہے پاک ہے سدا جرم و گنہ سے تجھ کو پاک
 گرنہ ہوتا درمیاں تیرا حجاب فعلِ بد سے کون کرتا اجتناب
 خواہشوں کو جو نہ تو دیتی لگام آدمی حیوان بن جائے تمام
 جب خطا کرتی ہر دل میں شور و شر تو ہی بن جاتی ہے واں سینہ سپر
 ذلت و خواری تجھے بھاتی نہیں تاب رسوائی کی تو لاتی نہیں

تو مذلت کو سمجھتی زہر ہے اور ملامت تیرے حق میں قہر ہے
مفلسوں کی ہر تپہ پشت و پناہ تو سمجھاتی ہے عرق ریزی کی راہ
گوتھی دستی کے ہو جائیں شکار ہے مگر تجھ کو گدائی ننگ و عار
ہے ترے نزدیک مرجانا پسند پر نہیں ہے ماتھ پھیلا نا پسند
اس قدر تجھ کو نہیں پروا مان جس قدر تو ان پر دیتی ہے جان
آبرو کھوتی نہیں از بر قوت لب پہ بنجاتی ہے تو مہر سکوت
اغنیاء کے دل کو گرماتی ہے تو بچل اور خست سے شرماتی ہے تو

تو سکھا دیتی ہے ان کو بذلِ مال

زخمِ خنجر ہے تجھے رڈِ سوال

(۴۸) کچھو اور خرگوش

ایک کچھوے کے آگئی جی میں کیجے سیر و گشت خشکی میں
جار ہا تھا چلا ہوا خاموش اُس سے ناحق الجھڑا خرگوش
میاں کچھوے! تمھاری حال ہے یہ یا کوئی شامت اور وبال ہے یہ
یوں قدم پھونک پھونک مھرتے ہو گویا اُتو زمیں پہ کرتے ہو
کیوں بگڑ چل کے مفت میں بنام بے چلے کیا اٹک رہا تھا کام
تم کو یہ حوصلہ نہ کرنا تھا چلو پانی میں ڈوب مرنا تھا

یہ تن و توش اور یہ رفتار
 بولا کچھو اکہ ہوں خفا نہ حضور
 اگر آہستگی ہے جرم و گناہ
 مجھ کو جو سخت سست فرمایا
 مجھ کو غافل مگر نہ جانے گا
 یوں زبانی جواب تو کیا دوں
 تم تو ہو آفتاب میں ذرہ
 سن کے خرگوش نے یہ تلخ جواب
 تو کرے میری ہمسری کا خیال
 چیموٹی کے جو پر نکل آئے
 ارے بیباک ابد زباں مٹنے پھٹ
 جب میں تیزی سے جت کرتا ہوں
 گرد کو میری باد پانہ لگے
 ریل ہوں برق ہوں چھلاوا ہوں
 تیری میری بھینگی صحبت کیا
 جس نے بھگتے ہوں ترکی و تازی
 بات کو اب زیادہ کیا دوں طول
 ایسی رفتار پر خدا کی مار
 میں تو ہوں آپ معترف بقصور
 تو میں خود اپنے جرم کا ہوں گواہ
 آپ نے سب درست فرمایا
 بندہ پرور جرانہ مانے گا
 شرط بد کر چلو تو دکھلا دوں
 پر مٹا دوں گا آپ کا غرہ
 کہا کچھوے سے یوں زرو عتاب
 تیری یہ تاب یہ سکت یہ مجال
 تو یقین ہے کہ اب اہل آئے
 تو نے دیکھی کہاں ہے دوڑ جھپٹ
 شہسواروں کو پست کرتا ہوں
 لاکھ دوڑے مرا پتہ نہ لگے
 میں چھلاوے کا بلکہ بادا ہوں
 آسماں کو زمیں سے نسبت کیا
 ایسے میرل سے کیا بے بازی
 خیر کرتا ہوں تیری شرط قبول

ہے مناسب کہ امتحان ہو جائے تاکہ عیب و ہنر عیاں ہو جائے
 الغرض اک مقام ٹھہرا کر ہوئے دونوں حریف گرم سفر
 بسکہ زوروں پہ تھا چڑھا خرگوش تیزی بھرتی سے یوں بڑھا خرگوش
 جس طرح جائے توپ کا گولا یا گرے آسمان سے اولاً
 ایک دوکھیت چوکڑی بھر کے اپنی چستی پہ آفریں کر کے
 کسی گوشہ میں سو گیا جا کر فکر کیا ہے چلیں گے ستارے
 اور کچھوا غریب آہستہ چلا سینہ کو خاک پر گھستا
 سوئی گھنٹے کی جیسے چلتی ہے یا بتدریج چھاؤں ڈھلتی ہے
 یوں ہی چلتا رہا بہ استقلال نہ کیا کچھ ادھر ادھر کا خیال
 کام کرتا رہا جو پے در پے کر گیا رفتہ رفتہ منزل طے
 حیف! خرگوش رہ گیا سوتا ثمرہ غفلت کا اور کیا ہوتا
 جب کھلی آنکھ تو سویرا تھا سخت شرمندگی نے گھیرا تھا
 صبر و محنت میں ہے سرافرازی سست کچھوے نے جیت اپنی راہی
 نہیں قصہ یہ دل لگی کے لئے بلکہ عبرت ہے آدمی کے لئے

ہے سخن اس حجاب میں روپوش
 ورنہ کچھوا کہاں کہاں خرگوش

(۴۹) مناقشہ ہوا و آفتاب

بادِ صحرا نے کہا یوں ایک روز
 تو ہے علوی اور میں سفلی مگر
 نیز اعظم نے فرمایا کہ ہاں
 ورنہ ہے پاد ہوا یہ قال و قیل
 بولی جویوں ہے تو اچھایوں سی
 آئے زور آزمائی کیجئے
 اک مسافر اپنی دھن میں تھارواں
 ہو گئے آپس میں طے قول و قرار
 بس اسی کے نام کا ڈنکا بجے
 پھر تو آندھی بن کے چل نکلی ہوا
 اونچے اونچے پیر تھرانے لگے
 نونالوں کی کمر بل کھا گئی
 کانپاٹھے اس دشت کے کل وحش و طیر
 ہو گیا دامانِ صحرا گرد برد
 چاہتی تھی لوں لبادہ کو اچک
 مہر تاباں سے کہ اے گیتی فروز
 زورِ بازو میں ہوں میں تجھ سے بزر
 ہوا اگر ثابت زروئے امتحاں
 بیچ ہے دعویٰ نہ ہو جب تک دلیل
 ہاتھ لنگن کے لئے کیا آرسی
 اس کبھیڑے کی صفائی کیجئے
 اُس کو ان دونوں نے تاکا ناگماں
 جو لبادہ لے مسافر کا اتار
 سر پہ دستارِ فضیلت وہ سجے
 ایسی بھری کر دیا طوفاں سپا
 جھوک سے جھوکوں کی چرانے لگے
 پھول پتوں پر قیامت آگئی
 مانگتے تھے اپنے اپنے دم کی خیر
 گھر گیا آفت میں وہ صحرا نورد
 مدعی کو دوں سر میدانِ زک

جب ہوا لیتی تھی چکر میں لپیٹ
 سینہ زوری سے زپوری درمی
 بیٹھ جاتا تھا وہ دامن کو سیٹ
 کر سکی لیکن نہ کچھ غارت گری
 تا ہوا کا ہونہ کپڑوں میں گرز
 تل گئی سر سے مسافر کے بلا
 اب کھٹا جھکڑ تو نکلا آفتاب
 روئے نورانی سے سرکائی نقاب
 تکنت چہرے سے اس کے ہٹکار
 چال میں ایک بحرِ باری اور وفا
 وہ ہوا کی سی نہ تھی مابین دھوم دھام
 کر رہا تھا چھپکے چھپکے اپنا کام
 دھیمی دھیمی کرنیں چمکانے لگا
 رفتہ رفتہ سب کو گرامے لگا
 اس مسافر کو پسینا آگیا
 کھول ڈالے بندجی گھبرا گیا
 اور آگے کو بڑھا تو دھوپ سے
 تن بدن میں کچھ تنگے سے لگے
 اب لیا وہ کو لیا کا ندھے ڈال
 بدلی یوں نوبت بہ نوبت چالِ حال
 جب چڑھا خورشیدِ امتِ الائن
 بیٹھ کر سایہ میں پھر تو گھاس پر
 دور پھینکا اس لبادہ کو امار
 واہ رے سورج! لیا میدانِ بار
 تیزی و تندگی کے گرویدہ ہیں سب
 کامیابی کا مگر ہے اور ڈھب

اُس کا گڑبے نرمی و آہستگی
 سرکشی کی رگڑی سے ہے دبی

(۵۰) ناقردانی

کیس اک لعل کچھ میں پڑا تھا	نہ قامت بلکہ قیمت میں بڑا تھا
کوئی دیہقاں اٹھا کر لے گیا گھر	وہ کیا جانے یہ پتھر ہے کہ جوہر
نیا تحفہ جو بچے کو دکھایا	اٹا ہانا ! کھلونا ہم نے پایا
ہوئی جب لعل کی واں یہ مدارا	تو بولا حسرتا ہیہات ہیہات
نہیں اس گھر میں میری قدر کن	کہ اندھوں کے لئے کپارات کیوں
اگر پاتا مجھے کوئی نظر باز	تو کرتا اپنی قسمت پر وہ شو ناز
جو لے جاتا مجھے تا درگہ شاہ	تو مالا مال ہوتا حسب دلخواہ
اری ناقردانی تجھ پہ لعنت	کہ ہے تجھ کو مساوی نور و ظلمت
سمجھ لیتی ہے عیبوں کو ہنر تو	ہنر کی توڑ دیتی ہے کمر تو
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے	خصوصاً تیری نالائق جفا سے

کہ ہے اندھے کی لاشی تیری بیداد

جہاں میں داد ہے جس کی نہ فریاد

(۵۱) جنگ روم و روس

حالات روم سے ہیں دن رات کام
اجبار کا ورق نہیں خوانِ طعام ہے

کیسے خیال جنگ میں روزے گزر گئے
 سو جھانہ اور کچھ ہیں اس بھوک پیاس میں
 روزہ خبر بغیر ہیں بار ہو گیا
 پھشکی ہوئی ہر چاندنی اور صاف آسماں
 پتا بھی دیکھئے تو کھڑکتا نہیں کوئی
 خلق خدا پڑی ہوئی سوتی ہے بے خبر
 اس وقت جاگتے ہیں تو آتا ہی خیال
 کیا اب بھی گوجتا ہے وہ میدان توپ کے
 بلقان کے دروں میں سلیمانِ صف شکن
 کیا خیمہ زن ہوئی ہے محمد علی کی فوج
 سیکر کے شہسوار ہیں کس دار و گیر میں
 کیا اب بھی ہیں مجاہد اسلام جاگتے
 کیا اب بھی ترکناز میں ترکی سوار ہیں
 کیا کر رہی ہے احمد مختار کی سپاہ
 اے ماہِ نور بار سفر میں ہے تو دم
 تو جا کے معرکہ میں چمکتا ہے رات بھر
 کرتے تھے اس طرح سے خیالی خطاب ہم

معلوم بھی نہیں کدھر آئے کدھر گئے
 دن کاٹتے رہے انہیں جنوں کی اس میں
 آیا جو تاریخ فتح تو افطار ہو گیا
 چپ چاپ ہے زمین تو سنان ہر جہاں
 طائر بھی آشیاں میں پھڑکتا نہیں کوئی
 بجنے لگا ہے اتنے میں نقارہ سحر
 اے ماہ کیا ہے خطہ بلگیر یا کاحال
 آتش فشاں ہے لشکر عثمان توپ کے
 کیا اب بھی ہر غنم کے لشکر میں شعلہ زن
 یا خستہ کی سمت رواں ہے مثالِ موج
 کیا غلغلہ ہے کوچ کا ترکی بہیر میں
 ہیبت سے جن کی روسیہ پھرتے ہیں بھاگتے
 جن غازیوں کی تیغ سے روی فکاڑیں
 فیروز مند غازی جہار کی سپاہ
 حالات جنگ کے تجھے معلوم ہیں تمام
 اور سیر دیکھنے کو ٹھٹکتا ہے رات بھر
 جب دیکھتے تھے لطفِ شبِ ماہ تاب ہم

لیکن ہجوم اب تو ہے ابر بہار کا
 بجلی کے کوندے میں ہتھی شیر کی ادا
 یوں ابر جھوم جھوم کے آتا ہے بار بار
 بددل ہے فوج روس تو ہو اور بھی خراب
 ہے یہ دعائے شام یہی نالہ سحر
 عثمان پر جو لشکر روسی کا ہے ہجوم
 خود زار بھی گیا ہے کمال غرور سے
 عثمان یا خدا انھیں زیر و زبر کرے
 ترکوں کو ایسی شوکت و شان و جلال کو
 مشرق کی سمت سے ہو سلیمان گرم کار
 بلگیر یا میں ختم ہو ہنگامہ جنگ کا
 دم بند روسیوں کا ہو مصاصم ترک سے
 محمود روز عید ہے دل سے دعا کرو

ہے آسماں نمونہ صنف کارزار کا
 اور بادلوں کی گھور گرج توپ کی صدا
 شیکا پے جیسے حملہ ترکان ذی وقار
 عثمانیوں کا دبدبہ ہو جائے کامیاب
 ہوں ترک فحیاب خدا یا بکرو فر
 ابر سیہ کی طرح سے آتا ہے جھوم جھوم
 اور فوج جمع کی ہے بہت دور دور سے
 سیلاب خون روس سے مٹی کو ترکے
 جو زلزلہ غنیم کے لشکر میں ڈال دے
 افواج زار و ج کو دکھا دے رہ فرار
 رومانینہ شانہ ہو ترکی تفنگ کا
 بھاگے سپاہ روس فقط نام ترک سے
 حامد یہ التجا بحضور خدا کرو

ترکی سپاہ میں علم فتح ہو بلند
 پہنچے سپاہ زار کو آزار اور گزند

(۵۲) مکالمہ سیف و قلم

- | | | |
|----|-----------------------------|------------------------------|
| ۱ | سیف و قلم میں جو ہوئی دوہو | شوق ہے تم کو تو سنو موبو |
| ۲ | خامہ لگا کتنے کہ اوتیخ تیز | تجھ سے بھلا کس کو مجال ستیز |
| ۳ | آب وہ تیری کہ نہ ٹھہرے نگاہ | آنچ وہ تیری - کہ خدا کی پناہ |
| ۴ | ہیزنِ سفاک کی یاور ہے تو | خون کے دریا کی شناور ہے تو |
| ۵ | سیکھے ستم کس ستم ایجاد سے | شور ہے برپا تری بیدا سے |
| ۶ | شوخی بے باکی و تیزی میں بق | آگ ہے اور آب میں رہتی ہے غرق |
| ۷ | تند مزاجی میں تو شداد ہے | بیضہ فولاد کی اولاد ہے |
| ۸ | آتش سوزاں کا پیا تو نے دوو | اس لئے جاں سوز ہے تیرا جوو |
| ۹ | حیف تیری سختی و آہن دلی | نوع بشر کی ہے تو دشمن دلی |
| ۱۰ | خرمن ہستی میں لگاتی ہے آگ | عاقبت و امن سے رکھتی ہے لاگ |
| ۱۱ | گو کہ مجلا ہے تو آئینہ وار | تیرہ درونی ہے تیری آشکار |
| ۱۲ | فتنہ عالم ہے تیرا باک پن | شوخی و شنکی ہے تیرا خاص فن |
| ۱۳ | شکل انوکھی تو زالی ہے درج | جسم بھی خمدار طبیعت بھی کج |
| ۱۴ | قحط زدوں کا ساتن و توش ہے | کھانے پہ ڈھوکے تو بلا نوش ہے |
| ۱۵ | عرصہ راحت ہے ترے دم سے تنگ | ایسی لڑاکا کہ بنی خانہ جنگ |

تیری گھٹی میں پڑا زہر ہے پھیل بیانت و آواز ہے

- ۱۷ تیری جبلت ہے فسوق و جدل
 ناحق و حق کا نہیں تجھ کو خیال
- ۱۸ قتل کا رکھتی ہے بہت چاؤ تو
 رن میں کیا کرتی ہے ستھراؤ تو
- ۱۹ اُف نہ کرے لاکھ گلے کاٹ کر
 جی نہ بھرے تیرا لہو چاٹ کر
- ۲۰ خلقِ خدا تجھ سے ہے آزار کش
 کرتی ہی رہتی ہے سدا چپقلش
- ۲۱ بحرِ فنا کہتے ترے گھاٹ کو
 جس نے دیے سیکڑوں پیرے ڈبو
- ۲۲ گرچہ سراپا ہے ترا آبِ گوں
 پر تری جہون سے ٹپکتا ہے خون
- ۲۳ تو نے اُجاڑیں بہت آبادیاں
 چھین لیں اقوام کی آزادیاں
- ۲۴ تو نے کرڑوں کئے بچے سیتیم
 لاکھوں ہی باپوں کے کئے دلِ دینیم
- ۲۵ لے گئی ماؤں کی کمائی کو لوٹ
 رہ گئیں بچاریاں چھاتی کو کوٹ
- ۲۶ دُلمیں روتی ہیں تری جان کو
 ساتھ ہی لے جائیں گی ارمان کو
- ۲۷ موتیوں سے مانگ تھی جن کی بھری
 اُن سے کراتی ہے تو گدیہ گری
- ۲۸ تو نے رفیقوں کو ڈالایا ہے خوں
 غم سے عزیزوں کو ہوا ہے جنوں
- ۲۹ تفرقہ پر دازا یہ کیا کر دیا؟
 گوشت کو ناخن سے جدا کر دیا
- ۳۰ شیوہ ترا شہرہٴ آفاق ہے
 خون خرابہ میں تو مشاق ہے
- ۳۱ چاہتی ہے بغض و عداوت کو تو
 انس و محبت کی نہیں تجھ میں بو
- ۳۲ تیری دعا بازی ہے ضربِ اشل
 غیر ہے قبضہ سے گئی جب نکل
- ۳۳ تو نے وفا کی نہیں پٹی پڑھی
 اُس کی ہوئی جس کے تو ہتھے پڑھی

- ۳۲۱ کوں کرے تجھ سے رفاقت کی اس
 ۳۲۲ کچھ نہیں تجھ کو حق صحبت کا پاس
 ۳۲۳ رکھتی نہیں سابقہ لطف یاد
 ۳۲۴ کورنماک ہے ترا کیا اعتماد
 ۳۲۵ نکلے گا مالک کانمک پھوٹ پھوٹ
 ۳۲۶ میل حرفیوں سے یگانوں سے چھوٹ
 ۳۲۷ تیری قساوت نے اجاڑی زمین
 ۳۲۸ مملکتیں خاک سیہ تو نے کیں
 ۳۲۹ مقبرے آباد ہیں کچھ دائیں بائیں
 ۳۳۰ بستیاں کرتی ہیں ٹی بھائیں بھائیں
 ۳۳۱ اہل تواریخ کو کچھ کچھ ہیں یاد
 ۳۳۲ اٹھے تیری ذات سے جو جو فساد
 ۳۳۳ ہے وہ خلاصہ تری روداد کا
 ۳۳۴ مثبت جریدہ اٹھیں میں نے کیا
 ۳۳۵ تیری خوشی جانوں کی غارت میں تھی
 ۳۳۶ تو ہی بھرت کھنڈ کی بھارت میں تھی
 ۳۳۷ کھا گئی تو سب کو دم دارو گیر
 ۳۳۸ ہند کے جو دھا تھے بڑے سویر
 ۳۳۹ چٹ کئے اُس عہد کے گیانی گنی
 ۳۴۰ تو نے نصیحت نہ کسی کی سنی
 ۳۴۱ دیتی تھی ایران کو دھکی کبھی
 ۳۴۲ وادی توران میں چکی کبھی
 ۳۴۳ نام کو بھی اس کا نہ چھوڑا نشان
 ۳۴۴ باڑھ پہ تیری جو چڑھا پہلواں
 ۳۴۵ قوم کا ہر فرد بنا کشتی
 ۳۴۶ تیری جو ضحاک سے گہری چینی
 ۳۴۷ تیری بدولت ہوا زیب کتاب
 ۳۴۸ معرکہ رستم و افراسیاب
 ۳۴۹ خون سیاوش تری گردن پہ ہے
 ۳۴۹ قتل کا دھبہ ترے دہن پہ ہے
 ۳۵۰ جان دی ناشاد ہی سہرا بنے
 ۳۵۰ خاک اڑائی یہ تیری آب نے
 ۳۵۱ خاک میں دارا کو ملا کر ہوئی
 ۳۵۱ تو جو طرفدار سکندر ہوئی

۵۱. تخت کیاں کا دیا تختہ اُلٹ
 ۵۲. شکر یوناں کی جلو جب پھری
 ۵۳. تو نے عرب سے جو کیا اتفاق
 ۵۵. شوکتِ ساسان کے ڈیرے کد
 ۵۶. غرب کی جانب کو جو توجھک پڑی
 ۵۹. ہاشمیوں کا نہ دیا تو نے ساتھ
 ۵۸. توڑ دیا روم کا سارا طلسم
 ۶۰. ڈھایا ہے کیا تو نے غضب بر ملا
 ۶۳. قہر الہی سے جو ڈرتی کبھی
 ۶۴. ہند پہ محمود کی لشکر کشی
 ۶۵. بدلی ہوا ایک تیری چال میں
 ۶۶. کیا ہی نظر سوز تھی تیری چک
 ۶۷. یاد ہیں کچھ بھلو عجب داؤ گھات
 ۶۸. تو نے ہڑپ کر لئے لاکھوں ہی سر
 ۶۹. غور سے جس دم تری آندھی چلی
 ۷۰. رائے پتھورا کا وہ جاہ و جلال
 ۷۱. بن گئی ہر زرم طرب غم کد
- کردی یونان کی کا یا پلٹ
 باختر و بلخ پہ بجلی گری
 فارس و روم کی مٹی طم طراق
 بجھ گئے زردشت کے آتش کدے
 شام پہ اک ضرب لگائی کڑی
 آلِ امیہ کا پڑا تجھ پہ ماتھ
 رہ گیا بے جان سامد ارجم
 گرم کیا معرکہ کربلا
 مرتی پہ یہ کام نہ کرتی کبھی
 یاد دلاتی ہے تری سرشی
 لوٹ پڑی دولت جے پال میں
 دھاک تھی کا لخر و قنوج تک
 توڑ دیا بت کدہ سو منات
 کم نہ ہوئی پر تری جوع البقر
 ہند کی سینا میں مچی کھلبلی
 ہو گیا پل مارتے خواب و خیال
 دہلی و اجمیر تھے ماتم کدہ

۱۰۰
 ہوئی فارس کے تیری دست برد
 دھبہ بنی یار کہ یزد جزو

۱۰۰
 شوم میں پر کیا شہنشاہ دور
 دولت ہر تل کا ہوا شیشہ چور
 ۱۰۱
 طرزِ ستارک است علم میں تو
 عید نامانی ہے محرم میں تو
 ۱۰۲
 چھٹ نہ کیا کیوں ترا ظالم جگر
 ڈوب سری کیوں نہ تو اس خیرہ سر

- ۷۲ سوگ میں رانی نے کیا سینچا چاک
آتش سوزاں میں ہوئی جل کے کھانک
- ۷۳ رائے رہا اور نہ رانی رہی
زیب سخن تیری کہانی رہی
- ۷۴ چونک پڑا فتنہ جنگِ ستار
شکرِ چنگیز کا اٹھٹھا عنبار
- ۷۵ چھا گیا اک ابرِ ستم چار سو
خون کے سیلاب بہے کو بکو
- ۷۶ کٹ گئے خوارزم و خراساں کچے باغ
زمزمہ بلبل کا بنا شورِ زلغ
- ۷۷ دیلم و بغداد پہ ٹوٹا غضب
درہم و برہم ہوئی زیم عرب
- ۷۸ طرفِ ستم گار ہے عالم میں تو
عید مناتی ہے محرم میں تو
- ۷۹ صرصر تاراج چلی سرسیر
آگ وہ بھڑکی کر جلے خشک و تر
- ۸۰ تیرے ہی کو تک تھے یہ لے ناکار
کیا کہوں بس تجھ کو خدا کی سنوار
- ۸۱ کشورِ یورپ سے اٹھا غلغلہ
وادیِ یردن میں پڑا زلزلہ
- ۸۲ حربِ صلیبی تھی وہ خونخوار جنگ
ٹوٹ پڑا جس کے لئے کل فرنگ
- ۸۳ توجو برہنہ ہوئی او فتنہ گرا
تن سے جدا ہو گئے نولاکھ سر
- ۸۴ نکلا تھے لے کے جو تیمور لنگ
پھونک دیا چار طرف صورِ جنگ
- ۸۵ چوس لیا روس کا خون جگر
داب دئے قاف میں دیووں کے سر
- ۸۶ خون سے گل خاکِ صفا ماں ہوئی
کانپ اٹھی تختگہ ہند بھی
- ۸۷ ناجیہ شام سے تاجِ چین
مقتلِ انسان بنا دی زین
- ۸۸ توجو بنی بدم نیپولین
بول دی یورپ میں صد آہرن

حضرت دہلی کنف عدل و داد جس کو کیا تھا بھی شہر دینے یاد ۹۲ دینے لگے اس میں صدا خوف و بیم : نلزلۃ الساعۃ شیخ عظیم

- | | | |
|--------------------------------|-----|--------------------------------|
| تا جو ر اطراف کے تھرا گئے | ۸۸ | ناک میں ہسایلوں کے دم آگئے |
| جب ہوئی نادر کی تو زیب کمر | ۸۹ | خلق خدا بول اٹھی الحذر |
| اسکی حالت ہوئی زار و زبول | ۹۱ | کوچہ و برزن میں ہی جوی خوں |
| کیجئے القصہ کہاں تک بیاں | ۹۳ | فرد مظالم ہے تیری داستاں |
| میری غرض تیری فضیحت نہیں | ۹۴ | بلکہ بجز نپند و نصیحت نہیں |
| تند تھی از بس کہ صریر قلم | ۹۵ | سن کے ہوئی تیغ دو دم بھی علم |
| آتش غیظ اس کی بھڑکنے لگی | ۹۶ | بجلی کی مانند کڑکنے لگی |
| ڈانٹ کے بولی کہ خبر داز ہوا | ۹۷ | اب مری باری ہے لے ہشیار ہوا |
| بدہوں خدا جانے کہ ہوں تیک میں | ۹۸ | رکھتی ہوں دل اور زباں ایک میں |
| مجھ کو دورنگی نہیں بھاتی ذرا | ۹۹ | میل ملائی نہیں کھوٹا کھرا |
| مہر ہو تو مہر جو کیں ہو تو کیں | ۱۰۰ | یک جہتی ہے مرا آئین و دیں |
| بات کی ہرگز نہیں زہنا ر پیچ | ۱۰۱ | میرا خمیر اور مرا کس بل ہے پیچ |
| حجت قاطع ہوں میں سر تا پایا | ۱۰۲ | چھوڑتی باقی نہیں شتمہ لگا |
| جبکہ نہ ہو فصلِ خصومت بہم | ۱۰۳ | میرے سوا کون بنے واں حکم |
| عیب کہو میرا سے یا ہنر | ۱۰۴ | فیصلہ دو ٹوک ادھر یا ادھر |
| تیری طرح کا ہے کو بائیں گھڑوں | ۱۰۵ | لڑنے پہ اول تو میں شکھ لڑوں |
| خوب کیا تو نے نکالی جو چھیڑ | ۱۰۶ | دونگی ابھی میں ترے بچھے ادھیڑ |

۱۰۷ جنگ کا بوقت ہوں اگرچہ میں سب کے پھراس کو تیرے گھر میں

پود بڑھاتی ہوں وہ نعم البدل
۱۰۸ رفق و مدارا کے لگیں جس میں کھل

شمع ہستی (۵۳)

اے شمع ہستی! اے زندگانی! بھاتی ہے دل کو تیری کہانی
ہے کوچ تیرا ہر لمحہ جاری جاتی ہے بگ ٹٹ تیری سواری
بجلی سے بڑھ کر بے تاب ہے تو یاد اہمہ ہے یا خواہ ہے تو
کیوں چپ چپاتی ہر دم رواں ہے؟ آتی کہاں سے جاتی کہاں ہے؟
ظاہر ہیں یوں تو سب پرے گن لیکن نہ پایا تیرا سرو بن
گزرانہ کوئی اس ہفت خواں سے جہاں میں تیرے ستر نہاں سے
فی الجملہ سمیت سب مار بیٹھے ہیں سر بزانو ناچار بیٹھے
اے زندگانی! اے شمع ہستی! سونی پڑی تھی تجھ بن یہ بستی
چاروں طرف تھی چھائی اندھیری ناگاہ اٹھی اک ڈیک تیری
وہ ڈیک تھی بس نوٹاے لوز کا ہے کور ہستی پردہ میں مستور
پھولوں میں جھلکی تاروں میں چکی بخشش جہاں کورونق رزم کی
ہوتی نہ یاں جو تیرا ٹھکانا چہ پٹ ہی رہتا یہ کارخانہ

گویا لگادی دَولِ خشک بن میں
 اس نیکدہ میں ہو حق ہے تجھ سے
 بزمِ عروسی آفاق سارا
 میں تیرے عشوے خشکی تری میں
 دیے دے کے چھینٹے اُس کو ابھارا
 دی مُشتِ گل کو بوباس تو نے
 تو نے سکھایا اُس کو خم و خم
 کندن سے نکلی رنگت بدل کر
 اٹھ بیٹھی فوراً کرتی تبسم
 پھرتی ہے خوش خوش کیا اہلی
 ہوتی ہے پیدا اک گدگد اہٹ
 بجاتا ہے ڈنکا عیشِ مطرب کا
 تو آئے بنت بنت تو آئے جم جم
 سب کچھ تصدق کرتے ہیں تجھ پر
 تو ہی نہ ہو تو سب پر دھتا ہے
 کہ منہ زبانی کچھ آپ بیٹی
 ناز و نعم سے برسوں پٹی ہوں
 فردوسِ اعلیٰ میرا وطن تھا
 بے فکریاں تھیں آزادیاں تھیں

کیا پھونک ماری دنیا کے تن میں!
 بزمِ جہاں میں رونق ہے تجھ سے
 ہے تیرے دم سے اے عالم آرا!
 سرگرم ہے توجا دوگری میں
 مٹی کا جو بن تو نے نکھارا
 بے حس کو بخشا احساس تو نے
 تھی بھولی بھالی بھونڈی ہنگم
 کرب سے تیرے سانچے میں ڈھلکر
 ٹھکرا کے تو نے جب کہ دیا "مخم"
 بھولی ہے اپنی اوقات پہلی
 پاتی ہے خلقت جب تیری آہٹ
 چماتا ہے پھر تو او دم غضب کا
 کتسی ہے دنیا تو ہے تو کیا غم
 جیتے ہیں جب تک مرتے ہیں تجھ پر
 کیا مال ہے جو تیرے سوا ہے
 اے سب کی پیاری سب کی چیتی
 قدرت کے گھر کی میں لاؤلی ہوں
 تقویمِ حسن میسرالگن تھا
 حور و ملک کی آبادیاں تھیں

چلتی تھی ہر دم باوہب ساری
 میری ادا پر مرتے تھے قدسی
 تکریم میری ہوتی تھی از حد
 پھر دس چھوٹا گزری سو جھیلی
 پل مارنے کا ہے یاں بسیرا
 آب و ہوا میں دشت چوبل میں
 لیکن یہاں میں خلوت نشین ہوں
 خوابِ گراں کی حالت بھاری
 جب آتے آتے بسترہ میں آئی
 انگڑائیاں لیں منہ کھول ڈالا
 داخل ہوئی جب حیواں کسٹن میں
 انساں کا جامہ جب میں نے پہنا
 کس کس جتن سے میں نے بنایا
 جامد کو نامی نامی کو حیواں
 پھیلایا میں نے کیا کیا بکھیرا
 نیکی بدی کے میلے جمائے
 جو نالج میں نے جس کو نچایا
 القصہ ہوں میں وہ اسمِ اعظم
 کچھ کچھ کھٹکے ہیں انداز میرے

شیر و غسل کی نہریں تھیں جاری
 سجدہ پہ سجدہ کرتے تھے قدسی
 ہیں داستاںیں جس کی زباں نہ
 پر دیسیوں کا اللہ سیلی!
 حُبِ وطن ہے ایمان میرا
 میری رسائی ہے ہر محل میں
 ہوں اس طرح پر گویا نہیں ہوں
 مستی میں گم ہے سب ہوشیاری
 کروٹ بدل کر میں اہلمائی
 پر آنکھ سے کچھ دیکھا نہ بھالا
 اک شورا اٹھا اس انجن میں
 اللہ رے میں کیا میرا کہنا!
 رتبہ بہ رتبہ پایہ بہ پایہ
 حیواں کو وحشی وحشی کو انساں
 شادی و عہد کے ارگن کو چھڑا
 جھوٹ اور سچ کے سکے چلائے
 وہ ناچتے ہی اُس کو بن آیا
 ہے جس کے بس میں تغیبِ عالم
 دیکھے ہیں کس نے اعجاز میرے

مچھکونہ سمجھو تم آج کل کی
رکھوں گی جاری یونہی سفر میں
ہوں موجِ مضطر بحرِ ازل کی
قعرِ ابد کی لوں گی خبر میں
کچھ بھی نہیں ہوں پیس ہی میں ہوں
کچھ ہی ہستی اک طرفہ مضمون
جستہ رہو گے میری کہانی

(۵۴) مثنوی فی العقائد

قاتِ حق اپنے آپ ہے موجود
اُس کا جوڑا نہیں مثال نہیں
کوئی اُس کے سوا نہیں معبود
اُس کو گھانا نہیں زوال نہیں
نہ کسی سے جدا نہ شامل ہے
اور کو مانئے تو ٹھیک نہیں
دیکھتا ہے ڈھکی چھپی گھاتیں
ہے وہ بے کان سُنتا مطلب کو
اپنی مرضی سے کام کرتا ہے
اونگھتا ہے کبھی نہ سوتا ہے
وہ قوی ہے کبھی نہیں تھکتا
زندہ ہے زندگی کا مالک ہے
کہہ سکے کون اُس کو کیسا ہے
آپ ہی جانتا ہے جیسا ہے

اُس نے یہ آسماں بنایا آپ
 کئے اونچے پہاڑ اُس نے کھڑے
 اُس نے بادل سے بوند چکائی
 مُردہ مٹی میں اُس نے ڈالی جان
 ہے مسلم اسی کو سلطانی
 ہے وہی۔ کھا وہی۔ وہی ہوگا
 جس کو چاہے کرے وہ میا میٹ
 اُس نے پیدا کیا ہے عالم کو
 اُس کا احسان و فضل ہے دن رات
 اُس نے دُنیا میں انبیا بھیجے
 خاتم انبیا محمد ہے
 اُس نے حکم خدا کیا تلقین
 اُس نے تعمیل حکم کر دی ہے
 دل سے مانو جو عقل بنا ہے
 زندگی جس نے دی ہے اول بار
 بعد مرنے کے حشر کا ہونا
 اُس کی ہستی سے سب کی ہستی ہے
 اُس نے فرشِ زمین بچھایا آپ
 میخ کی طرح جوز میں میں گڑے
 اُس نے پانی پہ ناؤ تیرائی
 لہلہائے ہرے بھرے میدان
 عرشِ اعظم ہے تحتِ ربانی
 کون اُس کی برابری جوگا
 نہیں اُس کو کسی سے لاک لپیٹ
 آسماں کو زمین کو ہم کو
 اُس پوچھتا ہے کہ کوئی بات
 اپنے رستہ کے رہنا بھیجے
 جس کا احسان ہم پہ بے حد ہے
 تھا وہ اسد کارِ رسولِ امین
 ٹھیک ہے اُس نے جو خردی ہے
 کہ موئے بعد پھر بھی جینا ہے
 دوسری بار دے تو کیا دشوار
 ہے مثال اُس کی جاگنا سونا
 خلقت اُس کی بسائی بستی ہے

اُس نے یہ آسماں بنایا آپ
 کئے اونچے پہاڑ اُس نے کھڑے
 اُس نے بادل سے بوند پکائی
 مُردہ مٹی میں اُس نے ڈالی جان
 ہے مسلم اسی کو سلطانی
 ہے وہی۔ تھاہوی۔ وہی ہوگا
 جس کو چاہے کرے وہ میا میٹ
 اُس نے پیدا کیا ہے عالم کو
 اُس کا احسان و فضل ہے دن رات
 اُس نے دُنیا میں انبیا بھیجے
 خاتم انبیا محمد ہے
 اُس نے حکم خدا کیا تلقین
 اُس نے تعمیل حکم کر دی ہے
 دل سے مانو جو عقل بنیا ہے
 زندگی جس نے دی ہے اول بار
 بعد مرنے کے حشر کا ہونا
 اُس کی ہستی سے سب کی ہستی ہے
 اُس نے فرشِ زمین بچھایا آپ
 میخ کی طرح جو زمین میں گڑے
 اُس نے پانی پہ ناؤ تیرائی
 لہلہائے ہرے بھرے میدان
 عرشِ اعظم ہے تختِ ربانی
 کون اُس کی برابری جوگا
 نہیں اُس کو کسی سے لاگ لپیٹ
 آسماں کو زمین کو ہم کو
 اُس پر اجب نہیں ہے کوئی بات
 اپنے رستہ کے رہنا بھیجے
 جس کا احسان ہم پہ بے حد ہے
 تھا وہ اسد کا رسولِ امین
 ٹھیک ہے اُس نے جو خردی ہے
 کہ موئے بعد پھر بھی جینا ہے
 دوسری بار دے تو کیا دشوار
 ہے مثال اُس کی جاگنا سونا
 خلقت اُس کی بسائی بستی ہے

(۵۴) حمدِ باری تعالیٰ

خدا یا باطن و ظاہر بھی تو ہے	خدا یا اول و آخر بھی تو ہے
وہ آخر تو کہ ہے اول سے فائز	وہ اول تو کہ ہے آخر سے آخر
وہ آخر تو کہ ناپیدانہایت	وہ اول تو کہ نامحرم بدایت
وہ راعی عقل ہے تیری خدائی	نہیں اول کو آخر سے جدائی
وہی جو آج ہے سوکل بھی تھا تو	جو آخر ہے وہی اول بھی تھا تو
نہ تیرے ساتھ لاحق ہی نہ سابق	ہے تیرا اول و آخر مطابق
جو آخر ہے تو پیچھے رہ گیا کون	جو اول ہے تو پہلے اور تھا کون
جو ظاہر ہے تو ہے تیرے سوا کیا	جو باطن ہے تو باطن کا پتا کیا
بظاہر بن گیا تو عینِ منظر	ہے تو باطن میں ظاہر ملکِ باطن
ترا اظہار ہے اخفائے اسرار	ترا اخفا ہے گویا عینِ اظہار
چھپا جتنا رہا کھلتا بدستور	کھلا جتنا ہوا اتنا ہی مستور
ترا طغرا ہے آلاں کماکان	ازل سے تا ابد ہے ایک ہی شان
منترہ النفس و آفاق سے تو	میرا قید اور اطلاق سے تو
نہ جامد ہے نہ مصدر ہے نہ مشتق	مگر مطلق میں ہے تو عینِ مطلق
نہیں ہوتا کسی خانہ میں تو مات	مقید میں مقید ہے تری ذات

ہے اصلِ روح تو روحانیوں میں
 اگر ناسوت میں ہی موجِ پُرجوش
 اگر جبروت میں بانگِ آنا ہے
 تو ہی ہے علم و عالم بلکہ معلوم
 تجھے نسبت ہے لاشے سے نشے سے
 تری وحدت میں کثرت ہے نمودار
 نہ ہو وحدت تو کثرت بھی عدم ہے
 زمین و آسماں کا نور ہے تو
 سوا تیرے نہیں موجود کوئی
 ازل سے دائم المعروف ہے تو
 تری رحمت ہے یہ جلسے دکھاتی
 مسلم ہے تجھی کو حکم رانی
 ہو الموجود ہے تجھ سے عبارت
 اہم ہے تو نہیں زہار محدود
 عیاں دکھا تو پھونچا غیب ہو میں
 نہ پایا ہے نہ پائے گا کبھی تو
 تصورِ قرب کا دوری ہے تجھ سے
 ہے قیدِ جسم تو جسمانیوں میں
 تو ہے لاہوت میں دریا خاموش
 صفِ ارواح میں حمد و ثنا ہے
 تو ہی ہے رحم و رحیم بلکہ مرحوم
 غنی ہے تو نہیں سے اور ہے سے
 کبے کثرت نہیں وحدت کا اظہار
 حدوثِ آئینہ حسنِ قدم ہے
 مگر خود ناظر و منظور ہے تو
 نہ عابد ہے نہ ہے معبود کوئی
 ابد تک خود بخود موصوف ہے تو
 ہے قہاری تری سب کو مٹاتی
 کہ تیری سلطنت ہے جاودانی
 ہو المقصود ہے تجھ سے اشارت
 صمد ہے تو نہ والد ہے نہ مولود
 نہاں ڈھونڈا تو آیا رنگِ بو میں
 کہ ہے معروف و عارف آپ ہی تو
 خیالِ بُعدِ مجوری ہے تجھ سے

نہ دوری ہے نہ نزدیکی نہ مابین
 عبارت منقطع (اغیار و لاعین
 حقیقت سے نہیں ہے کوئی آگاہ
 مشبہ اور موحد سب میں گمراہ
 نہ ہو جب فرق ہی تو راہ کیوں ہو
 نہ ہو کوئی تو پھر آگاہ کیوں ہو
 پتا لگتا نہیں تنزیہ میں بھی
 خبر ملتی نہیں تشبیہ میں بھی
 یہ ہنگامہ اور اُس پر بے نشانی
 ہوا ہے عقلِ کل کا خون پانی
 تیمم کر کہ خاک تر ہے دریا
 لگا غوطہ کہ ہے گرداب صحرا

نہ صحرا ہے نہ دریا ہے نہ میں تو

نہ یا دو بود باقی ہے نہ ما ہو

(۵۶) یادِ حضرت شیخ

لب پہ آیا نامِ شہِ غوثِ علی
 بے تکلف کھل گئی دل کی کلی
 پھر صبا سبزہ کو لہرائے لگی
 باغِ معنی میں بہار آئے لگی
 پھر لگا دی ابرِ رحمت نے بھڑی
 پھر وہی بادِ بہاری چل پڑی
 پھر وہی محل وہی ہے کارواں
 ناقہ سرت و حدیٰ خواں ساواں
 پھر اسی منزل میں جا کھولی کمر
 دشت چشیل اور ویرانہ نگر
 پھر کھلا در حجرہ انوار کا
 قفل ٹوٹا قبۃ اسرار کا
 پھر وہی صحبت وہی لیل و نهار
 پھر لگے ہوئے درِ معنی نثار

پھر خزانہ غیب کا لئے لگا
 پھر لگی سا پنچہ میں ڈھلنے بات بات
 پھر لاپے لئے اسرارِ قدم
 پھر وہی سا غروہی بزمِ سرور
 پھر وہی ساتی وہی دیرینہ خم
 ہو گئے بلِ حل کے سب پھر ایک شے
 مدحِ حاضر میں بھی لکھ اب چندیت
 لے تجلیٰ اخیر ذوالجلال
 ہاں محمد وارتو نامِ خدا
 ترک دنیا ترک عقبی ترک جاں
 خوب توڑا تو نے ہر بند کہن
 ہر توپل سے تجھے اعراض تھا
 داو حق تھی تیری قوت اور قوت
 فقرِ فخری کی صدا بھائی تجھے
 مدتوں کے بعد ایک آدم بنا
 شاذ و نادر کوئی شبہ باجلال
 شیخ و صوفی رند و زاہد پارسا
 رشک سے حاتم کا دم گھٹنے لگا
 عارفانہ رمز و مردانہ نکات
 ذرہ ذرہ بن گیا منصور دم
 پھر لگا بننے وہی دریائے نور
 کفر و ایماں کا ہوا سرِ شتہ گم
 دور سا غر دستِ ساتی مست سے
 تو ہی لکھ خود مادہ میتِ ذمہ میت
 تھا کمالِ بندگی تیرا کمال
 کر گیا ہے بندگی کا حق ادا
 قولِ فعل و حال سے تیرے عیاں
 تھا مگر توحیتِ شہدِ رخیبر شکن
 شیرِ خوارِ مبداءِ فیاض تھا
 تھا خیالِ غیر بیتِ عنکبوت
 حق نے بخشی ارثِ آبائی تجھے
 ہفت خوانِ فقر کا رستم بنا
 کھولتا ہے اس ہوا میں پڑو بال
 سیکڑوں میں پر کہاں مردِ خدا

غوثِ اعظم یا جنید و بایزید
 یا معین الدین معطار و شہاب
 مجمع البحرین تجھ سے بعد ازاں
 اے محیطِ اولین و آخرین
 ذات کا آئینہ کابل بنا
 حامل و محمول میں یاں فرق کیا
 تھا نہایت معتبر پکا میں
 ظرفِ عالی بسکہ دریا نوش تھا
 اے تری آواز آوازِ خدا
 تھے لبِ شیریں لبِ دریا ذات
 جو حکایت جو مثل جو بات تھی
 مردہ روحوں کے لئے تھی زندگی
 تیرے دم سے حشر روحانی ہوا
 صور پھونکا تو لئے جس کی جان میں
 جذبِ حق ہو سعی طالب سے غلط
 جس کسی پر تو نے کچھ پھونکا فسوں
 رسم و عادت کا گریباں پھاڑ کر
 یا نظام الدین یا بابا فرید
 اپنے اپنے وقت کے تھے آفتاب
 گردشِ دوراں نے دیکھا تھا کمال
 آفریں! صد آفریں! صد آفریں!!!
 یہ امانت تھی کہ تو حامل بنا
 شمسِ ربانی کو غرب و شرق کیا
 تیرا پیمانہ کبھی چھلکا نہیں
 خم کدے خالی کئے پہنوش تھا
 اور خاموشی تری رازِ خدا
 اس لئے ہر بات تھی آبِ حیات
 عالمِ معنی کی ایک سوخات تھی
 زندگی وہ جس کو ہو پائندگی
 صاف و صیقل گوہرِ کانی ہوا
 جو ہوا سو ہو گیا اک آن میں
 چشمِ حق میں کا اشارہ تھا فقط
 اک اک دن اُس کو ابھرے گا جو
 دینِ تقلیدی سے دامن چھاڑ کر

کفر پر یاروں کے ایماں لائے گا
 اے مقلدِ تجھ کو ایماں کی قسم!
 جو نہ دے تجھ کو کھلا کافر بنا
 فقر کو ہے کفر سے نسبت قوی
 فقر محتاجِ خدا ہرگز نہیں
 ہر یقین بھی عینِ یکتائی میں عار
 فقیرِ فقرا آیا تو کیا باقی رہا
 سرگیا تو درِ دوسرے جاتا رہا
 اے فنا سے فقرِ تجھ کو مرجبا
 مرجبا اے خازنِ اسرارِ غیب
 ہاں خزانہ کا چھپانا فرض تھا
 یہ چھپانا کم نہ تھا اظہار سے
 وہ چھپے کیا جو کہ ہو خود پروردہ
 دیکھ کیا کہنا تھا کیا کہنے لگا
 کچھ نہ تھا واں کچھ نہ ہونے کے سوا
 تو نہ تھا کچھ عینِ عینِ اسد تھا
 بندگی کے بھیس میں اے جانِ نسیب
 وار مردوں کا نہ خالی جائے گا
 کافرِ دیرِ فنا کے لے قدم
 تو مری تکفیر کا محضر بنا
 ہے مگر وہ کفرِ کفرِ معنوی
 فقرِ عینِ ذاتِ حق ہر یقین
 فقر سے بھی چاہئے پھر افتقار
 بادہ کش باقی نہ خود ساقی رہا
 اٹھ گئی اُمید ڈر جاتا رہا
 عینِ عریانی ہے بس تیری عبا
 کیا چھپایا ہے ہنر کو مثلِ عیب
 گرچہ بیرونِ سما و ارض تھا
 آگ بھڑکی گرمی بازار سے
 باہمہ بے پردگی ہو مستتر
 نالہ بل کھا کھا کے کیوں بننے لگا
 کچھ نہ ہونا بھی وہاں باقی نہ تھا
 طاہرا بندہ نہانی شاہ تھا
 دے گیا والدِ سب کو فریب

تجھ کو دیکھا پر نہ دیکھا خلق نے
 تو دھنتر بید تھا کھاتے اگر
 کس کی طاقت تھی کہ تجھ کو دیکھتا
 سب گنوں میں تو فرید دہر تھا
 تو قلندر رند تھا کونین سوز
 تو بھری محفل میں سب کچھ کہ گیا
 مَنْ دَرَانِي كَيْ مَعَانِي صَاف صَاف
 مَنْ تَرَانِي مَنَّه زَبَانِي حِس كِي هِي
 تو ہی خود کہہ بانہ کہ سن یا نہ سن
 سطح پر جاری ہے ساری لہر بہر
 سطح کیسی قعر کیا ساحل کجا
 تیری مجلس مجلس اسد تھی
 اس کے ہوتے ہستی عالم کہاں
 آپ غالب ہے وہ اپنے امر پر
 تائب دریا میں آثار و طریق
 راہ گم ہونا ہے راہِ مستقیم
 آپ کو گم کر کہ تو ہی راہ ہے

لب نے چکھا پر نہ کھایا خلق نے
 سب دھنتر بید بن جاتے مگر
 لاکھ پردوں میں ہیں خاصانِ خدا
 جاں فزا امرت سے تیرا نہر تھا
 سیف قاطع تھا نہ تھا تو بخیر دوز
 گوشِ جاں میں کہ جو باقی رہ گیا
 شرح فرماتو ہی لے عنقائے قاف
 ہے اسی کا آئینہ ہر ایک شے
 لوٹ ہے جب آسماں برسگاہن
 قعر میں چپ رہ کہ ہے دریا قعر
 بحر ہے لا ابتدا لا انتہا
 دونوں عالم کی جہاں گم راہ تھی
 دن نکل آیا تو پھر شب بنم کہاں
 لیکن اکثر آدمی ہیں بے خبر
 عین دریا میں ہیں سب ہیں غریق
 حاشِ بِلدِ ثَم بِاللہ العظیم
 راہ کوٹے کر حریم شاہ ہے

(۵۷) صفتِ شیخ

شیخ کہتے ہیں اُسے جو پیر ہو
 کچھ نہ باقی ہو سیاہی کی جھلک
 وہ سیاہی کیا ہے؛ اوصافِ بشر
 مونچھ ڈاڑھی یا سیاہ ہو یا سفید
 ہے سیاہ بالوں سے ہستی مدعا
 چھٹ گیا جو ہستی موہوم سے
 اور اگر باقی ہے ہستی بال بھر
 جس میں اوصافِ بشر کی ہے تعمیر
 کڑبڑی داڑھی نہیں مقبولِ حق
 جب نہ ہو باقی رُواں کوئی سیاہ

لاکھ کی گنگھی کڑبڑی داڑھی میں کر
 تاکہ پڑ زراغ ہوں بگلے کے پر

(۵۸) مناجات

خداوند گاراہ سارِ جہاں
 سمندر ہے قدرت کا تیری بڑا
 ہم اُس میں سفر ختم کرتے ہوئے
 تو ہی اُس سفینہ کا ہے ناخدا
 ترے حکم سے گرم رفتار ہے
 جدھر تو جھکائے اُدھر وہ جھکے
 جو ملاح تو ہے تو گھبرائیں کیوں؟
 نہیں موج و طوفان کا کچھ خطر
 ازل سے ابد تک ہے بس تو ہی تو
 نہ ہوتا اگر تیرا لطفِ نہاں
 ہیں تیری حمایت میں محفوظ سب
 نہ تھا عہدِ طفلی میں کچھ بھی وقوف
 مسبھی آفتوں سے بچایا ہمیں
 دئے تو نے ماں باپ کیے شفیق
 ہے تیری مشیت کی روئیں رواں
 اور اُس بحر میں یہ سفینہ پڑا
 مسافر ہیں چڑھتے اُترتے ہوئے
 ہمارے تردد سے ہوتا ہے کیا
 مسافر کا اندیشہ بے کار ہے
 جہاں روک ڈک تو وہاں وہ رُکے
 نگہبان تو ہے تو چلائیں کیوں؟
 کہ تو آپ ہے راہِ روراہِ بر
 ترا جلوہ ہے عالمِ رنگ و بو
 تو ہم بزمِ ہستی میں مجھتے کہاں
 ہیں تیری عنایت سے محفوظ سب
 تو ہی پاتا تھا ہمیں لے رُوف
 کھلایا پلایا بڑھایا ہمیں
 میتا کئے تو نے کیا کیا رفیق

ہماری نہ کوشش نہ تدبیر تھی
 مگر جب پیدا ہوا کچھ شعور
 غلط کار تھی یہ ہماری نظر
 ہمارے شخص نے کھویا ہمیں
 پڑے حرصِ دنیا کے گرداب میں
 ترود میں غوطے لگایا کئے
 ہوا ہم کو دیوانگی کا خلل
 نہ سمجھا کبھی ہائے اپنا حساب
 کہاں سے ہم آئے کہ ہر جا میں گئے
 یہ دنیا کے دھندے معیشت کا غم
 یہ عزت کی خواہش یہ رحمت کی چاہ
 تعلق کے پھندوں میں ہم پھنس گئے
 ہمیں نفس نے سخت دھوکا دیا
 گئی رائیگاں مفت عمر عزیز
 گیا وقت اور ناتھ آیا نہ کچھ
 یہ دنیا کہ دھوکے کی ٹٹی ہے سب
 دیا مشکِ خالص کو مٹی کے بھجڑ

ترا حکم تھا تیری تقدیر تھی
 تو جمعیتِ دل میں آیا فتور
 کہ ہم اپنی کوشش کا سمجھے اثر
 ہماری خودی نے ڈبو یا ہمیں
 رہے مبتلا اس شکرِ خواب میں
 تصور میں شکلیں بنایا کئے
 یہ تھوڑی سی فرصتِ طولِ اہل
 کہ ہم موج ہیں بحر میں یا حباب
 جنیں گئے بھی کل تک کہ مر جائیں گے
 یہ دولت کے چسکے یہ جاہ و حشم
 ہمارے لئے بن گئیں سنگِ راہ
 تکلف کی دلدل میں ہم دھنس گئے
 نہ کرنا تھا جو کام ہم نے کیا
 نہ کی چیز نا چیز میں کچھ تمیز
 بہت کھوکے بھی ہم نے پایا کچھ
 ہمیشہ رہی ہم کو اس کی طلب
 بگڑنے کو سمجھا کئے ہم بناؤ

جسے عیش سمجھے تھے نکلا عذاب
 دئے بے بہا لعل ہم نے فضول
 جو اہر دئے سنگ ریزے لئے
 مگر بھیس میں گل کے آیا تھا نار
 جسے اصل سمجھے تھے بے اصل تھا
 یہ تھا مرحلہ جس کو سمجھے تھے گھر
 کٹی عمر غفلت میں اپنی تمام
 پڑے بے خبر نائے سوتے رہے
 کھلا بھید ہم کو نہ اس بات کا
 نہ سمجھے کہ ہے شعبدہ یہاں
 تو ہم نے رستہ بھلایا ہمیں
 یہ تیری ہی قدرت کا نیرنگ ہے
 منے اس چین میں عجب چہچہ
 ہے استادِ کامل کی بازیگری
 ہوئیں نے مچائی عجب فہم و دام
 عجب نیستی نے دکھائی بہار
 گیا قافلہ دور ہم چھٹ گئے

جسے آب سمجھے تھے پایا سراب
 عوض میں لیا کیا، یہی خاکِ قحول
 نکلتے کئے کام جتنے کئے
 خزاں بن کے آئی تھی فصل بہار
 جسے وصل سمجھے تھے وہ فصل تھا
 مہیتا کیا کچھ نہ زادِ سفر
 گیادن گزر ہونے آئی ہے شام
 عبث نقدِ اوقات کھوتے ہے
 کہ ہے یہ تماشا طلسمات کا
 نیا سانگ ہوتا ہے ہر دم یہاں
 کہ فانی کو باقی دکھایا ہمیں
 کہ نابود میں بود کا ڈھنگ ہے
 کہ چلتے مسافر کھرے ہو رہے
 کہ خالی تھی مٹھی دکھادی بھری
 سفر کو سمجھنے لگے ہم قیام
 کہ پھولوں کے بدلے چنے ہم نفا
 چلے ایسے رستے کہ بس لٹ گئے

کلیات سماعیل کے لئے الزام

بسا اپنے کانوں میں ہر ایسا رس
 کیا نا توانی نے اب چور چور
 سفر کیونکہ تنہا کروں رات میں
 جو ٹھیروں تو بستی ہے بالکل اُجاڑ
 نہ رہنے کا یارا نہ چلنے کی تاب
 خدایا! نہیں کوئی جائے پناہ
 خدایا! کوئی یار ویاور نہیں
 خدایا! نہیں ہے کوئی چارہ گر
 خدایا! نہیں ہے کوئی دستگیر
 خدایا! نہیں ہے کوئی نغمہ ساز
 ازل میں نہ تھا میں نہ میری عطا
 دیا جسم بھی تو نے اور جان بھی
 کیا تو نے آراستہ یہ مکاں
 کیا میہمانی کا سامان خوب
 ہوائے لطیف اور آبِ زلال
 دئے خاک نے کیا ذخیرے اگل
 دئے جس نمونہ کے دانے بکھیر
 سنائی نہ دی ہم کو بانگِ برس
 ہوا وقت نا وقت منزلِ ہر دور
 لگے چور میں ہر طرف گھات میں
 کھڈرا اور ویرانہ جنگل پہاڑ
 خداوند گارا! خبر لے شتاب
 مگر تیرا در اور تری بارگاہ
 مگر تو کہ موجود ہے ہر کہیں
 مگر تو کہ ہے تجھ کو سب کی خبر
 مگر تو کہ ہے تو سمیع و بصیر
 مگر تو کہ ہے سب کا پروردگار
 تیرا لطف تھا اور تیری عطا
 دیا زندگی کا سامان بھی
 بلایا اکرم سے ہمیں میہماں
 مرتب کیا خوانِ الوانِ خوب
 دئے اپنے نھماں کو بے سوال
 خوش آئندہ پھول اور پسندیدہ پھل
 اسی جنس کا لگ گیا ایک ڈھیر

یہ عمدہ غذا اور فاخر لباس
 بتانے کو رستہ دے راہ بر
 نہ تھا کوششوں کا ہماری صلہ
 دیا تو نے کیا کچھ بغیر التماس
 بجا جت سے خاموش کیونکر ہوں میں
 بھلا اب کروں ہم دو سو اس کیوں
 شہنشاہ کا جب کرم عام ہو
 وہ غم دے کہ ہو جائیں سب غم غلط
 نہ کچھ فکر شادی و غم کا رہے
 چلیں شادی و غم کے جھونکے ہزار
 اگر غرقِ طوفان ہو گل کائنات
 ترے لطف کا ہو سہارا اگر
 جو تیری حمایت کا فانوس ہو
 اگر فضل کا تیرے لنگر ملے
 جو ہو بادِ باں تیری تائید کا
 جو تیری مددِ ناخدائی کرے
 مر و دل پہ برسا دے ایسی پھہار
 یہ رہنے کو ایوانِ محکمِ اساس
 بلایا جھنوں سے تری راہ پر
 عنایت سے تیری بلا جو بلا
 غرض تیرے الطاف ہیں بقیاس
 کہ تیری عنایت کا خوگر ہوں میں
 قبولِ دعا کی نہ ہو آس کیوں
 تو درویش کو کیوں نہ برابر ام ہو
 نہ ہو اور کچھ تو مہی تو ہو فقط
 نہ کچھ دغدغہ بیش و کم کا رہے
 مرے دل کو جنبش نہ ہو زینہار
 نہ پھسلے کبھی میرا پائے ثبات
 تو غالب ہو تنکا بھی سیلاب پر
 تو آندھی سے کیا خوف ہو شمع کو
 تلاطم سے ہرگز نہ کشتی ہے
 بے پائو پلٹے مخالف ہوا
 تو پھر کوئی طوفان سے کیوں ڈرے
 کہ دب جائے غفلت کا گرد و غبار

مرے دل کو اوہام سے پاک کر
 تیقن کا یارب نکال آفتاب
 تیرے عشق سے گرم سینہ ہے
 کہوں درد دل کس سے اور بے نیاز
 جلا دے معاصی کے سب غاروں
 خدا یادہ کامل نظر دے مجھے
 مرے سر کو تسلیم کا تاج دے
 ریاضِ رضا کی دکھا دے بہار
 رہے کچھ نہ فکرِ کثیر و قلیل
 مجھے صبر دے جو کبھی کم نہ ہو
 خدا یا عطا کر وہ نیت کھری
 مجھے صدق و حسنِ باخلاص دے
 مرے عزم کو شوق کے پر لگا
 تنہا ہے جب تک رہے دم میں دم
 میں سوؤں تو سوؤں ترز فکر میں
 لگا دے مرے منہ سے وہ جامِ پاک
 رہے دھیان میں کچھ نہ دوزخِ بہشت

مجھے اپنے رستہ میں چالاک کر
 توہم کا دل سے اٹھا دو حجاب
 نہ مرنار ہے اور نہ جینار ہے
 نہیں کوئی تیرے سوا چارہ ساز
 ہے نارِ محبت کا اک شعلہ پس
 کہ میں ذرہ ذرہ میں دیکھوں مجھے
 مجھے قرب کی اپنے عراج دے
 شکایت کا دل سے مٹا دے تڑپا
 پڑھوں حسبی اللہ نعم الوکیل
 بلاؤں کے حملہ کا کچھ غم نہ ہو
 طمع سے منترہ ریا سے بری
 مجھے فضل کا خلعتِ خاص دے
 کہ دوں بازیِ عشق میں سر لگا
 طلب میں ہوں تیری ثابت قدم
 میں جاگوں تو جاگوں ترے ذکر میں
 پڑھے ہر بنِ موترانا مِ پاک
 تری دیدِ بنجائے میری سرشت

مجھے زنگ دے پاؤں سے تالفیق
 مرے دل سے زنگِ دوئی دور کر
 نہ لیلے رہے اور نہ مجنوں رہے
 رہے عشق میں ات دن سوز و ساز
 دیارِ محبت سے چلے نسیم
 گلستاں نہیں نیکٹری ہی سہی
 سنا دے طُورِ صفا کی چمک
 نکالوں کلیجہ سے پجراں کا خار
 یقین کی لپٹ سے بسا دے دماغ
 قفس میں کرے تابکے اشکاف
 لگے روضہ اُنس کی جب ہوا
 ہوا و ہوس دل سے برباد ہو
 نہ ساغر رہے اور نہ ساقی رہے
 نگاہوں میں ہو جلوہ گر تو ہی تو
 کروں فہم تجھ کو ہر اک بات سے
 چڑھے جامِ وحدت کا ایسا خار
 کہوں اور سنوں خود بنوں چشمِ گوشت

خمِ صبغۃ اللہ میں کر کے عرق
 مرے دل کو وحدت سے معمور کر
 فقط عشق کا ایک مضمون رہے
 کروں شوق کی میں حکایت دراز
 سنگھا دے گلِ معرفت کی شمیم
 ہمیشہ نہیں دو گھڑی ہی سہی
 گلِ معرفت کی اڑا لاکھک
 تلوں مُنہ پہ گلگونہ وصلِ یار
 طریقِ وطن کا لگا دے سرخ
 کرا دے حیطمِ جن کا طواف
 تو ہوں سچھے شکوے گلے سب ہوا
 ترا شغل ہو اور تری یاد ہو
 سوا تیرے کوئی نہ باقی رہے
 ہر اک گل میں پاؤں ترا رنگ و بو
 سنوں تیرا نعمہ جمادات سے
 کہ اغیار سمجھوں کسی کو نہ یار
 مری بے خودی رہوں قربان ہوش

ترا جلوہ دیکھوں نہاں اور عیاں
 تری یاد میں محو ہوجاؤں میں
 ملے مجھ کو ہرگز نہ میرا پستا
 ترے بادہ عشق سے ہو کے مست
 رہے ماسوا کا نہ ذرہ خیال
 خلا اور ملا میں نہ ہو وہم غیر
 مرے وصف بن جائیں تیری صفات
 یہاں تک میں یکساں دیکھوں
 بصارت ہو تیری بصارت میں غرق
 مری بات بن جائے تیرا کلام
 مٹے وہم باطل نظر آئے حق
 چمک تیری دیکھوں ہر اک سنگ میں
 تری شان پاؤں ہر انداز سے
 لگا دل پہ دردِ محبت کی چوٹ
 جو بلبل کا نغمہ پڑے کان میں
 نوا سنج ہو طوطی سبز پر
 چو شاخوں پہ قمری کی کوکوسنوں
 نہ پائے مگر مجھ کو میرا نشان
 کسی شے کو ڈھونڈوں تجھ پاؤں میں
 نہ سمجھوں کہ میں کون تھا اور کیا
 سنوں گوشِ جاں کے نڈائے است
 مجھے ایک ہو جائے ماضی و حال
 کروں بے خودی میں خدائی کی سر
 مری نسبت ہو جائے تیری حیات
 کہ تو میں بنے اور میں تو بنوں
 سماعت ہو تیری سماعت میں غرق
 مری چال ہو جائے تیرا خرام
 پڑھوں پتے پتے سے تیرا سبق
 سنوں راگ تیرا ہر آہنگ میں
 ترا لہجہ سمجھوں ہر آواز سے
 جو پتا بھی کھڑکے تو میں جاؤں لوٹ
 تو ہو شور برپا مری جان میں
 تو میں اپنی ہستی سے جاؤں گزر
 تری یاد میں اپنے سر کو ڈھنوں

جو گلشن میں دیکھوں کہیں گل کھلے
 کرے چھپے طائروں کا ہجوم
 جو دیکھوں کہلتی ہے شاخِ نہال
 جو دیکھوں میں تاروں بھری ات کو
 چکتے ہوئے دیکھ کر مہر و ماہ
 رہِ راست کی کر ہدایت مجھے
 غضب سے ترے مانگتا ہوں پناہ
 اگر مغفرت سے نہ پیش آئے تو
 تو میرا ٹھکانا نہیں پھر کہیں
 مجھے اپنی دانش کا ساغر پلا
 نہ چھوڑوں گا دامنِ ترا اے کریم
 خدایا مری خواہشوں پر نہ بجا
 تقاضا مرا سخت معیوب ہے
 تری ذات دانائے آسرا ہے
 گر اپنی ہی مرضی سے رد و قبول
 وہی خوب ہے جو ہے تجھ کو پسند
 جس احوال سے تو رضامند ہے
 ترے ذوق میں میری گردن ہے
 گروں و جدیوں خاک پر جھوم جھوم
 گزر جائے پردوں سے میرا خیال
 کروں دل سے ساقطِ اضافات کو
 کروں پیرویِ خاسلِ الہ
 سلامت روی کر عنایت مجھے
 الگ اُن سے رکھ جو گئے بھول راہ
 اگر رحم مجھ پر نہ فرمائے تو
 نہ دُنیا نہ عُقبے نہ ایمان و دیں
 رہے تشنگی کا نہ باقی گلا
 تیرا لطف شامل ہے رحمتِ عظیم
 جو تیری رضا ہے وہی ہے بجا
 جو مرضی ہے تیری وہی خوب ہے
 سبھی نیک و بد سے خبردار ہے
 کہ سائل ہے تیرا ظلم و جہول
 ہو آسودگیِ ظاہر یا گزند
 اگر زہر بھی ہو تو گلقد ہے

بقولِ نظامیؒ غمراں تاب
 رکھ اپنے ہی قبضہ میں میرِ حساب
 سپردم بتو مایہِ خویش را
 تو دانی حسابِ کم و بیش را
 کروں کس لئے غم رہوں کیوں اُداس
 کہ تو شاہِ رگ سے زیادہ ہے پاس
 زہے قرب تیرا زہے ہمدی
 نہ اُس کو زوال اور نہ اس میں کمی
 پتا اپنے ہوتے ترسی ذات کا
 ہے سو داپکانا محالات کا
 فناس کو قتی ہے اس جا تھک
 کہ کانِ نمک میں نہیں جُز نمک
 مگر جو نظر میں سما یا ہے یہ
 کمالات کا تیرے سایہ ہے یہ
 نظر چاہتے اور صفا چاہتے
 کہ نکلی یہاں سے دو عالم کی ماہ
 کروں مرکزِ قلب پر میں نگاہ
 نہ احساس ہے واں نہ ادراک ہے
 مگر دونوں عالم سے تو پاک ہے
 کہ مستانِ دُصن ہے اس آواز کی
 کروں زمرہ لے میں شیراز کی
 برِ عارفان جز خدا بیچ نیست
 رہِ عقل جز بیچ بر بیچ نیست

(۵۹) غصہ کا ضبط

اور طبیعت ہو انتقام طلب
 دل میں جب کو زجائے برقِ غضب
 کر سکے آتشِ غضب کو سرد
 اس خطرناک راہ میں جو مرد
 اور نہ لائے زباں پہ سخت کلام
 ڈانٹ کر دیو نفس کو لے تھام

مشورت عقل کی مننے اُس دم ہے وہی اپنے وقت کا رستم

(۶) ادب

ادب ہی سے انسان انسان ہے نہ سیکھے ادب جو وہ حیوان ہے
 جہاں میں ہو پیارا نہ کیونکر ادب کہ ہے آدمیت کا زیور ادب
 نہ ہو جس کو اچھے بُرے کی تیز نہ وہ گھر میں پیارا نہ باہر عزیز
 بٹھاتے نہیں بے ادب کو قریب یہ سچ بات ہے۔ بے ادب کے نصیب

(۶۱) چغلی

چغلی ہے بڑا کام بچو اس سے ہمیشہ جو لوگ ہیں بے شرم انھیں کا ہے پیشہ
 یہ لٹ ہے بڑی۔ اس سے نہیں ہاتھ کچھ آتا اکثر تو چغلی رہی ذلت ہے اٹھانا

(۶۲) آزادی غنیمت ہے

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر تودہ خوف و ذلت کے حلوے سے بتر
 جو ٹوٹی ہوئی جھونپڑی بے ضرر ہو بھلی اُس محل سے۔ جہاں کچھ خطر ہو

(۶۳) طلبِ خیر میں قناعتِ حرص بہتر ہے

جو طلبِ خیر میں قانع ہوا اپنی ترقی کا وہ مانع ہوا
ایسی قناعت سے طمعِ خوب ہے حرص ہی اس راہ میں محبوب ہے

(۶۴) تکبر میں فروتسی ہے، اور تواضع میں عزت

تکبر کیا ہے؟۔ ایک ایوانِ عالی مگر ناموس اور عزت سے خالی
تواضع ایک تہ خانہ ہے جس میں چھپی بیٹھی ہیں سب عزت کی قسمیں

مثلاً

اب آرام کرو

جھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا اب کہاں باقی ہے موقع کام کا

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

قصہ چڑیوں نے بسیرے کا کیا ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھوسلا

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

دیکھنا سوچ ہے چھپنے کے قریب تم گئے چلتے مسافر بھی غریب

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

لو! کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر لیں گے اپنے پھوٹے پتوں کی خبر

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

شام کو بستی سے باغوں کی طرف اڑ چلے کتے بھی مل کر صاف صاف

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

کھلبلی جو دن میں تھی بڑھم پڑی بھنبھناہٹ کھیلوں کی کم پڑی

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

جانور دن بھر قلا پنچیں بھر چکے اپنا اپنا کام پورا کر چکے

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

یہ جو کٹ کٹ کر رہی ہیں مرغیاں ڈھونڈتی ہیں اپنے در بے کاشاں

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

بھیڑ بگری۔ اونٹ گھوڑا۔ گاؤ۔ خنر آن پہنچے اپنے اپنے کھان پر

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

اب ہوا کے تیز چھونکے رُک گئے سو گئے پیڑ اور پتے جھک گئے

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

لو سویرے تک ہمارا بھی سلام وقت ہے نا وقت کیا کیجے کلام

صاحبویہ وقت ہے آرام کا

مربع

اچھا زمانہ آنے والا ہے

تِنے گامسرت کا اب شامیانہ ^۱ بچے گا محبت کا نقارخانہ
حمایت کا گائیں کے مل کر زمانہ کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

۲

نہ ہم روشنی دن کی دکھیں گے لیکن چمک اپنی دکھائیں گے اب بھلے دن
رُکے گا نہ عالم ترقی کئے بن کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

13457

خیالات کی تیز تلوار ہوگی
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

ہراک توپ سچ کی مددگار ہوگی
اسی پر فقط جیت اور ہاں ہوگی

دیں گے نہ طاقت سے پھر حق کے طالب
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

زبانِ قلم سیف پر ہوگی غالب
کہ محکوم حق ہوگا دنیا کا قابض

مگر وصفِ ذاتی کا ڈنکا بجے گا
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

زمانہ نسب کو نہ پوچھے گا ہے کیا
ہسی کو بڑا سب سے مانے گی دنیا

تفاخر پے ہوگی نہ قوموں میں آن بن
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

لڑائی کو انسان سمجھس گے ڈاؤن
مشیخت کی خاطر اڑے گی نہ گردن

مذہب کو ہوگی تعصب سے فرصت
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

عقیدوں کی مٹ جائے گی سب قات
مگر ان کی بڑھ جائے گی و رطافت

کریں سب مدد ایک کی لیکر
یہی بات واجب ہے ہر مرد و زن پر
لگے ہاتھ سب کا تو اٹھ جائے چھتر
کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

مخمس

(۱) چھوٹی چوٹی

بڑی عاقلہ ہے بہت دوہیں ہے
کہ فکر اپنی روزی کا تیرے تئیں ہے
اسی دھن میں پہنچی کہیں سے کہیں ہے
کبھی اپنے دھندے سے غافل نہیں ہے

اری چھوٹی چوٹی تجھے آفریں ہے

نہیں کام سے شام تک تجھ کو فرصت
ذرا سی توجان اور اُس پر یہ محنت
بہت جھیلتی ہے مشقت مُصیب
نہیں ہارتی پر کبھی اپنی ہمت

اری چھوٹی چوٹی تجھے آفریں ہے

کبھی کام تو نے ادھورا نہ چھوڑا
کبھی تو نے تکلیف سے مُنہ نہ موڑا
بہت کام تو نے کیا تھوڑا تھوڑا
ذخیرہ یہ جاڑے کی خاطر ہے جوڑا

اری چھوٹی چوٹی تجھے آفریں ہے

جو گرمی کی رت میں نہ کرتی کمائی
تو جاڑے کے موسم میں مرتی بن آئی
تجھے ہوشیاری پس نے سکھائی
سمجھتی ہے اپنی بھلائی بُرائی

اسی چھوٹی چوٹی تجھے آفریں ہے

نہ کھو وقت سُستی میں مہلت ہے تھوڑی
وہی کام کر جس سے مالک ہو راضی
کہ جس نے تجھے زندگانی عطا کی
یہ عمدہ سبق ہم کو دیتی ہے چوٹی
اسی چھوٹی چوٹی تجھے آفریں ہے

(۲) کوشش کئے جاؤ

دُکال بند کر کے رہنا بیٹھ جو
تو دی اُس نے بالکل ہی لٹا ڈبو
نہ بھاگو کبھی چھوڑ کر کام کو
تو ہے تو ہے خیر جو ہو سو ہو
کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو پتھر پے پانی پڑے متصل
تو بے شبہ گھس جائے پتھر کی سل
رہو گے اگر تم یوں مستقل
تو اک دن نتیجہ بھی جائے کامل
کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

یہ مانا کہ مشکل بہت ہے سبق
بڑا ہے مگر اضطراب اور قلق
دوبارہ پڑھو پھر پڑھو ہر ورق
پڑھے جاؤ جب تک ہے باقی ورق
کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

اگر طاق میں تم نے رکھ دی کتاب
تو کیا دو گے کل امتحان میں جواب
نہ پڑھنے سے بہتر ہے پڑھنا جناب
کہ ہو جاؤ گے ایک دن کامیاب

کئے جاؤ کوشش مرے دستو

نہ تم ہچکچاؤ نہ ہرگز ڈرو جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقت اٹھاؤ مصیب بھرو طلب میں جو۔ جستوں میں جو
کئے جاؤ کوشش مرے دستو

جو تم شیر دل ہو تو مارو شکار کہ خالی نہ جائے گامردوں کا وار
مشقت میں باقی نہ رکھنا ادھار جو ہمت کرو گے تو پیرا سے پار
کئے جاؤ کوشش مرے دستو

نہ بھاگو اگر مشکل آجائے پیش خوشی سے گوارا کرو لوش نیش
بنو کاہلی سے نہ گو بر کنیش وہی دے گامرہم دیا جس نے نیش
کئے جاؤ کوشش مرے دستو

جو بازی میں سبقت نہ لے جاؤ تم خبردار! ہرگز نہ گھبراؤ تم
نہ ٹھٹھکو نہ جھجکو نہ پچھتاؤ تم ذرا صبر کو کام فرماؤ تم
کئے جاؤ کوشش مرے دستو

مقابل میں خم ٹھوک کر آؤ ہاں پچھڑنے سے ڈرتے نہیں پہلوں
کرو پاس تم صبر کا امتحان نہ جائے گی محنت کبھی رائیگاں
کئے جاؤ کوشش مرے دستو

زیاں میں بھی ہے فائدہ کچھ نہ کچھ تمہیں مل رہے گا صلہ کچھ نہ کچھ

ہر ایک درد کی ہے دوا کچھ نہ کچھ کبھی تو لگے گا پتا کچھ نہ کچھ
کئے جاؤ کوشش مرنے دوستو

تردد کو آنے نہ دوا اپنے پاس ہے بیہودہ خوف اور بجا ہراس
رکھو دل کو مضبوط قائم جو اس کبھی کامیابی کی چھوڑو نہ اس
کئے جاؤ کوشش مرنے دوستو

کرو شوق و ہمت کا جھنڈا بلند کو داؤ ادلو اعتربیوں کا سمند
اگر صبر سے تم سہو گے گرتے تو کملاؤ گے ایک دن فتح مند
کئے جاؤ کوشش مرنے دوستو

(۳) میرا خدا میرے ساتھ ہے

ہے ہمیشہ مری خدا پے نظر رات ہو دن ہو شام ہو کہ سحر
نہ اُجالے میں ہے کسی کا ڈر نہ اندھیرے میں کوئی خوف و خطر
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

شام کا وقت یا سویرا ہو چاندنی ہو کہ گپ اندھیرا ہو
مینہ نے آنکھی لے مجھ کو گھیرا ہو لیک پر ہول دل نہ میرا ہو

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب کہ طوفان کا ہوسناٹا سخت اندھیاؤ کا چلے جھونکا

جڑ سے پیروں کوٹے اُکھٹے ہوا میرے دل میں نہ خوف ہو آسما
کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ٹوٹ کر آسمان سے تارے شب کو گرتے ہیں جیسے انگارے
وہم کرتے ہیں لوگ بے چارے میں نہ گھبراؤں خوف کے مارے

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

چاند سورج کا دیکھ کر گمنا میرے بھولیوں کو ہے کھڑکا
لوگ کرتے ہیں خوف کا چرچا پر مجھے اس کی کچھ نہیں پروا

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب ستارہ طلوع ہو دم دار دم ہو ایسی کہ چھوٹا ہے انار
سب پے طاری ہوں خوف کے آثار میرے بھاویں مگر نہ ہو زنہار

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

میرے رستے میں ہو اگر میداں یا پڑانا کوئی کھنڈر سنساں
کوئی مرگھٹ ہو یا ہو قبرستان نہ خطا ہوں وہاں مرا وصال

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ہو بیابان میں گزر میرا یا سمت درپے ہو سفر میرا
دور رہ جائے مجھ سے گھر میرا رہے پھر بھی قوی جگر میرا

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب کہ دریا میں آئے طغیانی اور ہاتھی ڈباؤ ہو پانی

پار کھیوا نہ ہو باسانی مجھ کو اندیشہ ہو نہ حیرانی

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

لشکروں کی جہاں چڑھائی ہو شہ سواروں نے باگ اٹھائی ہو

اور گھسان کی لڑائی ہو واں بھی ہیبت نہ مجھ پہ چھپائی ہو

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

(۴) صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی میں لاہری ہوں اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں

بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں پکارے گلے صاف چلا رہی ہوں

اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

میں سب کار بہوار کے ساتھ آئی میں رفتار و گفتار کے ساتھ آئی

میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی میں چڑیوں کی چکار کے ساتھ آئی

اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہے خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے

درختوں کے اوپر عجب چھپا ہے سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیروں پہ ہیں غل مجھ جاتی
ادھر سے ادھر اڑ کے ہیں آتی جاتی
دُموں کو ہلاتی پروں کو پھلاتی
میری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں میں میں چائی
تو بلبل بھی گلشن میں سے چھپائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاما بھی گئی
میں سو سو طرح دے رہی ہوں دہائی

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر ایک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے
نسیم اور صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے
مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن ہیں
ہر ایک ٹک میں پس میں ہر ٹن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں
بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل میں بوٹی بڑی ہے
سو وہ نو لکھا مار پہنے کھڑی ہے
کہ کچھلے کی ٹھنڈک سے بنم بڑی ہے
عجب یہ سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر نچونک اٹھے چو کڑی بھر رہے ہیں
کلویں ہر بکھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں
غرض میرے جلوہ پہ سب مر رہے ہیں

اٹھوسونے والو کہ میں آرہی ہوں

میں تاروں کی چھال ان پہنچی یہاں تک زمین سے ہے جلوہ سرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اٹھوسونے والو کہ میں آرہی ہوں

پوجاری کو مندر کے میں نے جگایا مؤذن کو مسجد کے میں نے اٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا اندھیرا گھٹایا۔ اُجالا بڑھایا

اٹھوسونے والو کہ میں آرہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل میں ڈیرے کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جاں کندھے پہ لے کر مچھیرے دلدر ہوئے دور آنے سے میرے

اٹھوسونے والو کہ میں آرہی ہوں

بجائے لگے اپنی اپنی سبھی گت بجائے لگے اپنی اپنی سبھی گت
چلی توپ بھی دن سے حضرت سداکت نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت

اٹھوسونے والو کہ میں آرہی ہوں

لوہا شیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو بس اب خیر سے اٹھ کے منہ ہاتھ دھولو

اٹھوسونے والو کہ میں آرہی ہوں

بڑی دھوم سے آئی میری سواری جہاں میں ہوا اب مرا حکم جاری

ستارے چھپے رات اندھیری سدھاری دکھائی دے باغ اور کھیت کیاری

اُکھٹو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

میں پورے پچھم پہ کرتی ہوں دھاوا زمیں کے گڑہ پر لگاتی ہوں اکاوا

میں طے کر کے آئی ہوں چین اور جاوہ نہیں کہتی کچھ تم سے اس کے علاوہ

اُکھٹو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

(۵) خدا قیصرۃ الهند کو سلامت رکھے

عیش و طرب کے ہیں یہاں چھپے کون بھلا جبر کسی کا سے

کیوں نہ تہ دل سے رعایا کے جب تک اس اقلیم میں گنگا بہے

قیصرۃ الهند سلامت رہے

ہند کا اس عہد میں بدلا مزاج عدل نے اس دور میں پایا رواج

جملہ مفاسد کا ہوا ہے علاج سب کی تمنا ہے کہ با تخت و تاج

قیصرۃ الهند سلامت رہے

بس کہ رعایا پے ہے وہ مہرباں کرتی رعایا ہے نثار اس پے جاں

شرق سے تا غرب کراں تا کراں ملک اس آہنگ میں ہے نعمت خواں

قیصرۃ الهند سلامت رہے

فتنہ تو اس دور سے بس دور ہے صلح سے اور امن سے معمور ہے

عافیت اس وقت کا دستور ہے اس لئے افواہ میں مذکور ہے

قیصرۃ السند سلامت رہے

شرق میں ہے فوج مظفر پڑی غرب میں ہے سید سکندر کھڑی
نظم و سیاست میں نہیں گلجھڑی سلطنت ہند نہ کیوں ہو بڑی

قیصرۃ السند سلامت رہے

پرچم اقبال ہے اس کا بلند دولت و حشمت کا رواں ہے سمند
دھاک ہے تاجپن و خطاویار قند ہند کو ہو کس لئے خوفِ گزند

قیصرۃ السند سلامت رہے

زورِ قلم یا دمِ صمصام ہے مد نظرِ منفعتِ عام ہے
نیکیوں کا نیک سرانجام ہے سب کی دعا صبح سے تا شام ہے

قیصرۃ السند سلامت رہے

نظم بے قافیہ

(۱) چڑیا کے بچے

دو تین چھوٹے بچے چڑیا کے گھونسلے میں

چپ چاپ لگ رہے ہیں سینہ سے اپنی ماں کے

چڑیا نے ماتا سے پھیلا کے دونوں بازو

اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھک لیا ہے
 اس طرح روزمرہ کرتی ہے ماں حفاظت
 سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم اُن کو
 لیکن چڑا گیا ہے چچکا تلاش کرنے
 دانہ کہیں کہیں سے پوٹے میں اپنے بھر کر
 جب لائے گا۔ تو پچھے مڑنے کھول دیں گے جھٹ پٹ
 اُن کو بھرا لے گا وہ۔ ماں اور باپ دونوں
 بچوں کی پرورش میں مصروف ہیں برابر
 اور چھوٹے بچے خوش ہیں تکلیف کچھ نہیں ہے
 اے چھوٹے چھوٹے بچو۔ تم اونچے گھونسلے سے
 ہرگز نہیں گرو گے۔ پر اور پرزے اب تک
 نکلے نہیں تمہارے اس واسطے ابھی تم
 اونچے نہ اڑ سکو گے۔ ہاں جب تمہارے بازو
 اور پر درست ہوں گے تو دن کی روشنی میں
 سیکھو گے تم بھی اڑنا۔ کرتے پھر دو گے چس ہیں
 اڑتے پھر دو گے پھر پھر اے چھوٹے بچو لیکن
 کو ابری بلا ہے اُس سے خدا بچائے

(۲) تاروں بھری رات

ارے چھوٹے چھوٹے تارو کہ چمک دمک رہے ہو
 تمہیں دیکھ کر نہ ہووے مجھے کس طرح تھیر
 کہ تم اونچے آسماں پر جو ہے گل جہاں سے اعلیٰ
 ہوئے روشن اس روش سے کہ کسی نے جڑ دئے ہیں
 گہرا اور غسل گویا

جو ہیں آفتاب تاباں نے چھپایا اپنا چہرہ
 وہیں جلوہ گر ہوئے تم یہ تمھاری جگہ گاہٹ
 ہے مسافروں کحق میں بڑی نعمت اور رحمت
 اگر اتنی روشنی بھی نہ بیسرا آتی اُن کو
 تو غریب جنگلوں میں یونہیں بھولتے بھٹکتے
 نہ تینر اس وچپ کی نہ طرف کی ہوتی اٹکل
 نہ نشان راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے وہ اُمید وار دہقاں
 کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی کہیں کھیت کٹ رہا ہے
 کہیں گہ رہا ہے خرمن نہیں آنکھ اُن کی چھپکی

یونہیں شام سے سحر تک ہیں تمام رات جاگے
 نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ نہ شمار وقت و ساعت
 مگر اے چکنے والو ہو تمھیں اُنھیں سنبھالتے
 کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے ہے وسیع بحر اعظم
 اُنھیں ہولناک موجوں سے مقابلہ ہے کرنا
 کوئی ہے چلا وطن سے کوئی آرتا ہے واپس
 اُنھیں کچھ خبر نہیں ہے کہ کدھر ہے اُن کی منزل
 نہ تو مرحلہ نہ چوکی نہ سراغ راہ کا ہے
 نہ کوئی دلیل و رہبر مگر اے فلک کے تارو
 تمھیں اُن کے رہنا ہو

مسدس

(۱) ماں کی مامتا

مامتا ماں کی جانتے ہیں سب ماں ہے بچے کی پرورش کا سبب
 بھوک بچے کو ہے سستاتی جب ماں سے کرتا ہے روکے دوو طلب

دودھ دیتی ہے پیار کرتی ہے

جان اُس پر نثار کرتی ہے

بچے سینہ سے جو رہا ہے چمٹ نہیں لے سکتی بے دھڑک کروٹ
پانو کی بھی نہ ہو ذرا آہٹ کبھی ننھے کی نیند جائے اچٹ

اُوں اُوں کرتی تھپکتی جاتی ہے

ہولے ہولے سرکتی جاتی ہے

جب رہا وہ نہا لچہ پر سو چھوٹے تیکے لگا دئے دودھ

کئے سب کام تھے ضروری جو پر نہیں بھولتی ہے بچے کو

لیتی رہتی ہے ماں خبر ہر دم

اپنے بچے پے ہے نظر ہر دم

ماں کو آرام کی کہاں فرصت سوئی بے ڈھب تو آگئی شامت

کپڑے لتوں کی ہو گئی کیا گت ہے بچھونا بھی تر تیرت پت

صبح اُٹھ کر کھنگالتی ہے تمام

جاڑے پالے کا وقت اور یہ کام

بچے اتنے میں چونک اُٹھا سو کے ناک میں دم کیا ہے رورو کے

ماں نے پھر لے لیا ہے خوش ہو کے نیا کرتہ بدل کے منہ دھو کے

باتیں کرتی ہے پیار سے جوں جوں

بولتا ہے جواب میں آغوں

رات کو لوریاں سُنا تی ہے گود میں لے کے بیٹھ جاتی ہے

کس قدر زحمتیں اُٹھاتی ہے بچہ ہے اور ماں کی چھاتی ہے

کبھی کُنڈی بجا کے بسلایا

کبھی کندھے لگا کے نسلایا

ماں کو داتی اُچھالتی ہے اُسے دیکھتی اور بھالتی ہے اُسے

ہر طرح پر سنبھالتی ہے اُسے اللہ آمین سے پالتی ہے اُسے

دیکھ کر اُس کا چاند سا مکھڑا

بھول جاتی ہے اپنا سب دُکھڑا

جب لگایا ہے آنکھ میں کاجل پڑا بچہ کی تیوری میں بل

دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ڈالیں مل بچہ بے چین ہے تو ماں بے کل

چُپ کیا جھنجھنا بجا کے اُسے

سوئی خود پیشتر سلا کے اُسے

ماں پکائے تو کھانا پکتا ہے اور بچہ ادھر بلکتا ہے

کبھی پرچھائیں ماں کی تکتا ہے کبھی روتا کبھی ٹھنکتا ہے

کھانا پکتا ہے نام ہی کو بس

لگتے ہاتھوں لیا ہے بھون بھلس

اُس کا پتہ جہاں پکاتی ہے اُگلیوں سے اُسے چٹاتی ہے
 باتیں کرنا اُسے بتاتی ہے پاؤں چلنا اُسے سکھاتی ہے

ماں کو بچے سے جو محبت ہے

درحقیقت خدا کی رحمت ہے

اتفاقاً جو ہو گیا بیمار پھوڑا پھنسی ہے یا زکام پھار
 پھر تو ہر وقت ہے گلے کا نار ماں کو اُس سے زیادہ ہے آزار

اپنے آپے کا کچھ نہیں ہے ہوش

بیٹھی ہے بُت بنی ہوئی خاموش

وہم سے دل ہے کا پتا تھر تھر اڑ رہی ہیں ہوائیاں منہ پر
 ہے فقط فضل پر خدا کے نظر مانگتی ہے دعائیں رورور

پڑ گئی کان میں کچھ اور بھنک

لگی ہونے کیچھ میں دھک دھک

دشمنوں کا نہیں ہے جی اچھا ماں کو اک ہول ہو گئی پیدا

پھر تو دنیا جہان کی ہے دوا ٹوٹم چھلے کا منہ ذرا نہ کیا

ہوت آن ہوت کا نہیں کچھ غم

رہے بچے کی خیریت جم جم

چاؤ اور چونچلوں سے پتا ہے آخرش پاؤں پاؤں چلتا ہے

گھر سے باہر بھی جا نکلتا ہے کھیلتا کودتا۔ اچھلتا ہے

جب کہیں چوٹ پھینٹ ہے کھاتا

ماں ہی ماں کہہ کے ہے وہ چلاتا

بیچ کو سن کے دوڑی بیچاری آنسو ٹپ ٹپ ہیں آنکھ سے جاری

ہوئی بچہ پے صدقے اور واری کون کرتا ہے یوں خبر داری

جھٹ کیجے لگا لیا ماں نے

جھاڑا۔ پونچھا اٹھا لیا ماں نے

اب تو اک اور ہو گیا کھٹکا جا کے اونچی منڈیر پر لٹکا

ماں نے بہتیرا اپنا سر پٹکا گر پڑا تو نہ کھائے گا پھٹکا

پھر دبے پانوچا کے لائی اُتار

دیا آہستہ ایک طمانچہ مار

خیر سے اب تو کام کرتا ہے روز مکتب میں شام کرتا ہے

کیا ادب سے کلام کرتا ہے سب کو جھجک کر سلام کرتا ہے

ماں چٹا چٹ بلائیں لیتی ہے

پیار کرتی دعائیں دیتی ہے

(۲) مرثیہ سید اقبال احمد مرحوم

شب کو تھی تپ کے سبب مجھے آشفندی جب سحر ہوئے کو آئی تو ہوئی بے خبری

ناگماں آئی صداکان میں حشت کی بھری برقِ جاں سوز تھی وہ تار کی پیغام بری

ہائے اقبال ترے نام کے تھے ساتھ لکھے

ایسے الفاظ کہ کٹ جائے اگر ہاتھ لکھے

انکھ اے کاش نہ آتے تجھے وہ حرفِ نظر کان بہر نہ ہوا کیوں کہ نہ سنتا یہ خبر

عقل کھوئی نہ گئی کیوں کہ نہ کرتی باور دل ہی اے کاش نہ ہوتا تو نہ ہوتا مضطر

ہائے اقبال! سنا گو کہ ترے مرنے کو

جی نہیں چاہتا زہنا رقیں کرنے کو

تیرے بچوں کو نہیں حادثہ غم کی خبر گو کہ سیلابِ بلا سے گیا ان کے گزر

جب بڑے ہوں گے گڑھائے گی انھیں باور تو ہی بتلا کہ تسلی انھیں ہوگی کیونکر

اس مصیبت کی نہیں ہے انھیں پہچان ابھی

پوچھتا پھر تا ہے سب سے تجھے احسان ابھی

تیری کشتی میں کئی ایک مسافر تھے غریب چیف اپنچانہ گیا ان کو تو ساحل کے تریب

کشتی ٹوٹی ہوئی اور جوشِ پے طوفانِ مہیب ڈھونڈتے ہیں تجھے گہرا کے وہ گرشہِ نصیب

آہِ مندرھار میں چھوڑا ہے سفینہ تو نے

کئی بد بختوں کا کٹوا یا ہے سینہ تو نے

(یہ دو شعر دستیاب نہیں ہوئے)

جو ابھی حلقہ ماتم کو سمجھتے ہیں برات
 اُن کے چہرے پے جمی گریڈ تھی ہیہات
 سینہ کتا ہے کہ شعلے مجھے بھڑکائے دو آہ کتنی ہے کہ مجھ کو بھی نکل جانے دو
 آنکھیں کتی ہیں کہ آنسو ہیں برسائے دو دل کی خواہش ہے کہ چپ چاپ ہی غم کھائے دو
 صبر کتا ہے کہ لو میں تو چلا ہاتھوں سے
 منہ کو آتا ہے کیلجہ مران باتوں سے

(۳) مشیر پلپوٹا

تھی صبح شب تار کی مانند کمر سے آتی تھی نظر فرج ادھر سے نہ ادھر سے
 جو چیز کہ تھی سامنے غائب تھی نظر سے دشوار تھا اس وقت گزر راہ گزرتے
 ناگاہ قدم روس کے لشکر نے بڑھایا
 جنگاہ میں لشکر کو ہر افسر نے بڑھایا
 اس معرکہ سخت میں تھا زار بھی موجود اور لشکر روسی کا سپہدار بھی موجود
 رومانیاہ کا والی غدار بھی موجود جنرل تھے بڑے نامی و جبار بھی موجود
 رومانیاہ اور روس کے لشکر ہوئے ہم
 دو بحر تھے اک کوہ کی جنبش پے فرام
 رشیا نے کئے جمع سو الاکھ سپاہی تھی شاق زبس حملہ اول کی تباہی

۱۵ اس مشر کہ بہت سے بندھے جو اتفاق سے گم ہو گئے یہ چند فرقہ بنان لوگوں سے دستیاب ہوئے جن کو یاد رکھو۔

نقصانِ گزشتہ کی رکافات جو چاہی دکھلائی بڑی دصوم سے اب شوکتِ شاہی

باقی نہ رہی جائے بجز خیمہ و خرگاہ

صحرائے پلونہ میں ہوئی بندگرگاہ

میدان میں ہوئی تین طرف فوج مقرر جنگ اور وجرار مقرر ہوئے افسر

تھا سلسلہ توپوں کا ہر رک سمت برابر یوں وادی و کسار میں پھیلے تھے لشکر

پلٹن پہ تھی پلٹن تو رسالہ پہ رسالہ

روسی تھے پلونہ پہ کہ متاب پہ ٹالہ

اُس وقت دیا دم نہ ترک پیغام ہے مستعدِ جنگ صف لشکرِ اسلام

او روس خبردار بس آگے نہ بڑھے گام یہ توپ کا گولہ ہے تمہارے لئے انعام

عثمانِ دلاور کے وہی شیر کھڑے ہیں

پہچانتے ہو حملہ اول میں لڑے ہیں

جب زار نے عثمان پہ کی تاخت دوبارہ جو زور تھا لشکر کا وہ ڈالا میں سارا

اور اُن کے میدان میں ہوا خود بھی صاف لیکن نہ دیا قسمت وارثوں نے سہارا

ہر حملہ میں اوندھا ہی پڑا زار کا لشکر

قسمت نہ لڑی گرچہ لڑا زار کا لشکر

بڑا قی سنگین سے تھی آنکھ جب پکتی شمشیر بھی تھی صاعقہ کردار پکتی

اور گولی پر گولی متواتر تھی پکتی میدان میں قضا پھرتی تھی کشتوں کو پکتی

بندوق شرر بار سے جلتا تھا بیاباں

توپوں کے گرجنے سے دھلتا تھا بیاباں

لشکر کی چڑھائی تھی کہ دریا کی چڑھائی تھی کوہ و بیاباں پہ گھٹاسی اُمنڈائی

دھوں دھاں کے سوا کچھ بھی نہ دیتا تھا سنائی فوجوں کے سوا کچھ بھی نہ دیتا تھا دکھائی

ہتیار ہر اک سمت چمکتے تھے جہا جہم

اور حادثہ جنگ تھا تیزی پہ دام دم

(۴) متفرقات

ضعیفوں پے زور آزمایا تو کیا ستائے ہوؤں کو ستایا تو کیا

کسی دل جلے کو جلایا تو کیا فساد اور فتنہ اٹھایا تو کیا

نہ پکڑا کبھی دل کے اندر کا چور

نہ توڑا کبھی نفسِ سرکش کا زور

مشمن (۱)

مشعر کیفیت قلعہ اکبر آباد موسوم بہ آثار سلف

یارب! یہ کسی مشعلِ شتہ کا دھواں ہے یا گلشنِ برباد کی فصلِ خزاں سے
یا برہمیِ بزم کی فریاد و فغاں ہے یا قافلہٴ رفتہ کا پسِ خمیہ رواں ہے
ماںِ دورِ گزشتہ کی مہابت کا نشان ہے بانیِ عمارت کا جلالِ اس سے عیاں ہے

اڑتا تھا یہاں پر حجمِ جسم جاہلی اکبر

بجٹا تھا یہاں کو س شہنشاہی اکبر

باہر سے نظر ڈالنے اس قلعہ پر پیکِ چند برپا ہے لبِ آبِ جن صورتِ الوند
گویا کہ ہے اک سورِ ماضی و تنومند یا ہند کا رچوت ہے یا ترکِ سمرقند
کیا بدرہٴ سنگین کا پہنا ہے قزاگند رینی کا قزاگند پہ بانڈھا ہے کمر بند

مسدود ہے خندق سے روفتنہ و آشوب

اربابِ تہرہ کے لئے بروج ہیں سرکوب

تعمیرِ درِ قلعہ بھی البتہ ہے موزوں پڑ شوکت و ذی شان ہے اس کا رخِ بیرون
کی ہے شعرا نے نصفتِ طاقِ فریدوں معلوم نہیں اس سے وہ کتر تھا کہ افزوں
گو ہم سرِ کپواں ہے نہ ہم پتہ گردوں محراب کی ہیئت سے ٹپکتا ہے میضوں

پیلانِ گراں سلسلہ باہر بوجِ زرین

اس در سے گزرتے تھے بصدوق و تریس

اکبر سا کبھی مخزنِ تدبیر یہاں تھا یا طنطنہٴ دورِ جہاں گیر یہاں تھا

یا شاہِ جہاں مرجعِ توقیر یہاں تھا یا مجمعِ ذی رتبہ مشاہیر یہاں تھا

القصد کبھی عالمِ تصویر یہاں تھا دُنیا سے سوا جلوہٴ تقدیر یہاں تھا

بہتا تھا اسی کلخ میں دولت کا مند

تھے جشنِ ملوکا نہ اسی قصر کے اندر

وہ قصرِ معلیٰ کہ جہاں عام تھا دربار آئینہٴ منطصاف ہیں جس کے درو دیوار

اور سقفِ زنداندو ہے ماترین زار اور فرش ہے مرمرا کا مگر چشمہٴ انوار

اب بانگِ نقیب اُس میں نہ چاؤش کی لگا سرسنگِ کمر بستہ نہ وہ مجمعِ حضار

کہتا ہے کبھی مرکزِ اقبال تھا میں بھی

ہاں! قبلہ کہ عظمت و اجلال تھا میں بھی

جب تک کہ مشیت کو مروق تھا منطوق نافذ تھا زمانہ میں مری جاہ کا منشور

شامانِ معاصر کا معین تھا یہ دستور کرتے تھے سفیرانِ ذوی القدر کو مامور

تہامیری زیارت سے کریں چشم کو پر نور آوازہ میری شان کا پہنچا تھا بہت دور

انٹافِ جہاں میں تھا مراد بدبہ طاری

تسلیم کو بھگتے تھے یہاں بہت ہزاری

وہ چتر وہ دیہیم وہ سامان کہاں ہیں وہ شاہ وہ نوین۔ وہ خاقان کہاں ہیں

وہ بخشی و دستورہ دیوان کہاں ہیں خدام ادب اور وہ دربان کہاں ہیں
وہ دولتِ مغلیہ کے ارکان کہاں ہیں فیضی و ابوالفضل سے عیان کہاں ہیں

سنان ہے وہ شاہ نشین آج صد افسوس

ہوتے تھے جہاں خان و خوانین نہیں بوس

وہ بارگہ خاص کی پاکیزہ عمارت تاباں تھے جہاں نیر شاہی و وزارت
بڑھتی تھی جہاں نظم و سیاست کی مہارت آتی تھی جہاں فتح ممالک کی بشارت
جوں شمعِ مغرول پڑی ہے وہ اکارت سیاح کیا کرتے ہیں اب اُس کی زیارت

کہتا ہے سخنِ فہم سے یوں کتبہ دروں کا

تھا مخزنِ اسرار یہی تلج و روں کا

اورنگ سیہ رنگ جو قائم ہے لبِ یام بوسہ جسے دیتا تھا ہر اک زبدہ عظام
اشعار میں ثبت اُس پہ جہاں گیر کا ہے نام شاعر کا قلم اُس کی بقا لکھتا ہے مادام
پیر صاف نظر آتا ہے کچھ اور ہی انجام سالم نہیں چھوڑے گی بسے گردشِ ایام

فرسودگی دہرنے شق اب تو کیا ہے

آئندہ کی نسلوں کو سبقِ خوب دیا ہے

ہاں! کس لئے خاموش ہے او! تختِ جگریش کس غم میں سیہ پوش ہے؟ کیا سوگ ہے پیش
کیلی پریشہ کیوں صورتِ درویش جوگی ہے ترانچہ کہ صوفی ہے تراکیش
بولاکہ زمانے نے دیا نوش کبھی نیش صدیاں مجھے گزری ہیں یہاں تین کم پیش

صدقے کبھی مجھ پر گہر و لعل ہوئے تھے

شاہانِ معظم کے قدم میں نے چھوئے تھے

وہ رنگ محلِ بروجِ مٹمن کا وہ اندازِ صنعت میں ہے بے مثل تو رفعت میں سرفراز

یاں مطربِ نوشِ لہجہ کی تھی گونجی آوازِ گمہ ہند کی دُصرت تھی کبھی نغمہ شیراز

اب کون ہے بتلائے جو کیفیتِ آوازِ دہنار کوئی جاہ و حشم پر نہ کرے ناز

جن تاروں کے پرتو سے تھا یہ بروجِ منور

اب اُن کا مقابر میں تہِ خاک ہے بستر

اُس حمد کا باقی کوئی ساماں ہے نہ آسماںِ فوارے شکستہ ہیں تو سب حوض ہیں بے آب

وہ جامِ بلوریں ہیں نہ وہ گوہرِ نایابِ وہ چلین زرتار نہ وہ بسترِ کنواریاب

ہنگامہ جو گزرا ہے سو افسانہ تھا یا خوابِ یہ معرضِ خدام تھا وہ موقفِ تجاہ

وہ بزم نہ وہ دور نہ وہ جام نہ ساقی

ہاں طاق و رواق - اور دروہام ہیں باقی

مستور سرِ پردہ عصمت میں تھے جو گلِ سو دودہ ترک و مغل ہی سے نہ تھے گل

کچھ خیری فرغانہ تھے - کچھ لالہ کابلِ پھر مولسری ہند کی اُن میں گئی ملِ محل

تعمیر کے انداز کو دیکھو بہ تاملِ تاتاری و ہندی ہے بہم شانِ دُجمل

ستیا جہاں دیدہ کے نزدیک یہ تعمیر

اکبر کے خیالاتِ مرکب کی ہے تصویر

درشن کے جھڑکے کی پڑی تھی ہمیں بنیاد ہوتی تھی تلوادان میں کیا کیا ہوش و داد
 وہ عدل کی زنجیر ہوئی تھی ہمیں ایجاد جمع شہنشاہ میں پہنچاتی تھی فریاد
 وہ نور جہاں اور جہاں گیر کی آفتاد اس کلخ ہالیوں کو بہ تفصیل سے سب یاد

ہر چند کہ بے کاریہ تعمیر پڑی ہے

قدر اس کی مورخ کی نگاہوں میں بڑی ہے

اب دیکھئے وہ مسجد و حمام زمانہ وہ نہر۔ وہ حوض اور وہ پانی کا خزانہ
 صنعت میں ہر اک چیز ہے یکتا و یگانہ ہے طرز عمارت سے عیاں شان شہانہ
 کیا ہو گئے وہ لوگ کہاں ہے وہ زمانہ ہر سنگ کے لب پر ہے غم اندوز ترانہ

چختا نیہ گلزار کی یہ فصل خزاں ہے

ممتاز محل ہے نہ یہاں نور جہاں ہے

وہ قصر جہاں جود چھوری رہتی تھی بائی تھی دولت و ثروت نے جہاں دصوم چائی
 دیکھا اُسے جا کر تو بڑی گت نظر آئی صحنوں میں جمی گھاس تو دیواؤں کی کائی
 گویا درو دیوار یہ دیتے ہیں دہائی ممکن نہیں طوفان حوادث سے رہائی

جس گھر میں تھے نسریں و من یا گل قرالہ

اب نسل ابابیل میں ہے اُس کا قبالہ

وہ مسجد زیر پا کہ ہے اس بزم کی دہن خوبی میں یگانہ ہے ولے سادہ و پرفن
 محراب و درو بام ہیں سب نور کا مسکن موتی سے ہیں دالان تو ہے دو دو سا گن

کا نور کا تودہ ہے کہ الماس کا معدن یا فجر کا مطلع ہے۔ کہ خود روز ہے روشن

بلور کا ہے قاعدہ یا نور کا ہے اس

باطل سی ہوئی جاتی یہاں قوتِ حساس

ہاتھوں نے ہنرمند کے اک سحر کیا ہے سا پنچہ میں عمارت کو مگر ڈھال دیا ہے

یا تارِ نظر سے کہیں پتھر کو سیا ہے مر مر میں مرد و مہر کا سانور و ضیا ہے

گوشع نہ فانوس نہ بتی نہ دیا ہے ناں چشمہ خورشید سے آب اس نے پیا ہے

چلے جو یہاں سے تو نظر کستی ہے فی لہو

نظارہ کی دو مجھ کو اجازت کوئی دم اور

مسجد نے اشارہ کیا پتھر کی زبانی اس قلعہ میں ہوں شاہجہاں کی میں ثانی

کچھ شوکتِ ماضی کی کہی اُس نے کہانی کچھ حالت موجودہ بایں سحر بیانی

ان مجڑوں میں ہے شمع نہ اس حوض میں پانی فواروں کے دل میں بھی ہے اک زہنائی

تسیج نہ تہلیل نہ تکبیر و اذال ہے

بس گوشہ تہنائی ہے اور قفل گراں ہے

جگمگٹ تھا کبھی یاں وزرا و امرا کا مجمع تھا کبھی یاں صلحا و علما کا

چرچا تھا شب و روز یہاں ذکرِ خدا کا ہوتا تھا ادا خطبہ سدا حمد و ثنا کا

اک قافلہ ٹھیرا تھا یہاں عسکر و علا کا جو کچھ تھا۔ گذر جانے میں جھونکا تھا ہوا کا

ہیں اب تو نمازی میرے باقی ہی دو تین

یاد صوب سے یا چاندنی یا سیاہ کیس

وہ دور ہے باقی نہ وہ ایام و لیالی
جو واقعہ حسّی تھا سو ہے آج خیالی
ہر کو شک و ایوان ہر اک منزل عالی
عبرت ہے پڑا اور کمینوں کے خالی
آقا نہ خداوند - امالی نہ موالی
جز ذاتِ خدا کوئی نہ وارث ہے والی

یہ جملہ محلات جو سنسان پڑے ہیں

پتھر کا کلیجہ کے سیران کھڑے ہیں

جب گنڈ ہوئی دولتِ مغلیہ کی تلوار
اور لوٹ لیا جاٹ نے ایوانِ طلا کار
تب لیک جو تھا لشکر انگلش کا سپہدا
افواجِ مخالف سے ہوا برس برس پگیار
یہ بارہ و برج اور یہ ایوان یہ دیوار
کچھ ٹوٹ گئے صربے گولوں کی بہناچار

ہے گردشِ ایام کے حملوں کی کسے تبا

پھر قلعہ اکبر ہی میں تھا کیا پرِ سرخاب

آخر کو لیٹروں کی شکستہ تہوئی قوت
اوچھا ہوا سرکار کے اقبال کا رایت
لہرانے لگا پھر علمِ امن و حفاظت
آثارِ قدیمہ کی لگی ہوئے نہ مرمت
یہ بات نہ ہوتی تو پونجختی وہی نوبت
دیوارِ گری آج - توکل بیٹھ گئی چھت

محکامِ زماں کی جو نہ ہوتی نگرانی

رہ سکتی نہ محفوظ یہ مغلیہ نشانی

اربابِ خرد چشمِ بصیرت سے کریں غور
اکبر کی بنا اس سے بھی پائیدہ ہے اک اور

سردی کی جھانجس پہ نہ گرمی کا چلے جور
ہر چند گزر جائیں بہت قرن بہت دور
برسوں یونہیں پھرتے رہیں برج محل لٹور
اُس میں نہ خلل آئے کسی نوع کسی طور

انجیزیروں کی بھی مرمت سے بری ہے
وہ حصن حصین کیا ہے؛ فقط ناموری ہے

او اکبر فریجاہ! تیری عزت تمکین
محتاج مرمت ہے نہ مستلزم تزیین
کنڈہ ہیں دلوں میں تری الفت کی فریں
ہے تیری محبت کی بنا رک ڈرو میں
گو حلابے سود کرے بھی کوئی کم ہیں
زائل نہیں ہوسکتے تیرے عہد کی تختیں

پشتوں سے رعایا میں بیاثرین وراثت
قائم چلی آتی ہے تیرے نام کی عظمت

بکرم کی بسھا کو تیری صحبت نے بھلایا
اور بھوج کا دورہ تری شہرت نے بھلایا
ارجن کو تری جرأت و ہمت نے بھلایا
کسریٰ کو ترے دور عدالت نے بھلایا
اسکندر و جم کو تری شوکت نے بھلایا
پچھلوں کو غرض تیری عنایت نے بھلایا

آتے ہیں زیارت کو تو اب تک ہے یہ معمول

زائر تری تربت پر چڑھا جاتے ہیں دوپھول

ہو گنڈہ و فرسودہ ترا قلعہ تو کیا غم
شہرت تیرے نام کی سوقلوں کے محکم
بھرتا ہے ہر اک فرقہ محبت کا تری دم
لکھتے ہیں موزخ بھی تجھے اکبر اعظم
رُتبہ ہے ترا ہند کے شاہوں میں مسلم
یہ فخر ترے واسطے زہنار نہیں کم

گو خاک میں مل جائے ترے عہد کی تعمیر
ہے کتبہ عزت تراہر سینہ میں تحریر

ہاں! قوم کے نو عمر جوانو ادھر آؤ ہے دیدہ بینا تو اُسے کام میں لاؤ
آثار صناید کی عینک کو لگاؤ عبرت کی نگاہوں کو پس و پیش بھراؤ
راہ طلب شوق میں اک شمع جلاؤ گنجینہ اعزاز کو پانا ہے تو پاؤ

یہ نقش و نگارِ درو دیوار شکستہ

دیکھو تمہیں دکھلاتے ہیں آئندہ کا رستہ

اسلافِ ملوکوں پہ اگر کی تھی چڑھائی یا کلخ حکومت کی تھی بنیاد اٹھائی
یا طرح کئے کو شکِ سینین و طلائئ یا بحر میں کشتی تجارت تھی چلائی
یا کشورِ تہذیب میں کی قلعہ کشائی کس برتے یہ یہ کام تھے آخر میرے بھائی

جب بجز مصائب کو ثنا کر کے ہوئے پار

تب دہر مخالف بھی ہوا غاشمیر بردار

عزت کی ملی تھی اٹھیں جاگیر دوامی دولت کے طرفدار تھے اور دین کھامی
خصلت میں خوشامد تھی شہادت میں غلامی رسموں میں خرابی تھی نہ اطوار میں خامی
اگر فہم و فراست کی مجالس ہیں تھیں نامی تدبیر ممالک میں تھے وہ صدر گرامی

گر فتح و ظفر میں تھے سکندر سے زیادہ

تھے دانش و حکمت میں ارسطو کے بھی دادہ

کیا کیا طلب علم میں کرتے تھے جگرخوں
 لیا تھا اگر علم تو وہ لوگ تھے مجنوں
 کچھ بو علی سینا ہی نہ تھا رشک فلاطوں
 بہتوں نے کدایا یوں میں تحقیق کا گلگون
 مدت کی کہانی ہے اگر سیرت ماموں
 تاریخ میں دیکھو سب مرگ ہمایوں

اکبر بھی تھا آخر اسی تہ جرعہ کا مخمور

تھا فیضی علامہ اسی کام پر مامور

یہ کہنہ عمارات کہ ہیں وقف تباہی
 اسلاف کے اوصاف پہ بتی ہیں گوہی
 صرف اہل نسب ہی پہ نہ تھے پتو مہاہی
 مکتب میں تھے استاد ریاضی و اہی
 میدان مہاسی میں تھے اک مرد سپاہی
 زیبا تھا انھیں چتر جہاں بانی و شاہی

کنیا لے تھے محنت نہ آلام سے تھکتے

کوشش کی گھٹا میں تھے وہ بجلی سے کھکتے

وہ عیش کے ملوک تھے نے بندہ راجت
 گلگشت چمن نہ اڑتھی گویا انھیں عزت

برداشت جفا کرتے تھے سہتے تھے صعوبت
 اوروں کے بھروسے پہ نہ کرتے تھوہیشت

دینا کے کسی کام میں بیٹی نہ تھی ہمت
 بے غیرتی زہار نہ تھی اُن کی جہت

ہمت میں تھے شاہین تو جزا میں تھے شہباز

عزت کی بلندی پہ کیا کرتے تھے پرواز

وہ صولت و سطوت میں تھے جوں شہزیتا
 عزت کے لئے جان کیا کرتے تھے قرباں

تھا انجمن عیش سخنو شتر انھیں میدان
 محنت کے تھے بودے نہ مشقت کے گریزاں

دشوار تھی بے حرمتی اور تنگ مگر ناں آسان تھی تیرہ کی انی۔ تیر کا پیکان

خیرات کے ٹکڑے پہ نہ گرتے تھے وہ حاشا

تھا نعل بہا ان کو یہ دولت کا تاشا

وہ کبہ مقصود تھے یا قبلہ حاجات کس منہ سے بزرگوں پہ کریں فخر و مباہات

سراپنے گریباں میں ذرا ڈالے ہیہات اوصافِ اضافی سے نہیں کچھ شرفِ ات

تلوار میں جب کوئی اصالت کی نہ ہو بات گاہک تو نہ پوچھیکا۔ یہ کس کان کی آدھات

بندوق دم صید گر اچھی نہ چسلی ہو

مرد وہ ہے گو لندن و پیرس میں ڈھلی ہو

دل اپنی ستائش سے نہ بہلائیے حضرت اس راہ میں دھوکا نہ کہیں کھائیے حضرت

شیخی کو بہت کام نہ فرمائیے حضرت شعلہ کو تعلق کے نہ بھڑکائیے حضرت

آبا کی بزرگی پہ نہ اترائیے حضرت یہ گو ہے یہ میدان۔ ادھر آئیے حضرت

اب بھی تو وہی خیر سے نسل شرفا ہے

آخر سب اس نیک سرا انجام کا کیا ہے

کیوں قوم کی حالت میں تنزل کا پڑھنگ کیوں انجمنِ عیش پرستی کا ہمارنگ

کیوں تیغ شرافت کو دنائت کا لگا رنگ مغلوبِ سفاہت ہو کیوں دانش و فرہنگ

روباہ بنے کس لئے شیرانِ صفِ جنگ کیوں با رگی عزم ہو ادونِ خرننگ

کیوں ٹوٹ گئے باز عمل کے پرو بازو

کیوں ذرودہ عزت پہ لگا بولنے اُوٹو

جڑ پہلے زمانہ میں جمی جیسے شجر کی لذت ہمیں چکھنی ہے ضرور اُس کے ثمر کی

بے شک ہے یہ پادشہ اُسی شور کے شر کی ہاں مستحق اولاد ہے میراث پدر کی

تشنیش کرو دستوا اخبار و سیر کی فرست مرتب کرو ہر عیب و سنہر کی

دو ڈیڑھ صدی پہلے سے جو اپنا ڈپھر تھا

انصاف دیکھو اُسے کیا پوچھ و لچر تھا

جو راہ نمائی کو چلے آپ تھے گمراہ حالات سے واقف نہ مقامات کے آگاہ

شیروں کی جگہ جمع ہوا گلہ روباہ ہر کرکابِ شب تاب بنا مدعی ماہ

ہر شخص کو کھتی خود غرضی سے طلب جاہ ویسے ہی امیر الامرا جیسے شہنشاہ

رسم حسد و بغض و عداوت ہوئی تازہ

آخر کو اٹھا دولت و عزت کا جوازہ

وہ عورت کے غزنیس کے دلیرانِ ظفر مند وہ شاہ سوارانِ بخارا و سمرقند

جو ہند کے خطے میں ہوئے خاک کے پیوند جی اٹھتے دوبارہ اگر ان میں سے تھے چند

ناں و ملہ اول میں تو ہوتے ہی وہ خرسند پھولے نہ سماتے کہ ہمارے ہیں یہ فرزند

پر دیکھتے جب ان کے بُرے فعل سے قول

جا بیٹھتے قبروں ہی میں ٹپھتے ہوئے لاجل

کیا حال تھا حضراتِ ملوک اور امرا کا انبوه تھا یہودہ شاغل کی بلا کا

یا بولتا طوطی تھا کسی خواجہ سرا کا یا فوج کینڑوں کی تھی اک قہر خدا کا
تھا غول گوئیوں کا۔ تو جھکٹ شعر اکا یا شور خوشامد کا تھا یا مدح و ثنا کا

سفنے تھے مشیر اور صاحب تھے چھچھورے

وہ عقل کے دشمن تو حضور ان سے بھی کورے

کا سد ہوا بازار ہر اک طرز عمل کا عالم نظر آتا ہے بتر آج سے کل کا
مفلس ہیں تو پیشیہ ہے زیب اور دخل کا اندیشہ نہیں کچھ انھیں ایساں کے دخل کا
مڑتے گیا ڈھانچ بگڑا اہل دول کا چکھا ہے مزہ خوب ہی اسراف کے پھل کا

اب کوئی اگر دولت قومی کی کرے جانچ

ٹٹ پونجیے البتہ نکل آئیں گے سس پانچ

اب نام کو ہم میں جو گروہ شرفا ہے سو حالتِ افلاس میں جینے سے خفا ہے
یا شامتِ اعمال سے پامال جفا ہے کچھ محسنِ معیشت نہ کہیں صدق و صفایا ہے
کچھ دولتِ دنیا ہے توبے مہر و وفا ہے کچھ دین کا چرچا ہے تو وہ رو بہ قفا ہے

چھائے گی تنزل کی ابھی ہم پہ گھٹا اور

ہم اور ہوا میں ہیں۔ زمانہ کی ہوا اور

جو لوگ یہ سمجھے کہ میں صرف اپنے لئے ہم اغراض و مقاصد میں فقط اپنے مقدم
یاروں کی انھیں فکر نہ غیروں کا انھیں غم ہمدردِ عشیرت میں نہ ہمسایوں کے ہم
وہ فہم و فراست میں بہا ہم سے بھی ہیں کم یا سنگ ہیں یا خشت ہیں جا میں چہ بنیم

ان مردہ دلوں سے تو کرو قطع نظر بس

لے ڈوبیں گے تم کو بھی چلے ان کا گریں

جو قوم کے اوصاف تھے سو ان میں سے اکثر

غنجواری و احسان و مروت کا لٹا گھر

انصاف کا اور دین و دیانت کا کاسر

نیکوں سے بچے بد تو بدوں سے بچے بدتر

کاشانہ دولت کی جگہ رہ گئے چھپتر

جو کام تھے یاروں کے سو گردن زدنی تھے

خود اپنے لئے مستعد بیخ کنی تھے

جرات تھی سو آپس کی عداوت میں ہوئی ضرر

قوت تھی سو رشک و رقابت میں ہوئی ضرر

شوکت تھی سو خود بینی و نخوت میں ہوئی ضرر

فرصت تھی سو بیکاری و غفلت میں ہوئی ضرر

عزت تھی سو افلاس و فلاکت میں ہوئی ضرر

دولت تھی سو عیاشی و عشرت میں ہوئی ضرر

اُس وقت ہمیں عاقبت الامر ہوا ہوش

جب رہ گئے ہم لوگ بیک بینی و دو گوش

مدت سے زمانہ میں ترقی کا پھٹکا صور

عالم میں بجا اور ہی تحقیق کا طنبور

آفاق میں پھیلائی ایجاد کا منشور

ہم دے کے ڈھکی کلبہ اخراں میں بدستور

خوشید برآمد ہوا بھاگی شبِ دپجور

ہم دے کے ڈھکی کلبہ اخراں میں بدستور

سوتے رہے غفلت میں ٹپکے بے خود و مخمور

نا وقت کھلی آنکھ تو حیراں ہیں اب ہم

ہم کون ہیں کیا پخیر میں اسے ولے عجب ہم

ہم چاہتے ہیں عیش کھی اور ناموری بھی
 اعزاز بھی مطلوب ہے یہودہ سری بھی
 دولت بھی ہمیں چاہئے اور بے ہنری بھی
 آوارگی منظور ہے اور راہ سری بھی
 مقصود رفو بھی ہے مگر جامہ دری بھی
 گر پستی ہمت ہے تو عالی نظری بھی

یہ بات تو ہوگی نہ ہوئی ہے کبھی آگے

پھرتے ہیں محالات کے پیچھے پونہیں بھاگے

خیر اب کوئی تدبیر بھی ہے یا کہ نہیں ہے
 کفارہ تقصیر بھی ہے یا کہ نہیں ہے
 کچھ چارہ تا خیر بھی ہے یا کہ نہیں ہے
 اس حال کو تغیر بھی ہے یا کہ نہیں ہے
 فریاد میں تاثیر بھی ہے یا کہ نہیں ہے
 اس خواب کی تعبیر بھی ہے یا کہ نہیں ہے

کچھ بھی نہیں دشوار اگر ٹھکان لوجی میں

گھنٹوں میں ہو وہ کام جو ہوتا ہوسدی میں

بے کوشش و بے جہد مگر کس کو ملا ہے
 بے غوطہ زنی گنج گھر کس کو ملا ہے
 بے خون پئے لقمہ تر کس کو ملا ہے
 بے جو رکشی تاج ظفر کس کو ملا ہے
 بے خاک کے چھائے ہوئے زکس کو ملا ہے
 بے کاوش جاں علم و ہنر کس کو ملا ہے

جو رتبہ والا کے سزاوار ہوئے ہیں

وہ پہلے مصیبت کے طلبگار ہوئے ہیں

کوشش ہی نے اجرام سماوی کو ہے تولا
 کوشش ہی نے طبقات زمیں کو ہے ٹولا
 کوشش ہی نے رستہ دنیا کو ہے کھولا
 کوشش ہی نے گوہر ہے تیر بجر سے رولا

کوشش ہی کا طوطی ہے سدا دہرین لولا کوشش ہے غرض طرفہ طلسمات کا گولا

قدرت نے فتوحات کی رکھی ہے یہی راہ

سعی اپنی طرف سے ہو تو اتام من اسد

میں آج کل اسکول کے کمرے صفِ بجا سرمایہ علم و ہنر و فضل ہے یغنا

ہر قوم کا پر مالِ غنیمت سے ہے کیسا لیکن تمہیں کچھ سود و نیاں کی نہیں پروا

کیوں قوم کے اعزاز کی لٹیا کو ڈبویا کیوں کسبِ کمالات میں تم ہو گئے پس پا

اوروں سے تو بودے نہ تھے مانا کہ تم ایسے

میدان سے کیوں بھاگ گئے نوکِ دم ایسے

ہر چند کہ دعویٰ تھا تمہیں سیف و قلم کا تھا فخر تمہیں نسلِ عرب اور عجم کا

لیکن نہ رہا طرز وہ عادات و شیم کا سیکھا نہ و تیرہ کوئی اربابِ بہم کا

ناچار ہر اک قوم نے تم کو لیا دھمکا بے سعی کسی کا بھی ستارہ نہیں چمکا

تم راہِ طلب میں ہو اگر اب بھی شتاباں

ہو کو کبِ عزتِ افقِ دہر پہ تاباں

اب تک بھی سکتا ہے وہی بڑی میں تھامی اب تک بھی وہی غول ہے شراین میں جاری

افغانی و ترکی و حجازی و تزاری ایرانی و تورانی و بلخی و بخاری

لے دو ستوا بہت ہی مگر تم نے تو تزاری اس واسطے بس لکری شیخی ہوئی ساری

مذہبِ علماد فترِ قومی میں ہے خالی

فارابی و طوسی میں ندرازی و غزالی

تلواروں کا سایہ تھا جنہیں سایہ طوبی
جولان گہمت تھی جنہیں وسعت دنیا
تھارگ رواں جن کے لئے بستر دیا
اور خیمہ اطلس تھا یہی قبۃ منظر
ہے تم کو اگر ان کے خلف ہونے کا دعو
دکھلاؤ حریفوں کے مقابل ہنراپنا

ترتیب سے جم جاؤ قبرینہ بقرینہ

میدانِ ترقی میں لڑو سینہ پر سینہ

یہ جنگ نہیں توپ کی یا تیغ و تبر کی
اس جنگ میں کچھ جان کی جو کھوں سے نذر کی
یہ جنگ ہے اخلاق کی اور علم و ہنر کی
یہ جنگ ہے تحصیلِ عمل اور نظر کی
اس جنگ میں آسودگی ہے نفع بشر کی
آزادی ہے ملکوں کی تو آبادی گھر کی

یہ جنگ نہیں وضعِ مروت کے منافی

اس جنگ سے مافات کی ممکن ہے تلافی

ہے جنگ سے مقصود بلندیِ ارادہ
وہ ہم سے زیادہ ہوں تو ہم ان سے زیادہ
رستہ ہو غضب کا نہ کینہ کا ہو جاوہ
نقشِ حسد و بعض سے افعال ہوں سادہ
دل صاف رہے او طبیعت بھی کشادہ
اس طور سے حاصل کرو عزت کا دوا

گر جو ہر بہت ہے تو سبقت میں کرو کہ

نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد

باقی ہے اگر جوشِ حمیت کا حرارہ
تو معرکہ علم میں ہو جاؤ صفت آرا

جاں ڈال دو ناموس کے قالب میں دو بار
تہیجے نہ ہٹاؤ قدم عزم خدادا
ذلت نہیں ہوتی کبھی مردوں کو گوارا
چمکو فلک جاہ پر تم بن کے ستارا

آبانے کیا فتح جو بنگال و دکن کو

شخیہ کرو تم عمل و علم کو فن کو

ادنیٰ سا بھی ہر کام ہے اب علم کا محکوم
بے علم ہے جو قوم سو حال اس کا ہے معلوم
دولت کے ہے بیگانہ تو عزت کے ہے محروم
اقوال کمینہ ہیں تو افعال ہیں مذموم
ارباب بہنری کرہ ارض پہ دھوم
سب حلقہ بگوش ان کے ہیں سب کے ہیں مخدوم

دنیا میں اسی قوم کا گلزار ہے پھولا

جو رکھتی ہے دانش میں مہر میں بیڑولا

تم جانتے ہو خوب کہ انسان ہے فانی
فانی ہے بلاشبہ مگر اُس کی نشانی
کیا اُس کی نشانی ہے سنو میری زبانی
امثال میں مذکور ہے پھلوں کی کہانی
خوش بخت تھے وہ کر گئے جو فیض رسانی
بد بخت تھے مغلوب صفات حیوانی

گر تم بھی یوں اٹھ گئے حیوان سے کہ

آئندہ کی نسلیں تمہیں کیا روئیں گی کہہ کر

پھل خدمت قومی ہے اگر نخل ہیں اقبال
تن خدمت قومی ہے اگر جام ہیں افعال
جان خدمت قومی ہے اگر جسم ہیں اعمال
طحوظ رکھو خدمت قومی کو بہر حال
پُر نفع یہی شغل ہے من جملہ اشغال
جو زندہ جاوید ہیں ان کی یہی حال

پُرالفیتِ قومی سے ہے جن کا رگ و لیشہ

مرنے کو تو مرتے ہیں۔ پر جیتے ہیں ہمیشہ

قوت سے اگر دل میں دماغوں میں ہے طاقت

پہنچاؤ ہم حسنِ بیاں اور طلاق

اصلاحِ معائب میں کرو صرف لیاقت

دکھلاؤ مریضوں کے ملاو میں خدمت

لکھو نہ غریبوں پر رواطینِ حماقت

قومی ضعفا کی نہ کرو ترکِ رفاقت

کیا دولتِ ہستی ہے پئے نفسِ پرستی

آباد کرو قوم کی اُڑی ہوئی بستی

ہے قوم اگر نخل تو تم اس کے ثمر ہو

ہے قوم اگر باغ تو تم اس کے شجر ہو

ہے قوم اگر چرخ تو تم شمس و قمر ہو

ہے قوم اگر آنکھ تو تم نورِ بصر ہو

نظارگی ہے قوم۔ تو تم بد نظر ہو

ہے قوم اگر کان تو تم لعل و گہر ہو

موسیٰ بنو اور قوم کو ذلت سے بچاؤ

گو سالہ عفت کی پرستش کو چھڑاؤ

اوساحتِ ہستی کے نئے دوڑنے والو

اوباغِ خزاں دیدہ کے نوخیز نہالو

کچھ دُور نہیں۔ منزلِ مقصود کو جالو

مضبوط کرو دل کو طبیعت کو سنبھالو

میدانِ ترقی کی زمیں سر پہ اٹھالو

ہاں! بد مقابل بنو ہتھیار نہ ڈالو

زہار گوارا نہ کرو ننگِ ہزیمت

موقع ہے ابھی گرم کرو خشِ ہزیمت

غیرت ہو تو گر کر بھی سنبھلنا نہیں مشکل
جرات ہو تو زغہ سے نکلنا نہیں مشکل
ہو صبر تو آفات کا ٹلنا نہیں مشکل
ہو آج تو پتھر کا پگھلنا نہیں مشکل
ہمت ہو تو حالت کا بدلنا نہیں مشکل
انجن ہو تو گاڑی کا بھی چلنا نہیں مشکل

گرمی سے کرو پہلے بخارات مہیا
پیدا حرکت ہو تو لگے گھومنے مہیا

ہمت ہی حرارت ہے وہی ہے حرکت بھی
ہمت ہی سے ہر قوم نے پائی ہے ترقی
گر چیونٹی تیمور کی ہمت نہ بندھاتی
ہتھیار بھی بے کار تھے اور فوج نکلی
ہمت ہے سر انجام مہمات کی گنجی
ہمت ہی حقیقت میں ہے توفیق الہی

ہمت ہی بنا دیتی ہے مفلس کو تونگر
ہمت کے سفینہ کا اٹھا دیجئے لنگر

ہمت ہے اگر تم میں تو میدان لیا مار
ڈٹ جاؤ مگر باندھ کے ہتھیار اجڑا مار
اور وہی کے گنڈے پہ نہ رہنا کبھی نہنا
ہونے نہ دو اعزاز کے جھنڈے کو گونسا
لونا تھ میں اب تم بھی کوئل میں کی تلوار
اس معرکہ سخت میں مردانہ کرو وار

ہاں قوتِ بازو سے بلا شرکتِ غیرے
آگے کو بڑھو کھول دو نصرت کے پھریرے

قسمت کی برائی ہے نہ تقدیر کا ہے پھر
خود اپنے ہی کر قوت سے برپا ہے یہ اندھیر
تحصیل فضائل میں جو انوائے کرودیر
فرصت کو اگر اور مگر میں نہ کرو تیر

بزور نہ بنو حق نے بنایا ہے تمہیں شیر ، کسار بھی ہو تو اسے کر دو زبر وزیر

یلعار کرو علم کے میدان میں عزیزو

آخر تو ہو تم قوم مسلمان میں عزیزو

جس بستی میں دیکھو کہ نحوست ہے بستی غالب ہے کہ ہوگی وہ اسی قوم کی بستی

گرتی چلی جاتی ہے ابھی جانب پستی چلتی ہے فضولی کی سدا تیغ دو دستی

لے دے کیہی جنس سے اس دوویںستی فاقہ پر ہے فاقہ مگر اب تک وہیستی

مل بیٹھ کے اندیشہ انجام نہ کرنا

روٹی ملے جس کام سے وہ کام نہ کرنا

خیل علما کی بھی حمیت ہوئی زائل تبدیل رذائل سے ہوئے جملہ فضائل

مرتے ہیں مشیخت پے تفاعر پے ہیں مائل چھپتے ہیں فریقین سے چر زہر مسائل

لاکھوں ہیں بڑے خنجر تکفیر کے گھائل باعث ہیں جدل کے یہی فقہیہ مسائل

برپا ہے شب و روز یہاں چمقلش ایسی

عالم ہے لقب اور بہم کش کش ایسی

— . . . —

—

انشان

میں بھی کیا خوب ہوں مجھ پر نہ کھلا راز اپنا نہ تو انجام ہے معلوم نہ آغاز اپنا
 شاید اس بزم میں ہے مرتبہ ممتاز اپنا لیکن اوروں سے نرالا ہے کچھ انداز اپنا

ہوں تو بے قدر پہ مجموعہ کل عالم ہوں
 میں ہی سجد ملائک ہوں اگر آدم ہوں

ابرو باد و مہ و خورشید میرے کام میں ہیں مرغ و ماہی و دود و دام میرے ام میں ہیں
 آب آتش میری خدمت کے سر انجام میں ہیں کل جادوی و نباتی مرے خدام میں ہیں

مجھ میں قدرت نے عجب فضل و شرف رکھا ہے
 میں نے فردوس کے میوؤں کا مزہ چکھا ہے



ترجیع بند

(۱) نالہ چند در فراق شیخ

اے! شاہِ یگانہ زمانہ اے! بحرِ محیطِ بے کرانہ
 کیوں اہلِ نیاز کے سروں سے خالی ہے یہ سنگِ آستانہ
 وہ محفلِ اُنس اب کدھر ہے یارب ہے! کہاں وہ کارخانہ
 وہ بزم نہ وہ جمالِ ساتی وہ جام نہ وہ مئےِ معانہ
 وہ طور ہے اب نہ وہ تجلی وہ وقت ہے اب نہ وہ زمانہ
 کیا ہو گیا؟ جلوہٴ سحر گاہ کیا ہو گئی؟ صحبتِ شبانہ
 ہے دل میں ابھی وہی تصوّر ہے یاد ہنسوز وہ فسانہ
 وہ فصل نہ وہ بہار باقی وہ گل نہ چمن نہ اشیانہ
 رہتی ہے اُچاٹ سی طبیعت ملتا ہی نہیں کہیں ٹھکانہ
 جانِ حسرتِ دید میں طپاں ہے دل تیرِ فراق کا نشانہ
 ساحل پہ پڑے ہیں سب مسافر کشتی ہوئی کس طرف روانہ

ہے جوش میں ہجر کا سمندر

یا غوثِ علی شہِ قلندر

اے! کعبہٴ خاص و قبلہٴ عام تھی تیری گلی مقامِ احرام

تھا مامن جاں حریمِ اقدس آغاز کا غم نہ خوفِ انجام
 سب محو تھے ظلِ عاطفت میں خطرات و خیال و فکر و او نام
 اُس بحرِ محیط میں تھے سب گم نیکی و بدی و کفر و اسلام
 پُر شور تھے بے لب و دہاں ہم سرست بدونِ باد و جام
 مشغولِ جمالِ بے سرو چشم مصروفِ سفرِ بغیرِ اقدام
 دریا ہوا اک عطا سے قطرہ پختہ ہوا اک نگاہ سے خام
 کیخسرو و کیقباد سے بھی تھے بختِ بند تیرے خدام
 دیکھا اب حبابِ چار ناچار دیکھی فرقت بھی کام ناکام
 کہہ دیجو اے نسیم! یہ بات لے جائیو اے صبا! یہ پیغام

ہے جوش میں ہجر کا سمندر

یا غوثِ علی شہِ قلندر

ہوتی ہے جہاں میں کم کوئی ذات بے علت و نسبت و اضافات
 خورشید تھا وہ وجودِ باجود دریا تھی وہ ذاتِ فیضِ آیات
 دیرینہ ننگِ بحرِ توحید مروانہ قلندرِ خرابات
 سلطانِ جہاں ترک و تجرید شہبازِ معارفِ مَنایات
 نے میلِ مراتب و مدارج لئے زنجبتِ کشف نے کرامات
 ملتی تھی مرادِ طالبوں کو اُس در سے بدونِ عرضِ حاجات

اُس بات کی ہو گئی گرہ وا
خلوت میں ترا جمال منقح
دل میں بھی نہ تھی ہنوز جو بات
جلوت میں ترا کلام مشکوٰۃ
کیا تھی؟ وہ نظر سحابِ رحمت
وہ زمانہ افسوس
وہ لطف نہ وہ بہار سہیات
اک آن کی آن تھی حضوری
اک بات کی بات تھی ملاقات

ہے جوش میں ہجر کا سمندر

یا غوثِ علی شہِ قلندر

اے! بحرِ حقیقتِ خدائی
باقی نہیں کوئی مشعلہ اب
اے! جلوہٴ شانِ کبریا ئی
رندی ہی رہی نہ پارسائی
جی میں نہیں حسرتِ گدائی
باقی ہے نہ قید نے رہائی
نے برگ و لوہا نہ بے لوائی
نے ذکرِ حقیقہ سنائی
نے تنگ دلی نہ دلکشائی
کی آپ نے خوب ہی صفائی
ہر چند کہ طاقت آزمائی
دشوار ہوئی تری جدائی
بندہ نہ خدا نہ دین و دنیا
لیکن نہ مٹا عباہِ فرقت
مشکل ہوا کاٹنا دنوں کا

دل سینہ میں ہے کہ برقی بیتاب اندوہ کی رک گھٹا ہے چھانی

ہے جوش میں ہجر کا سمندر

یا غوث علی شہ قلندر

ایام وصال بھی تھے کیا دن راتیں تھیں مراد مدعا دن
 محسوس نہ تھا کہاں کٹی رات معلوم نہ تھا کہ صحر گیا دن
 کیا جلد گزر گئے وہ دن حیف ہوتا کوئی اور بھی سوا دن
 تھی رات بہت دنوں سے اچھی راتوں سے زیادہ خوب تھا دن
 تھی بزم وصال دن ہو یا رات تھی دیدِ جمال شب ہو یا دن
 دُنیا میں بزرگ تھی وہی رات تھا عمر میں بس وہی بڑا دن
 ہر صبح عجیب شام نادر ہر رات جدید اور نیا دن
 تھی دن کو خوشی کہ اب ہوئی رات تھی شب کو مسرت اب ہو دن
 عالم کو زبس کہ ہے تغیر رہتے نہیں ایک سے سدا دن
 تھا خواب و خیال وہ زمانہ بجلی ہوئی رات اور ہو دن
 دن رات یہی نغاں ہے لب پر وہ رات یہی نہ وہ ربا دن

ہے جوش میں ہجر کا سمندر

یا غوث علی شہ قلندر

اے قبلہ عالم معانی سلطانِ جہانِ بے نشانی

شاہنشاہ ملک جاودانی	اے ابجر معارف و حقائق
دانائے خواطر نہانی	آگاہ مقاصدِ برونئی
بے فرق مکانی و زمانی	یک رنگ و یگانہ و یک آئیں
عادت میں کمال مہربانی	خصلت میں عجیب دلنوازی
تھی آپ پہ ختم نکتہ دانی	تھی آپ پہ ختم بذلہ سنجی
لفظوں میں ادائے خوش بمانی	باتوں میں طریق دلکشائی
اور غیب سے تھی وہ دُرفشائی	تھے گوہر قدس وہ اشارات
جو بات سنی تری زبانی	القصدہ وہ احسن لقصص تھی
بر باد ہو یہ سگرا فانی	آیا نہ پسندیاں کارہنا
جو کچھ دیکھا سو تھی کہانی	جو کچھ گزرا سو تھا فسانہ

ہے جوش میں بجر کا سمندر

یا غوثِ علی شہِ قلندر

لب تشنہ ہیں ماہیان بے آب	اے بحرِ کرم محیطِ نایاب
طوفانِ زدہ ہیں تمام صحاب	اے نوح سفینہٴ مسرت
اب کیا ہے غمِ عالم کا گرداب	پانی پت تھا بقا کا چشمہ
حوضِ حجرہ ستون و محراب	روتے ہیں یہاں کے سب مہربام
بنگالہ سے لے کے تا بہ پنجاب	آتے تھے مدام تیرے مہمان

جلوہ تھایہ تیرے دم قدم کا
 وحشت زدہ پھرتا ہے غلامی
 ملفوظ مبارک و گرامی
 ساحل ہے کہیں نہ تھل نہ بیڑا
 افسوس ہوا نظر سے پنہاں
 اے ملک بقا کے جاتے والو
 اب کیا ہے کہ مجتمع ہوں احباب
 اور غم زدہ مضطرب ہے نوآب
 ہے زندگی حسن کا اسباب
 سب بحر فراق میں ہیں عرقاب
 وہ شمس منورِ جہاں تاب
 کہہ دیجو بعد عرض آداب

ہے جوش میں ہجر کا سمندر

یا غوثِ علی شہِ قلندر

(۲) ہفت دروہ محمود

خلیل حق کی تھی جو اشارت
 ظہور احمد سے تھی عبارت
 کہ اب گری کفر کی عمارت
 مٹے گی روما کی اب شرارت
 خزانہ ہر قل کا ہوگا غارت
 ہے باغ اسلام کو نصارت
 اور ابن مریم کی جو بشارت
 سمجھ گئے صاحبِ بصارت
 گھٹے گی فارس کی اب حرارت
 لٹے گی اب مصر کی امارت
 بڑھے گا تقویٰ بھی اور طہارت
 نیا ہے سلطاں نئی وزارت
 اور اُس کے سب آل باصفار
 صلوة اُس پر سلام اُس پر

اور اُس کے اصحاب باوقار پر
 وہ اوج پیغمبری کا تارا
 کرے گا جو ماہ کو دوپارا
 وہ اُمتوں کے لئے سہارا
 کہے جو صورت کوئی نظارا
 ہے زلزلہ میں جہان سارا
 نہیں اطاعت کے اُس کی چارا
 صلوة اُس پر سلام اُس پر
 اور اُس کے اصحاب باوقار پر
 وہ جلوہ نور کبریائی
 وہ عین تقویٰ و پارسائی
 وہ قریب حق میں جسے رسائی
 ہے دھوم توحید کی مچائی
 عرب کو انسانیت سکھائی
 ہر ایک بُرائی کی جڑ مٹائی
 صلوة اُس پر سلام اُس پر
 اور اُس کے اصحاب باوقار پر
 اور اُس کے اصحاب اتقیاء پر
 ہوا ہے مکہ میں جلوہ آرا
 ہے جس کا تو سین تک گزارا
 وہ جس نے اخلاق کو سنوارا
 مہابت اُس پر ہو آشکارا
 محلِ کسریٰ و ملک دارا
 یہود ہو یا کوئی نصاریٰ
 اور اُس کے سب آل باصفار
 اور اُس کے اصحاب اتقیاء پر
 وہ صاحبِ دعوتِ خدائی
 بنا ربت خانہ اُس نے ڈھائی
 بھجتائی و مصطفائی
 کہ خود بتوں نے بھی دی دہائی
 دلوں سے کینہ کی کی صفائی
 مری ہوئی قوم پھر جلائی
 اور اُس کے سب آل باصفار
 اور اُس کے اصحاب اتقیاء پر

وہ علم و حکمت سکھانے والا^۴ پیامِ حق کا وہ لانے والا
 کلامِ حق کا سنانے والا عذابِ حق سے ڈرانے والا
 وہ رسمِ بد کا چھڑانے والا وہ جھل و بدعت مٹانے والا
 وہ بت پرستی اٹھانے والا وہ سیدھا راستہ چلانے والا
 خدا پرستی بتانے والا وہ عاصیوں کا بچانے والا
 مقامِ محمود پانے والا وہ بیتِ اقصیٰ کا جانے والا
 صلوة اُس پر سلام اُس پر اور اُس کے سب آل با صفا پر
 اور اُس کے اصحاب با وفا پر اور اُس کے احبابِ اقصیا پر
 وہ جلوہ ہے نورِ کبریا کا^۵ وہ صدر ہے بزمِ اصطفیٰ کا
 امام ہے خیلِ انبیا کا ہے پیشوا مسلکِ ہدیٰ کا
 معینِ انصاف اور وفا کا مٹانے والا ہے وہ جفا کا
 طیب ہے شرک اور ریا کا کہ خاص بندہ ہے وہ خدا کا
 ہے آئینہ صدق اور صفا کا وہ شاہِ تسلیم اور رضا کا
 وہ قبلہ ہر شاہ کا گدا کا وہ کعبہ ابرار و اصفیا کا
 صلوة اُس پر سلام اُس پر اور اُس کی سب آل با صفا پر
 اور اُس کے اصحاب با وفا پر اور اُس کے احبابِ اقصیا پر
 نبی اُمّی لقب ہے اُس کا^۶ نسب میں خورشیدِ ماشی تھا

نہ کچھ کسی سے پڑھا نہ لکھا
 نہ اُس کے سر پر پد کا سایا
 کہ اُس پے روح الامین آیا
 وہ بحر اعظم تھا علم حق کا
 اُسے تھا مکشوف رمز اولیٰ
 صلوة اُس پر سلام اُس پر
 اور اُس کے اصحاب با وفا پر
 وہ فخر آدم امان عالم
 محیط اعظم زغیب ملہم
 عرب کے اندر وہی معظم
 لگا کے آدم سے تلبایں دم
 وجود اُس کا مگر مقدم
 کیا مدینہ کو سبز و خرم
 صلوة اُس پر سلام اُس پر
 اور اُس کے اصحاب با وفا پر
 وہ اُن پڑھوں میں ہوا تھا پیدا
 نہ اُس کو اُستاد نے پڑھایا
 کلام ربّی اُسے سکھایا
 نہ تھا وہ محتاج علم اشیا
 اُسے تھا معلوم سترِ آخری
 اور اُس کی سب آل با صفا پر
 اور اُس کے احباب اتقیا پر
 امین محکم رسول اکرم
 بوجی محرم شہ مسلم
 عجم کے اندر وہی بکریم
 ظہور اُس کا ہے بعد آدم
 وہ نور حق تھا ولے مجتم
 درود محمود بھیج پیہم
 اور اُس کی سب آل با صفا پر
 اور اُس کے احباب اتقیا پر

قصائد

(۱) قصیدہ

قید سخت اور خانہ بے در ننگ ترہیں حدودِ خطرِ خاک
 سچی بے کار فکر لا حاصل ناکسکیبا دل و پریشاں دل
 ایسا حیراں کہ میں سمجھتا ہوں کبھی مثلِ سحاب ہوں گریاں
 کیوں نہ شکوہ کروں نصیبوں کا میں ہوں شمشیر لیک ننگ آلود
 اُس پھل جائیں کچھ مرے اوصاف آرزوئے زماں ہوں سر تا پا
 اپنے جوہر دکھائے کس کو یہی الفاظ تھے زباں پر پرت
 نہیں شایاں شکایتِ تقدیر جتنے گزرے ہیں آگے عالی فہم

ننگوں کیوں کر جہان سے باہر
 نہیں دنیا میں کوئی شکلِ گزر
 نہ دوا میں نہ کچھ دعائیں اثر
 پاؤں کا ہوش ہے نہ سر کی خبر
 آئنے کو بھی سدا اسکندر
 گاہ مانند برق ہوں مضطر
 کیوں نہ افسوس آئے قسمت پر
 کوئی مل جائے قدر دان اگر
 اُس پہ ظاہر ہوں کچھ سرے جوہر
 حسرتِ روزگار ہوں یکسر
 نہ رہی آہ قدر تیغ و سپر
 کہ کہا مجھ سے عقل نے اگر
 نامناسب ہے شکوہ اختر
 رکھتے تھے روئے خاک پر بستر

جتنے گزرے ہیں صبرِ اوصاف
 وہی ہو گا جو ہویا پہلے
 جس کو چاہے بنائے وہ گم نام
 رنج و محنت ہے گوزمانہ میں
 بخت ناکام کا تجھے کیا خوف
 تو نہ دُنیا کے غم میں ہو پابند
 کہ ترا دست گیر ہے موجود
 وہ سخاوت منش سخاوت کیش
 وہ شرف دوست وہ شریف نوا
 کوہ جس پر کرے تصدق لعل
 وہ زمانہ میں صاحبِ شمشیر
 جس کو دکھلائے اشرفی خورشید
 پیش کش ہے یہ مطلعِ ثانی
 مورِ دِ طعنِ خلق تھے اکثر
 یعنی کیا چارہ قضا و قدر
 جس کو چاہے کرے وہ نام آور
 ہے تجھے تو مقامِ شکر مگر
 گردشِ چرخ کا تجھے کیا ڈر
 تو زمانہ کا ہونہ دست نگر
 اور ترا سر پرست ہے سپر
 وہ کرم پیشہ وہ کرم گستر
 وہ ہنر دوست وہ ہنر پرور
 بحر جس پر کرے نثار گہر
 وہ رئیسوں میں قابلِ افسر
 جس کو مریخ نذر دے خنجر
 کہ قلم ہے رواں بطرِ زرگر

مطلعِ ثانی

اے قمرِ چہرہ آفتابِ افسر
 اے فلک مرتبہ زمیں کشور
 اے ترانہِ رنقِ تدبیر
 اے تری رائے عقل کا زیور

تیرے دم سے جہاں کا باغ اُمید
 تیرے فیض کرم سے ارزانی
 بانگِ پرہیز سے تری پیدا
 مزدہ نہر سے ترے برپا
 جب کہ بھتی ہے تیری نوبتِ صبح
 ذکر انصاف کا ترے سُن سُن
 ٹھیرے انسانِ ملزمِ دُزدی
 ہے ترے احتساب کے ڈر سے
 غیر واجب بیاں نہ تم کو پسند
 مدعا عرضِ فنِ شعر نہیں
 ہو گیا اتفاق سے مجبور
 ورنہ دوری کسے گوارا تھی
 میں نمک خوار تو ولی نعمت
 ہے وہی آستانِ مرام مرکز
 کہ رہا بندہ وارادت تک
 اب ترے التفات بے حد کی
 طوطی ہند ہے زباں میری
 سبز و شاداب اور تازہ و تر
 فقرا کو بھی دولتِ قیصر
 ایک سناٹا دشت کے اندر
 شہر میں غلغلِ طرب گھر گھر
 گونج اٹھتا ہے گنبد بے در
 ظلم خود کا پنتا ہے اب تھر تھر
 گرتے عہد میں چڑائے نظر
 شکلِ خونِ نابِ بادۂِ احمر
 ظاہر آرائی کا نہ میں خوگر
 شرحِ احوالِ واقعی ہے مگر
 کیا میں نے جو اختیار سفر
 مجھ سے اور چھوٹ جائے تیرا در
 میں تھی دست تو کرم گستر
 آسماں گرچہ لاکھ دے چکر
 الفتِ خاص سے ترے در پر
 یاد میں کر رہا ہوں عمر بسر
 اور ترا ذکرِ خیر ہے شکر

نہ مجھے حرصِ درہم و دینار
 چاہتا ہوں فقط یہی کہ رہے
 پھر یہی کہہ ہی ہے کثرتِ شوق
 نہ کوئی بذل میں ترا ہمتا
 ہر پیادہ ترا ہمتن تن
 سرِ دشمن بنے گلِ نیزہ
 رہے جب تک جہاں میں زیبائش
 تو ہو فرماں روا کئے اہل جہاں
 اور اہل جہاں ہو فرماں بر

دوستوں کو مدام عیش و نشاط
 دشمنوں کو ہمیشہ خوف و خطر

(۲) قصیدہ ناتمام

دکھاؤں شاہِ مضمون کی چینِ بستانی
 جو دیکھے جنبش لب ہائے جاں فراس کی
 چمن میں گروہ سراپا بہار جانکے
 جمالِ حسن ہی ہے تو ایک دن میں بھی
 کہ ہووے چشمہ آئینہ غرقِ حیرانی
 تو فرطِ شرم سے آبِ حیات ہو پانی
 تو خارِ خارِ چمن بھی کرنے گلستانی
 بلا کے خلوتِ دل میں بہ رسمِ مہمانی

لہ۔ بمقام سہارنپور جلسہء میں لکھا گیا تھا۔

حضورِ عالی خان صاحب
 کہ جس کی رائے پر آئینِ ملکی و ممالی
 اب اس کے عہدِ عدالت میں ظلم ہی نہ رہا
 سنا جو شہرہٴ انصاف و داد خود آئی
 بوقتِ صولت و سطوت نگاہِ برقی ہے
 کہوں کہ آج دکھا جو ہر شاخوانی
 معینِ رسمِ جہاں دارمی مہماں بانی
 غلط ہے یہ کہ نیاید زرِ گرگ چوپانی
 عدالت از پئے پاپوس ہو کے دیوانی
 دمِ سخا و کرم - ہاتھ ابرِ نیسانی

طریقِ داد میں پیدا ہے عدلِ فاروقی
 اموردین میں ظاہرِ حیا عثمانی

قصیدہ (۳۱)

ایک پڑائے مسودے میں سے یہ چند اشعار مل گئے جو یہاں درج ہیں۔ یہ قصیدہ میرے
 مرحوم دوست ڈپٹی نجم الدین صاحب دہلوی کی فرمائش سے لکھا گیا تھا۔ (مرتبہ ۱۸۷۷ء)
 رنگِ فریبِ یادگی دل میں ہے نہاں
 دل تنگ سے کثافتِ چار آخشیج سے
 ہے پردہ پوش دیوبند آموز آشکار
 خاطر نشاں نے غفلتِ عمیشِ معاصرین
 وہاں دستِ بدعمل بھی ہم آفرین نہیں
 آسائشِ کدورتِ باطن ہے وہ بلا
 افزائشِ یقین نہیں بے کاہشِ گماں
 باطن میں گولطائف سے ہو رواں
 فرخِ سروشاں اٹھائے اگر برقع نہاں
 گردلِ نشیں سے عبرتِ حالِ گزشتگان
 جس سیکدہ میں پائے خود ہونہ درمیان
 سعیِ صفائے قلب کو سمجھے بلا جہاں

دن میں ٹھوم و سوسہ پیدا کرے خطر
 ہو تیرگی جسم کو یہ خاک داں فضا
 غفلت کو ہو بقیۂ دوروزہ پر غرور
 تھا دل میں حشر و شہر تجل ہی کہ جہل
 کہنے لگا تجھے نہ دکھاؤں گا تا بہ حشر
 لے خفتہ بخت طالع بیدار کی طرح
 سُرْمہ ہو یا ہو حال مگر تیرہ روزگار
 بجائیں خاک میں ترے افکار دوبریں
 شعلہ کی طرح تجکو میں بے تاب ہی رکھوں
 سینہ کو تیرے چاک کروں میں بزرگ گل
 شبنم کی طرح تجکو رولاؤں دم سحر
 پایاں کار ایسا بنے ننگ روزگار
 رہ جائے ایسا بیکس بے یار و بے دیار
 کیا تاب کہ تو مرے خچل سے چھوٹ جائے
 امضا پریر جانب مغرب ہے میرا حکم
 سرختر خاک چین سے اقصائے روم تک
 میں حالت سکوت میں سنتا رہا بغور

خاطر یہ گرسرا یر مکتومہ ہوں عیاں
 زندان ہو بہر روح جو تیرہ خاکداں
 اندیشہ کو اگر ہو غم عمیرا نگاں
 بایس یہ میرے بیٹھ گیا آکے ناگماں
 علم و کمال و فضل کے ثمرہ میں غزوشاں
 تجکو ملے نہ دولت بیدار کاشاں
 تجھ سانہ گلے ہند سے لے تا باصفہاں
 ثابت بھی گرچہ کر دے تو خرق آسماں
 اور آگ کی مثال تہ طلعت دغاں
 لیکن بنا کے داغ تناس سے گلستاں
 خونیں کفن بناؤں سر شام لالہ ساں
 بیٹھے جو تو کہیں تو اٹھے شورِ الاماں
 ہو کوئی تیرا دوست نہ مونس نہ مہرباں
 اور چھوٹ جا بھی تو بھلا جا گیا کہاں
 مشرق میں بھی ہے سکہ غمیرے نام کاواں
 تیغ و نگین ہے جکو مسلم ہر زماں
 اُس یا وہ گوئی ہرزہ دے صرفہ استاں

چلنے لگی زباں کہ مری طبع تھی روان
گو بخت و اژگونہ و بے مہر آسماں
ہے آج کون داویر دارائے داوراں
ہے جس سے پرچمِ علمِ علمِ زرفشاں
وہ سایہ جس کے سامنے خورشید ہے کتاں
جلبابِ لیل میں سبق آموز روشنیاں
مرغانِ گلستاں میں بھی ہے دین بوستاں
نہ الفصاحت اُن کے لئے جدولِ رواں
یعنی کہ سبزہ تازگی افزائے جسم و جاں
کیا تن گلزمیں ہے پئے مرغِ صبحِ خواں
کھویا فروغِ علم نے یوں جہل کا نشان
خورشید بھی مساحتِ ساحاتِ آسماں
اُس نے بھی ہیں مسائلِ ہدیت کیجیاں
روشن اسی غرض سے ہے شمعِ ستارگان
تھارا زِ علم گنبدِ افلاک میں نہاں
سرمایہ فضیلت و علامہ زماں
نیسانِ جو دو ابر بہا رانِ امتاں

کا فور ہو گئے وہ خیالاتِ سابقہ
لے جہل رو سیاہ و تہہ کار و لافِ زن
لیکن تجھے خبر بھی ہے کیس کا دور ہے
لے جہل اُس کے ظلِ حیات میں میں آج
آسودہ زیر سایہ فیضِ عمیم ہوں
چمکا ہے یہ ستارہ علم ان دنوں کہ ہیں
کچھ روشنیاں چرخ ہی پر کیا مدار ہے
اک درس بوستاں پہ نہیں منحصر سبق
ہر جدولِ رواں میں ہے طغرائے دل فریب
سبزہ سے ہیں معافی بیگانہ آشکا
لمعانِ آفتاب سے جوں رنگِ شب اُٹے
پیدا ہے شوقِ علم کہ کرتا ہے روز و شب
شب گرچہ کم سواد ہے پر نورِ علم سے
بہر نیاتِ نقشِ معلم ہے چرخِ پیر
اب کرویا ہے سیر کو اکب نے آشکار
اے معدلتِ پناہ و پناہِ جہانیاں
خورشیدِ مجد و شمعِ شبستاں مکرمت

غز و جلال و جاہ میں بیدارے بے قیاس
 فضل و کمال و علم میں دریگے کر اس
 ہے تیرا دست جو کفِ بحر سے وسیع
 پائے علویئے مرتبہ بالائے فرقاں
 تدریرِ مملکت میں تری رائے معتبر
 قانونِ سلطنت میں ترا فہم نکتہ داں

زیبا ہے تجکو طبل و علم پر چہم ولوا
 شایاں ہے تجکو خیل و خدم لشکر گراں

(۴) خشک سالی

نہ آئی۔ پر نہ آئی پر نہ آئی
 گھٹانے بولدی بالکل صفائی
 اگر آئی تو کی لے وے ہوانے
 سواری اور جانب کو بڑھائی
 گئے دریا اتر۔ تالاب سوکھے
 کجائی ابر دریا دل کجائی؟
 نہ صحرا میں دل آویزی کا انداز
 نہ بستیاں میں ادا دل کشائی
 نہ سخنِ باغ میں طوطی کا نغمہ
 نہ شاخِ گل پہ پلبل چھپائی
 زمین چپیل ہے کورا آسماں ہے
 ہوئی اب کے برس اچھی صفائی
 نہ روئے تل کے ساون اور بھادو
 ہوئی ہے ترک باہم آشنائی
 نہ تانا شامیا نہ ابر تو نے
 نہ اب کے رعد نے نوبت بجائی
 نہ وہ جگنو نہ وہ راتیں اندھیری
 نہ وہ کالی گھٹا گھنگور چھپائی
 نہ پر نالے چلے اب کے دھڑ دھڑ
 نہ گزری کی سڑک رونے بہائی

نہ وہ سن سن نہ وہ جھونکے ہوا کے
 نہ وہ برسات کے کیرے پتنگے
 کہاں بادل کہاں بجلی کہاں مینہ!
 نہ اسے پتہ ہے کہ جہاں برساتی تو نے
 نہ موروں نے کیا کچھ شور برپا
 نہ ٹیکس بونزیاں تپوں سے ٹپ ٹپ
 نہ رنگارنگ بادل آسماں پر
 نہ کیڑھے نہ پانی ہے نہ سبزہ
 ترستے ہیں برسات ہی نہیں مینہ
 بہت رو کر دعائیں سب نے مانگیں
 ہوئی برباد کھیتی تھک گئے بیل
 نہیں بچا رہے حیوانوں کو چارہ
 بہت مزدور بیٹھے ہیں نکمے
 سمندر کیا ہوئے تیرے بخارات
 بللے قحط ہے ہندوستان میں
 خدایا جلد قحط اور جنگ ہوں دو
 خدایا رحم کر۔ جاں لب پہ آئی
 نہ بجلی نے چمک اپنی دکھائی
 نہ مینڈک نے زمیں سر پر اٹھائی
 پریشانی سی ہے دنیا پہ چھائی
 نہ اے ساون جھڑی تو نے لگائی
 نہ کوئل ہی نے دھوم اب کیچائی
 نہ دل کش گنی چڑیوں نے گائی
 نہ چھت پر گھاس دیواروں پکائی
 نہ مینہ برسا نہ کھیتی لہلہائی
 سسکتی ہے پڑی ساری خدائی
 گھٹا روٹی نہ بجلی مسکرائی
 گئی گزری کسانوں کی کمائی
 ہے انسانوں کو فکر بہنوائی
 نہیں اب کوئی حیلہ جز گدائی
 صبا! تو کیوں اڑا کر لے نہ آئی
 ہے روم و روس میں برپا لڑائی
 ملے سب کو مصیبت کے رمانی
 تری مخلوق دیتی ہے دمانی

(۵) عیدِ شبِ برات

بگڑی ہے کیا انار پٹاخوں کی اب کے بات
 ساون میں اتفاق سے آئی شبِ برات
 بارود ہے خراب پٹانے ہیں چھٹھے
 کم زور ہیں انار چھو ندر ہے واہیات
 مہتاب میں مزا ہے نہ کچھ بھلجھڑی میں لطف
 پیسے ہمارے مفت گئے یوں آٹھ سات
 پیسے گئے فضول تو خیر اس کا غم نہیں
 ہے سال بھر کے کھیل کی گویا یہی زکوٰۃ
 پاتا ہے اس جہان میں کچھ کھوکے آدمی
 آئندہ ایسے کھیل پے ماریں گے ہم بھی لات
 بس چھوڑو کھیل کو دکھ حلو ہے گرم گرم
 شامل ہے جس میں ذائقہ نقد اور نبات
 شیریں ہے خوش قوام ہے چٹ کیجئے اسے

علوہ کی چاشنی سے ہے مصری بھی آج مات
 بدعت کو گناہ کہو۔ یا چٹور پن
 اچھا نہیں سمجھتا اسے زمرہ ثقات
 بچوں کے واسطے ہے خور و نوش کھیل کود
 اصحابِ اتقا کے لئے صوم اور صلوات
 جاگیں گے آج اہل عبادت تمام شب
 درگاہ کبریا سے کریں گے طلب نجات
 سرکار حق میں پیش حساب و کتاب ہے
 تقسیم رزق اور رقم موت اور حیات
 اس واسطے دعا و طلب میں مبالغہ
 کرتے ہیں تاکہ ان پر زیادہ ہو الثقات
 اہل نظر ہیں وہ کہ جنھیں یہ خیال ہے
 کیا مانگئے کہہ سچ ہے یہ جملہ کائنات
 برکت ہے اپنے حال میں نئے ماہ و سال میں
 ہر دم عیاں ہے ذات وہی باہمہ صفات
 کیا ذات کیا صفات نہیں فرق و امتیاز
 ہے ایک حال ایک نظر اور ایک بات

صاحب نظر کو فسقِ شب و روز کچھ نہیں
 ہر روز روزِ عید ہے ہر شب شبِ برات
 جو کچھ کہ ہے خیال میں خواب و خیال ہے
 لے کر ازل سے تا بہ ابد کل معاملات
 سرکار کے بنائے ہوئے ہیں یہ سب عدو
 اور عالمِ شہو ہے گویا شبِ برات
 بار و و ایک سی ہے مگر وزن ہیں جدا
 میں مختلف ظہور میں آثار اور صفات
 سہرہ ہو پھل بھری ہو پٹاخا ہو یا انار
 سب میں بھری ہوئی ہے وہی ایک پاک ذات
 ہر چیز کا ہے وزن معین جنچا مثلاً
 اک آن کی نمود ہے بے اصل و بے ثبات
 چھٹنے کے بعد پھر نہ رہا یہ نہ وہ رہا
 آخر کو ڈھاک کے نظر آتے ہیں تین پات
 جو زور شور تھا سو حقیقت میں کھیل تھا
 جب ہو چکا تمام یہ سرمایہ حیات
 دکھلا کے اپنا رنگ فنا ہو گئے تمام

عقل و قیاس و فکر و خیال و توہمات
 ہے اصل نور و نار فقط ذات بے نشان
 دھوکا نگاہ کا ہے قیود تعینات
 مستور ہے ظہور میں ظاہر بطون میں
 بے رنگ و بے نشان ہے بے کیف و بے جہات
 شائیں جُدا جُدا ہیں تجسلی تو ایک ہے
 کعبہ ہو ہر دو اور ہو یا دیر سو منات
 عیدی ہو یا قصبہ - رباعی ہو یا غزل
 معنی میں مشترک ہیں بکثرت ہیں گولغات
 ظاہر میں شاعری کا زٹل قافیہ سہی
 فہم درست کو یہ لطائف ہیں اور نکات
 حامد شبِ برات کی عیدی ہے با مزہ
 لکھوانی چاہتے ہو - تو لاؤ قلم دوات

(۶) عید الفطر

اب کے رویت میں آگیا ہے خل
 یعنی انتیس تیس اٹھائیس
 رمضان ایک اور عید ڈبل
 کیا تو ایرج میں پڑا ہے بل

کوئی روزہ ہی کو گیا ہے مکمل
 کوئی سمجھا اُسے کہ ہے یہ زتل
 روزہ داروں میں پڑ گئی ہل چل
 کر رہی ہے دماغ کو مختل
 ہوئی آپس میں خوب رد و بدل
 چاند کا بھی گیا تھا پانوں پھسل
 سب کی آنکھوں سے ہو گیا اوجھل
 ایک کو غصّہ ایک کو جھونجھل
 کس لئے کر رہے ہو جنگ و جدل
 علما کا نہیں ہے اُس پہ عمل
 خود غلط تھی شہادتِ اول
 یاد آئی ہے مجھ کو ایک مثل
 اونٹ رے اونٹ تیری سیدھی گل
 میری عیدی کو بکر دیا مہل
 ہوا جو کچھ یہی تھا حکمِ ازل
 نہ ہوا ہے نہ ہو یہ عقدہ حل
 تنگ ہے اس جگہ پر رخصتِ علل

آج چکھی کسی نے افطاری
 دی کسی نے شہادتِ کامل
 نوبتِ دن کے بچ گیا وہونہ
 خشکیِ روزہ شدتِ گرمی
 آج برپا ہے عام جوش و خروش
 جا پڑا دیو بسند میں پہلے
 ایک دن تک وہیں رہا ناچار
 کہیں جھگڑا کہیں لڑائی ہے
 کوئی سمجھا رہا ہے ملا جلی
 گواہوں میں چھپ گیا فتویٰ
 بست و ہفتم کو چاند دیکھ لیا
 دیکھ کر اختلافِ دُنیا کا
 کون سی ہے مجھے بتا تو سی
 چاند کے اختلاف نے اب کے
 کیوں پڑے ہو تم اس بکھیرے میں
 ہیں زبانے کے کام رنگا رنگ
 نہیں چون و چرا کی گنجائش

عید کے واسطے نہیں درکار
 مدتِ دہر آنِ واحد ہے
 ہے یہ نیرنگ کی نموداری
 ختم روزے ہوئے نماز پڑھو
 عید ہی عید ہے کوئی دن ہو
 قمر و شتری و شش و زحل
 غلطی پر ہے دیدہ احوال
 آسمان و زمیں مکان و محل
 بعد حمدِ خدا کے عزوجل
 ہم کو یکساں ہے پیر اور منگل

وہی ظاہر ہے اور وہی باطن

وہی آخر ہے اور وہی اول

(۷) نذرانہ پیرِ حبی

قعر دریا میں نہ طوفاں ہے نہ موج و گرداب

خشک ہے آبِ رواں بحر میں قطرہ نایاب

نہ تو حاصل میں طلب ہے نہ طلب میں حاصل

جذبہ میں جملہ سوال - اور ہیں بیہودہ جواب

نہ پتا ہے نہ کھٹکانا نہ کوئی راہ و مقام

یعنی الآن کما کان نہ سبدا نہ تاب

نہ ادھر کوئی مزہ ہے نہ ادھر بد مزگی

رونق صومعہ باقی نہ خرابیات خراب

ہیں تو ہر قسم کے مطلب مگر اس نسخہ میں

نہ کوئی لفظ نہ جملہ۔ نہ کوئی فصل نہ باب
 بھوکے مرتے ہیں شکم سیر۔ پیاسے ہیں غریق
 خاک صحرا میں نہیں آب کے جو یا تالاب
 ایک ثمر ہے یہاں غفلت و آگاہی کا
 خواب اعمیٰ ہے مگر حالت بیداری و خواب
 وہی ہوتا ہے جو پہلے سے ہوا رکھا ہے
 نہ طریقہ ہے خطا کا نہ کہیں راہِ صواب
 نہ توبے کا تسلیٰ ہے نہ آرام بکار
 نہ سفینہ ہی رواں ہونہ یہ دریا پایاب
 خواہش وصل غلط۔ سعی تقرب بے سود
 نہ کوئی واسطہ حائل ہے نہ پردہ نہ حجاب
 نہ مکاں ہے نہ درو بام ہے ویرانہ میں
 بتکدہ ہے نہ کلیسا ہے نہ طاق و محراب
 نہ کوئی دوست نہ دشمن نہ مخالفت نہ رفیق
 نہ کوئی قابلِ رحمت۔ نہ سزا و اعتاب
 یہ نہیں وہ بھی نہیں کہتے ہیں کئے والے
 اور جو پوچھو کہ وہ کیا؟ تو نہیں کچھ بھی جواب

آج نذرانہ بہ تعجیل کیا ہے تیار
منتظر ریل کے ہیں پیر معلیٰ القاب

(۸) نذرانہ پیر جی

نہ جدائی ہوئی کبھی نہ وصال	ہے یہ قرب و وصال و ہم خیال
کنجِ وقت ہے غیر سے خالی	کہ گمانِ دوئی ہے امرِ محال
بحرِ وحدت میں سب میں متغرق	روح و جسم و حواس و علم و کمال
جیشِ موج ہے یہ ہنگامہ	شادی و بیچ و تحری و طلال
نفسِ برآب ہیں یہ حرکات	ذکر و فکر و وظائف و اشغال
کیا ہے اس جد و جہد سے حاصل	عز و سبزو نہر و نخل و نہال
نہ یہاں شاہدی نہ مشہودی	دست بے پارہ پائے بے بظنال
ہے یہاں نسبتِ اضافت ہیچ	ہستی و نیستی بھی ہے پامال
نہ بدایت ہے نہ نہایت ہے	نہ امید بقا۔ نہ بیم زوال
نہ تو مسک۔ نہ منزلِ مقصود	نہ طریق و روشِ نہ راہ و مجال
آن واحد ہے جو ہوا سو ہوا	وقتِ ماضی یہاں نہ استقبال
جنسِ خود مشتری و خود قیمت	مشتری خود ہے جنس کا دلال
عشقِ گوہر نے کرو یا مفلس	ور نہ کان گہر ہے مالا مال

طلب و جستجو ہے گمراہی شوق پرواز نے بچھایا جال
 بے تعلق نہیں تلاش و طلب بے تختل نہیں ہے فکرِ مال
 رہنمائی ہے وجہ راہزنی ہو گئے نامہ و پیام و بال
 کی جو فکر و قیاس نے حرکت ہوئی پیداشبیہ و شکل و مثال
 خالقیت ہے باعثِ مخلوق موجب نقص ہو گیا ہے کمال
 بعد ہے قرب کی طلبگاری جمع نے تفرقہ دیا ہے ڈال
 کامیابی ہے وجہ ناکامی بحر اور اشتیاقِ آبِ زلال
 تپشِ آفتاب و حدت سے جلتے ہیں مرغِ عقلم کے پرِ بال
 دل ہے گویا زبان ہے خاموش سطحِ میدانِ فراخ و تنگ مجال

اس خرافات کو کریں منظور
 پیر لہ صیانوی گرو گھنٹال

(۹) چریدہ عجب تر

عند تقصیر ابتدائی اشعار سے ظاہر ہے کہ اس ناچیز قصیدہ کے موزوں
 کرنے کا خیال کس طرح میرے دل میں پیدا ہوا۔ اس وقت طبیعت
 پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی جس نے اس ہرزہ گوئی پر مجبور کیا اور
 مجھ کو نہ شعر و شاعری سے رغبت نہ اس فن کی مہارت نہ اتنی فرصت

اور سچ یہ ہے کہ نہ اس کام کی لیاقت جو کچھ لکھا گیا صرف مقتضائے
طبیعت تھا۔ اقباس از دیباچہ طبع اول۔ - یکم نومبر ۱۸۸۵ء

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار
یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار
کہ اب کے ماہِ محرم کی ساتویں تاریخ
گیا جو گھسے قضارا! بجانب بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے
اور اتنی بھیر کہ جس کا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا
ہر ایک فن پھلکیتی میں طاق اور طار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سرتا کا
دکھایا پسرہ تو پہلو پے جا کیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ نئے پیتڑے غضب پھرتی
ذرا لے ڈھنگ سے کرب کا کرتے ہیں اظہار
چلا ہے ایک بنٹی کا بانڈھ کر چکر
کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑ رہا ہے گوہار

میں اپنے دل میں لگا کئے کیا حماقت ہے
 نٹے ہوئے ہیں جو اس فن پر یہ خدائی غوار
 یہ کھیل محض نکمّا ہے بلکہ بیہودہ
 جو دیکھتا ہے۔ سو ہنستا ہے زیر لب ناچار
 سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں
 نہ وہ زمانہ رہا اب۔ نہ صورتِ پیکار
 کہاں ہیں اب وہ دلیرانِ صفت شکن باقی
 کہ ان فنون پے ہوتے تھے جان و دل سے نثار
 ہزار سے نہ دے لاکھ سے نہ منہ موڑا
 جو ڈٹ گئے کسی میدان میں کھینچ کر تلوار
 نہ اب بکیت کو پوچھے کوئی۔ نہ راوت کو
 نہ تیر ہے نہ کہاں ہے نہ بانک ہے نہ کٹار
 نہ اس کمال کی پریش نہ اس ہنر کی قدر
 نہ جنگ کا یہ طریقہ رہا۔ نہ یہ ہتھیار
 نہ جس میں دین کا ہوا فائدہ نہ دشمنیا کا
 تو پاس پھٹکے نہ اُس کام کے کوئی ہتھیار
 جواب دل نے دیا یوں۔ کہ مت تعجب کر

میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار
 شاعر .

سخنور ان زماں کی بھی ہے یہی حالت
 کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑے زہنار
 سوائے عشق نہیں سوچتا انہیں مضمون
 سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
 نہ لکھتے ہیں کبھی نیرنگ حکمت و قدرت
 نہ واقعات کے وہ کھینچتے ہیں نقش و نگار
 ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ
 کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشق زار
 تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ
 کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جس کی سوسو بار
 کمال اپنا سمجھتے ہیں خود ستائی کو
 نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار
 ہوا اپنے فخر پہ آئیں۔ تو بس کریں تسخیر
 حد و ہند سے لے تا بفا رس و تانار
 ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا لہریز

پڑا ہے نیم کا پتہ اور اس پر پشہ سوار
 وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے نا خدائے جہاز
 اور اس سڑے ہوئے پانی کو لچہ۔ زخار
 اسی طرح سے ہمارے زمانہ کے شاعر
 سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار
 مبالغہ ہے تو بہی وہ عقل سے خارج
 ہے استعارہ تو بے لطف اور دور از کار
 کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن
 وہ کنکری ہے جسے کتے ہیں ڈر شہ دار
 جوان کے دیکھیے دیواں تو بور کے لڈو
 غلیظ و گندہ سراسر نتیجہ افکار
 وہی ہے شاعر غمرا جو بے تکی ہانکے
 یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار
 یہ ان کی طبع بلند اور معنی رنگین
 جو طبع گد ہے تو معنی سڑا ہوا مُردار
 نہ جس سے طبع کو تفسیر کج ہو نہ دل کو خوشی
 غزل ہے یا کوئی ہدیہ ان ہے بوقت بخار

نمونہ غزل

صفت ہے دوست کی جلاؤ و ظالم و غدار
ستم شعار۔ دل آزار بے وفا۔ مکار
ہے دلبروں کی بھی شامت نہ مستہ رہا نہ کمر
بجائے زلف کے دواثر دہوں کی ہے ٹھنکار
یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول
پڑی ہے نزع کی حالت میں نرس بیمار
جو ٹون مال کی محراب ہے خیمہ ابرو
تو ہے مثرہ بھی پولیس کے سپاہیوں کی قطار
نرخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا
بھنور ہے ناف۔ کہ جس سے نہ ہوگا بیڑا پار
شب فراق کا دکھڑا اگر کریں تخریر
تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدہ خوں بار
وہی لنڈوری ہے قمری۔ تو پر نچی بلبل
وہی ہے سرو کا ٹھنڈھ اور طول قامت یار
جو ناصحوں سے تے کھٹ پٹ تو زاہدوں سے سچ
جو ساقیوں سے لگا وٹ تو مہنجوں سے پیار

غریب شیخ پہ ہر دم دُلتیاں جھپاڑیں
 نگریں مساجد و کعبہ سے دُم دبا کے فراڑ
 کہاں ہے ان کا ٹھکانا۔ کدھر ہے ان کا مقام
 وہی ہے بیت صنم اور خانہ خمار
 بگھارتے ہیں تصوف تو کون دے گا داو
 کہاں ہیں سعدی و حافظ۔ سنائی و عطار
 کریں گے اس قدر ایمان و دین کی تفضیح
 کہ گویا ہیں کوئی ہفتاد پشت کے کفار
 اگرچہ ہاتھ میں تسبیح لب پہ ہو توبہ
 بینگے شعر میں ہاں سے پرست و یادہ گار
 ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر
 پہ کوستے ہیں اسے یہ مرید نا، مخبار
 جمال یوسف و اعجاز عیسیٰ و موسیٰ
 ہیں ان کی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار
 نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
 یہ ان کی نور بھری شاعری اباخدا کی ماہر
 ہے ان کی طبع و فی عنکبوت کا جالا

اور ان کی بندشِ مضمون ہے مکھیوں کا شکار
 کسی عمارتِ رسی کا گریبان کریں۔
 محیط کون و مکان اُس پہ تنگ ہونا چار
 جو اُس کی نیو ہو گا ڈ زمین کے سم سے پرے
 تو اُس کا کنگرہ بالائے گنبد دوار
 وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدوں
 بغیر ہنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار
 سدا دروغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن
 چپک رہا ہے لبوں پر جو شیرہ گفتار
 لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ
 لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار
 کریں چڑیل کو حورانِ خلد سے نسبت
 بنائیں اونٹ کٹیلی کو گلشنِ بیخار
 جب ان پہ ہوتے ہیں مضمونِ مبتذل وارو
 تو گو یا عرش سے اُتری چار کو بیگار
 کریں جو مع کسی چرکتے کی وہ بالفرض
 تو پھر سکنڈ رو دار ہیں اُس کے باج گزار

بنائیں اُس کے تئیں بڑو بجر کا سلطان
 جو فی المثل ہو کسی کو رودہ کا نمبر دار
 لکھیں وہ دھوم کہ ہو گرجشن جمشیدی
 جو رقص شادی کا لکھوائے کوئی سا ہو کار
 بنانا پر کا کبوتر تو ہے بہت آسان
 سوئی کو پھاؤ لہ کنا تو کچھ نہیں دشوار
 ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالب میں
 نیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار
 مشاعرہ ہو۔ تو لڑتے ہیں جیسے مینی مرغ
 لو لہان ہیں پنجے شکستہ ہے منقار
 وہ خود فروش بنے آج اوستا و زمان
 کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا نہ لے اشعار
 اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل
 تو پہلے قطعہ تاریخ کر رکھیں تیار
 اُجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لہ گئے ڈیرے
 جہاں کداتے تھے یہ بھانڈا کا غزین رہوار
 جہاں خوشامدیوں۔ شاعروں کی تھی بھرتی

اب ایسی کاٹھ کی اٹونہیں کوئی سہ کاو
 تو اب وہ پھرتے ہیں نہپار مانگتے کھاتے
 بنا کے کاسہ گدائی کا پچھا اخبار
 کسی کی مچ سرائی کسی کی بدگوئی
 اڈیٹری کی بھی کرنے لگے ہیں مٹی خوار
 کلام دیکھو تو صورت حرام سہ تاسر
 سلاح برورد کس نیست درمیان حصار
 فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑنے ہیں یہ پتھر
 کہ عالموں کا بھی اس دور میں یہی ہے شعار
 وہیں ہیں آج۔ جہاں تھے یہ دس صدی پہلے
 گیا ہے قافلہ دور۔ اب ٹٹولتے ہیں عبا ر
 وہی میں یاد پورا نے اصول یونانی
 جنھیں علوم جدیدہ تے کر دیا بے کار
 وہی قبندیم زمانہ کا فلسفہ سٹریل
 ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھٹی ہوئی دیوار
 ہنوز فخر و مبامات اس پہ کرتے ہیں

وہ جن کے سر پر فضیلت کی ہے بندھی دستار
 ہے درس میں وہی ترتیب مادہ اب تک
 کہ پہلے خاک ہے پھر آب - پھر ہوا پھر نار
 اگرچہ ہو گئے تحلیل خاک و باد اور آب
 مگر ہیں علم میں ان کے وہی عناصر چار
 ہے آسمان طوائف زمین میں مصروف
 ہے آفتاب ابھی چرخ چار میں پر سوار
 وہی ہے ڈھانچ پُرانا نظام ہیئت کا
 جڑے ہوئے ہیں فلک میں ثوابت و سیار
 وہی ہے سئلہ خرق و الستیام ہنوز
 کہ جس کا اب نہ کوئی مدعی نہ جانب دار
 وہی حساب ہے لکھا ہے جو خلاصہ میں
 گھٹے بڑھے گا نہ اکِ صفر تا بروز شمار
 جو کہ گئے ہیں فلاطوں اور بطلیموس
 اسی کی بحث ہے اب تک اُسی کی ہے تکرار
 جو شرح جغنی و میسنزی میں لکھا ہے
 زر وئے کشف کھلے تھے وہ غیب کے اسرار

جو جس بازغہ میں آچکا سو ہے الہام
 کہ ہے مسائل حکمتہ کا اسی پہ مدار
 بھرا ہوا انھیں کج بختیوں سے ہے منطق
 کہ ایک کو جو کہیں دو تو پھر نہ ہو انکار
 ہو ادلائل و ہمیہ سے جو کچھ ثابت
 تو پھر مشاہدہ بے سود و تجربہ بے کار
 نہ جن کے ہاتھ میں پیسہ نہ شکل کھانے کی
 وہ کھائے بیٹھے ہیں اشکال منطقی پہ اوجھار
 دماغ خشک میں اُن کے جو کچھ سمایا ہے
 اسی کی پیچ ہے وہی ڈینگ اور وہی اصرار
 بسی ہوئی ہے ابھی تک وہی پُرانی بو
 کچھ ایسی بی ہے گھٹتا نہیں ہے جس کا خار
 ہیں عاقلوں کے لئے آیتِ خداوندی
 یہ آسمان وزمیں اور نجوم پُر انوار
 نہیں ہے گوشہ خاطر کا اس طرف میلان
 کہ غور کیجئے قدرت کے دیکھ کر آثار
 ہے بس طریق پراض و سماکی پیدائش

ہے کس کے قبضہ میں جازہ جہاں کی مہار
 ہے موسموں کی بھلا یہ الٹ پلٹ کیوں کر
 کبھی عمل ہے خزاں کا کبھی ہے دخل بہار
 کبھی کا دن ہے بڑا اور کبھی کی رات بڑی
 یہ کس روش سے ہوا اختلاف نسیل و نہار
 یہ کس نے پھیر دیا موسمی ہوا کا رخ
 یہ کیوں ہے باد تجارت کی متصل رفتار
 نسیم بڑی و بھری میں چھیر چھاڑ ہے کیوں
 کہ رات دن نہ اسے چین ہے نہ اُس کو قرار
 ہوا ہے بحر سے کیوں کر ہوا کا دامن تر
 اڑائے تارِ شعاعی نے کس طرح یہ بخار
 کیا ہے کس نے بتاؤ سحاب کو تسخیر؟
 میانِ ارض و سما مثلِ طائر پر دار
 ہے کیونکہ گرم یہ ہنگامہ برف و باراں کا
 سدا بروئے زمین خاص کر سرد کُھسار
 یہ اوس کیا ہے کُھر کیا ہے۔ اور بادل کیا؟
 یہ بادلوں سے برستی ہے کس طرح بوجھار

دیا ہے کس نے یہ آبِ حیات کا چھینٹا
 کہ لہمائے زمیں پر ہرے بھرے اشجار
 بے پہاڑ سے چشمے رواں ہوئے دریا
 اُگے نہال۔ کھلے پھول۔ اور لگے اثمار
 رواں ہے ساحتِ دریا پہ کس طرح کشتی
 چڑھے ہوئے ہیں مسافر لدا ہوا ہے بار
 کہ جس کے فیض سے دولت سمیٹتے ہیں لوگ
 اسی کے نفع سے قائم ہے فسرۃ تجارت
 ہوا ہے بحر میں کیوں کر یہ جذر و مد پیدا
 یہ کیا ہیں زلزلة الارض اور جبال النار
 دبے پڑے ہیں فلذات اور جواہر کیوں؟
 ہوا زمیں سے پہاڑوں کا کس طرح پے ابھار
 ہوئی ہے کب طبقاتِ زمین کی ترتیب؟
 نئی زمین بنا تا ہے کون سا معمار
 غرض کہ صنعتِ حق کے نکات ہیں بے حد
 کہ جن سے عالم کون و فساد ہے شرار
 نہ ان منظر ہر قدرت پہ ڈالتے ہیں نگاہ

نہ ان رموز کی تحقیق ہے نہ استفسار
 ہے جن علوم سے انساں کے حال میں برکت
 ہیں جن فنون سے گلزارِ شہر و ملک و دیار
 ہیں جو علوم صنائع کے قبلاً و کعبہ
 ہے جن فنون سے حسنِ معاشرت کا سنگار
 ہے جن علوم سے انساں کی زندگی مسرور
 ہیں جن فنون سے اہلِ زمانہ برسرِ کار
 یہ ان کے نام پہ کہتے ہیں د-ن اور ع!
 یہ ان پہ کرتے ہیں لاجول اور استغفار
 یہ نعمتوں سے خدا کی ہوئے ہیں سخت نفور
 یہ خوبیوں سے تمدن کی نہیں بہت بنیرار
 یہ ڈھونڈتے ہیں وہی لیکھ اور وہی چھکڑا!
 اگرچہ ریل کی سیٹی نے کر دیا بیدار
 یہاں پڑا ہے ابھی مرغِ نامہ برسمل!
 وہاں پیامِ اڑھی لے کے برق کی رفتار
 رفل کے سامنے کچھ کام دے سکے گی بھلا!
 پرانی وضع کی بندوق وہ بھی توڑے دار

ہلے گا ہاتھ وہ کیا! جس پہ گرچکاف لچ
 چلے گی تیغ وہ کب جس کو کھا گیا زنگار
 کیا ہے گردش گیتی تے جس کو ملیا میٹ
 سمجھ رہے ہیں اُسے یہ بزرگوار حصار

معلم

معلموں کو جو دیکھو تو روحِ دقیا نوس!
 ہیں وہ بھی دخمہ فارس کے استخواں بردار
 وہی ہے ان کا پڑانا طریقہ تعلیم
 کہ جس میں زندہ دلی کے نہیں رہے آثار
 وہی خوشامدی القاب اور وہی آداب
 کہ جن سے تازہ ہے انشائے دل کشاکی بہار
 ہو ایک انچھ کا مطلب تو ہاتھ بھر کی دعا
 اور ایک گز کی متنائے دولت دیدار
 طریق ترجمہ اب تک وہی ہے اُوٹ پٹانگ!
 پڑھیں جو ٹلڑے کے تو ہل ہل کے اور پکار پکار!
 نہ چلتے پھرنے کی عادت نہ خوریا ضت کی
 جواں ہیں پیر سے بدتر تو پیر زار و نزار

سوائے ضعف دماغ اور بھی مرض ہیں کئی
فتورہ ماضیہ۔ آشوب چشم۔ تزلزلہ حائر
مکان وہ جس میں کچھ کچھ بھرے ہوئے لونڈے
ہے جیلخانہ کی مانند تنگ و تیسرہ و تار
ہوئے جو پڑھ کے مکاتب میں فارغ التحصیل
تو نوکری کے لئے کر رہے ہیں سوچ بچار
نہ ایسے علم سے واقف کہ کچھ کما کھائیں
نہ ایسے فن کی مہارت کہ کر سکیں بیوپار
نہ ہو سکیں گے ملازم کسی کچھری میں
کہ اس کے واسطے ہے مڈل کی سند درکار
طیب

اسی روش پر اطبا کا ہے مرض مزین
ہنوز بنص طبابت کی مست ہے رفتار
وہی سیدی و قانون و تحفہ و مخزن
خدا نے ان پہ لگا دی ہے مہر استمرار
مغربات وہی اور وہی ہیں دستورات
انہیں بھی مردہ پرستی کا ہے بڑا آزار

وہی ہے فصد وہی منضج اور وہی مسہل
وہی سناؤ گلِ سُرخ و شربتِ دینار
معالجہ میں ترقی نہ کچھ مداوا میں
وہی سبب وہی تشخیص اور وہی تیمار
غذا بتائیں وہی دالِ مونگ یا کچھڑی
بلانے سے ان کی مرے یا جئے کوئی بیمار
اگر مریض کی قسمت سے ہو گیا جگر ان
تو اس آئی دو-ورنہ اشتدادِ بخار
نہ کچھ دوا کی ہے تحقیق۔ نے دوا سازی
وہی دوا ہے جو پوڑیہ میں باندھ دے عطار
نہ ٹھیک طور سے اجسام کی ہوئی تشریح
نہ تیز فریقِ جراحات کے کر سکے اوزار
نہ کیمیا کے ہوئے حل و عقد سے آگاہ
نہ مفردات کی ترکیب کے کھلے اسرار
نہ فریقِ قابضہ میں دستِ قابلیت ہے
نہ ان کو شرحِ نباتات پر نظر زہار
توہمات بھی داخل ہیں یاں طبابت میں

بڑا طبیب ہے گر ہو منجسم و جفتار
 نظر بروج و کواکب پہ کر کے دئے نسخہ
 کہ ہیں دوا پہ موثر نجوم کے آثار
 دنیا پرست دیندار
 ہر ایک علم و عمل میں پڑی ہے یہ ٹپکی
 ہر ایک طرز و روش پر پڑی ہے یہ پھٹکار
 امام و حافظ دوا عظم مؤذن و مفتی
 نہ کوئی دین میں پورا نہ ٹھیک دیندار
 زبس کہ دعوت و نذر و نیا زپر ہے معاش
 ہوئے ہیں قوم میں پیدا بہت سے پنشن خوار
 جو اینڈلے ہیں پڑے کھا کے لقمہ خیرات
 گئی حمیت و غیرت دلوں سے ان کے سدھار
 وہ پھولتے ہیں۔ اچھرتے ہیں فخر کرتے ہیں
 فقط اسی پر کہ ہسم ہیں بڑے نماز گزار
 نہ خلق نیک۔ نہ ہمت بجا۔ نہ عزم درست
 نہ حُب قوم۔ نہ حُب وطن۔ نہ حُب تبار
 لکھیں گے ٹھیک وہی ان کا دفتر اعمال

یہ دو فرشتے مقرر ہو ہیں یہیں ویسار
 تھے پہلے صاحبِ تقویٰ تو خلق کی تصویر
 نہ آج کل کے سے ملائے خشکِ دل آزار
 کہاں ہیں دین و دیانت طہارت و تقویٰ
 کہاں ہیں اگلے زمانہ کے باصفا ابرار
 مدار دین ہے اس پر کہ جھٹ کتر ڈالیں
 جو پائیں ٹخنے سے نیچی ذرا کسی کی ازار
 فقط مسائلِ غسل و وضو و استنجا
 یہی ہیں وحی الہی کے آج کل اسرار
 کہیں تو ضاد کی قرأت پہ غل غپاڑہ ہے
 کہیں ہے جہر پہ آمیں کے جوتی اور پیزار
 کسی گروہ میں ہے ختمِ فاتحہ سر پر جنگ
 کہیں ہے مجلسِ میلاد موجبِ تکرار
 کہیں تو کفر کے فتوؤں کا چل رہا ہے گراپ
 کہیں ہے طعن و ملامت کی ہو رہی بھرمار
 یہ مولوی ہیں۔ کہ بغض و نفاق کے جرنیل!
 کہ جاہلوں کو لڑاتے ہیں یہ سپہ سالار!

بلا سے ان کی اگر مضحکہ کریں محمد
 بلا سے ان کی اگر دین پر ہنسیں کفار
 مناظرہ کی تصانیف قابلِ نسبت
 مباحثہ کی کتابیں سزا سے استحقار
 جبیں پہ ان کی تو تھم کا جبے کو پختہ
 کمر پہ ان کی تعصب کا ہے بندھا زنا
 ہیں سنتوں میں ہی سنتیں انھیں مرغوب
 نکاح و دعوت و قیلولہ عجلتِ افطار
 گھٹی جو دور میں ان کے۔ تو راستی کی قدر
 بڑھی جو عہد میں ان کے تو ریش کی مقدار!
 ملے نکا تو کریں مثبت مہر فتوے پر
 غضب ہے الفتد علیہ السلام کی جھنکار
 بنائیں حید گری سے حلال رشوت کو
 یہاں تو مات ہیں ان سے وکیل اور مختار
 بسنائیں دوزخ و جنت کا حال۔ لے کر فیس
 ہے اس زمانہ میں چلتا ہوا یہی اوزار
 یہی ہے وعظ و نصیحت کی علتِ غائی

کہ بعد کھانے کے بلجائیں نقد بھی دوچار
 نہیں ہے جن کو میسریہ و عظ کا لاسہ
 تو کرتے پھرتے ہیں وہ اور ہتکھنڈوں سے شکار
 دکھا کے فضل قناعت جتا کے صبر جمیل
 وہ بھیک مانگتے ہیں بن کے حاجی و زوار
 مضافحہ کے لئے ہے یہ پیش دستی کب؟
 اسی میں حسن طلب ہے دیا جو ہاتھ پار

مشایخ

بہت سے راہزنی کر رہے ہیں بن کر پیر
 غریب قوم کو ہیں مارتے یہ شاہ مدارا
 لیا ہے معتقدوں کی نجات کا ٹھیکہ
 کہ گویا ہیں یہی باغ جہاں کے کھٹیکہ دار
 ہزار دانہ کی تسبیح گیر واکپڑے
 یہی ہیں ان میں علاماتِ اولیائے کبار
 کسی ہنسی نقد کہیں جنس اور کہیں دعوت
 جو بس چلے تو نہ چھوڑیں مرید کا گھر بار
 یہ مومنوں سے بھی جزیہ وصول کرتے ہیں

فتوحِ غیب رکھیں اس کا نام یا اور ار
 کریں جو ذکر تو پھر ایسی بولیاں بولیں
 کہ شب کو چونک پڑیں ساکنانِ قرب و جوار
 جو دعوتِ ان کی کریں معتقد تو ہے واجب
 کہ ان کے کھانے کو ہو شور با بھی چھلہ دار
 اگر ہیں یادِ تصوف کی اصطلاحیں چند
 تو پہنچا عشرتِ معنی پر گوشہ دستار
 یہی ہیں آج ابوالوقت اور قطبِ زماں
 یہی ہیں شیخِ شیوخ اور زبدۂ احرار
 ملا جو گانٹھہ کا پورا کوئی ارادتمند
 تو نقد و وقت ہیں شغل و وظیفہ و اذکار
 کبھی جو خواب پریشاں میں وہ لگے اڑنے
 تو اپنے رسم میں ہیں مثلِ جعفرِ طیار
 کبھی جو عالمِ رویا میں دیکھ لی بیری
 مقامِ سدرہ کو طے کر چکے۔ زہے پندار!!
 بنائیں پہلے تو شیطان کی جھونپڑی دل میں
 کریں خیال کا ٹوکالگا کے پھر فی النار

اگر ہیں شرح پہ قائم تو ہیں جُسنیدِ زماں
 جو بنگ نوش ہے کوئی تو ہے قلندر وار
 رجوعِ خلق کی خاطر ہوئے ہیں گوشہ گریں
 کہ جیسے جھیل پہ بیٹھے مسکڑ کے بوتیار
 بنے جو شیخ تو پھر وجد و حال بھی ہے ضرور
 دکھائیں رقصِ جل وہ کہ ونگ ہوں حُضار
 یہ ناز ہے کہ بزرگوں کے نام لیوا ہیں
 اگرچہ بنگِ بزرگاں ہوں آپ کے اطوار

عوام

عوام کی ہے یہ صورت کہ بس خدا کی پناہ!
 ہر ایک پیشہ بے غیرتی میں کار گزار
 ہر ایک لمو میں شامل ہر اک لعب میں شریک
 کہیں کا سانگ تماشا کسی کا ہو تہوار
 دغا فریب ہو چوری ہو یا اچکا پن
 نہیں ہے چاک کسی کام سے لاکھیں زہنار
 اب ان کے واسطے ہیں یہ مدارجِ اعلیٰ
 پریس مین قلی - کوچوان - خدمت گار

انگریزی فیشن والے

رہا وہ جرگہ۔ جسے چرگنی ہے انگریزی
 سوواں خدا کی ضرورت ابنہ انبیاء کا راہ!
 وہ آنکھ میچ کے برخود غلط بنے ایسے
 کہ ایشیا کی ہراک چیسز پر پڑی دھتکار
 جو پوششوں میں ہے پوشش تو پس دریدہ کوٹ
 سواریوں میں سواری تو دم کٹا رہوار
 جو اردلی میں ہے کٹتا تو ہاتھ میں اک بید
 بجاتے جاتے ہیں سیٹی سلگ رہا ہے سگار
 وہ اپنے آپ کو سمجھے ہوئے ہیں جنٹلمین
 اور اپنی قوم کے لوگوں کو جانتے ہیں گنوار
 نہ کچھ ادب ہے نہ اخلاق۔ نے خدا ترسی
 گئے ہیں ان کے خیالات سب سمندر پار
 وہ اپنے زعم ہیں لبرل ہیں یا رڈیکل ہیں
 مگر ہیں قوم کے حق میں بصورتِ اغیار
 نہ انٹین میں رہے وہ نہ وہ بنے انگلش
 نہ ان کو چسپراج ہیں آئر نہ سجدوں میں بار

ہے استفادہ مکاری سے جن کو انشائیں
 قلم کے زور سے بنتے ہیں قوم کے غم خوار
 جو ہے بھی کوئی۔ تو لاکھوں میں ایک آدھ ایسا
 کہ تیر درد ہوا ہے جس میں جس کے دوسار
 دگر نہ کس کو یہ غم ہے؟ کہ میری پیاری قوم
 ہوا ہے زرد یہ کیوں تیرا چہرہ گلنار
 یہ تیرے پھول سے پنڈے پہ کیوں ہے میل کچیل؟
 یہ تیرے چاند سے مکھڑے پہ کیوں ہے گرد و غبار؟
 کہ ہر ہے تیری طبیعت؟ کہاں ہے تیرا دل؟
 جنموش کیوں ہیں؟ یہ تیرے لبِ شکر گفتار
 اٹا ہے خاک سے کیوں؟ تیرا دامنِ دولت
 چھبے ہیں کیوں تیرے تلوے میں مفلسی کے خار؟
 کہاں ہے وہ تری عزت کا گوہر رخشاں؟
 کہاں ہے وہ تری حشمت کا خلعتِ زرتار
 تری معاش کی کشتی ہوئی ہے طوفانی
 نہ بادباں ہے۔ نہ لنگر۔ نہ ڈانڈنے پتوار
 ہوا ہے گلشنِ اخلاقِ جل کے خاکستر
 چلی ہے کب سے یہ ایسی سمومِ آتشبار

بجائے سنبل و ریحاں کے اُٹھ رہا ہے دھواں
 بجائے پھول کے شعلہ عوض کلی کے شرار
 یہ تیرے علم کا دارا بحلال کیوں ہے خراب؟
 چھتوں پہ گھاس تو ٹوٹے ہوئے درو دیوار
 ترے مرض کی یہاں تک پہنچ گئی نوبت
 کہ تیرے حال پہ روتے ہیں بار اور اغیار
 رسوم بدلنے ترے ہاتھ پاؤں جکڑے ہیں
 فضولیوں نے تیرا کر دیا ہے سینہ ڈگار
 تری مڑک نے پنپنے دیا نہ تجھ کو حیثت!!
 تری اٹک سے تری ناؤ جا پڑی منجدھار
 وہ اہل فضل کہ تھے افتخار ہندوستان
 اب اُن کی نسل کو دیکھو تو ہے وہ ٹھیسٹ گنوار
 وہ جن کے نام سے نامی تھے شہر اور قصبات
 گداگری میں ہے مصروف اُن کا خیل و تبار
 وہ دو دمانِ امارت کے تھے جو چشم و چراغ
 اب اُن کے ہاتھ میں ڈھولک ہے یا بغل میں سدا
 جو منتخب تھے نجابت میں اور شرافت میں

اب اُن کی آل کو دیکھو تو سخت بد کردار
 یہ مانگتے ہیں جو گاڑی کسی مہاجن کی
 انھیں کے مورثِ اعلیٰ تھے صوبہ دار بہار
 ہے آج ٹکڑے کو محتاج اُن کی ڈرت
 کہ جن کی دھاک تھی سلٹ سے لیکے تا قنصر
 امارت اپنی امیروں نے قرض میں کھودی
 عوض میں دس کے دئے تنو تو تنو کے ایک ہزار
 بہت سے بن گئے عیاش ہو گئے برباد
 بہت سے بن گئے اوباش کھیلتے ہیں قمار
 قمار میں بھی نہ سیدھا پڑے کبھی پانسہ
 یہاں بھی خوبی قسمت سے جائیں بازی مار
 میں کیا کموں کہ وہ بھرتے ہیں کس کی چلیں آج
 یہ کل جو پھرتے تھے چھیلانے سب بازار
 وہ آج کرتے ہیں فاقے جو تھے بڑے ملکی
 نہ گھر میں گیہوں کے دانے نہ باجرانہ جوار
 ہے ٹھیکرا وہی روٹی کا پیر زادوں کی
 جو گائوں ہے کوئی باقی بطورِ وقف مزار

بنوئی تمام بتدیج منتقل جاگیس
 کہ جیسے روم کے قبضہ سے صوبہ بلغار
 نہ کوئی علم نہ صنعت نہ کچھ ہنر نہ کمال
 تمام قوم کے سر پر سوار ہے ادبار
 اگرچہ نشوونما پارہی ہے آزادی
 گھلا ہے امن و حفاظت کا قیصری دربار
 اگرچہ ملک میں علم و ہنر کا ہے چرچا
 حصول عزت و دولت کا گرم ہے بازار
 ہر ایک قوم میں گھوڑوڑ ہے ترقی کی
 درست ساز و یراق اور روایاں تیار
 لگا کے شوق کا ہنٹر۔ اُمنگ کی مہینر
 سمنر جہد کو سرپٹ اڑا رہے ہیں سوار
 ہے ان کا خوش طلب دوڑ وھوپ میں آنڈھی
 بہت فراخ ہے میداں زمین ہے ہموار
 دوران کے ناقہ بہتت کی ہیں ڈگیں لمبی
 اب ان کو طے مراحل نہیں ہے کچھ دشوار
 پلٹ گیا ہے زمانہ بدل گئی ہے رت

نو کا وقت ہے اور اب تداے فصل بہار
 نہیں بعید کہ ہو جائیں ایک سب جل تھل
 برس رہا ہے ترقی کا ابر گو ہر بار
 ہر ایک زرع نے سیکھا ترانہ بلبل
 بھخیروں نے اڑائی نوائے موسیقار
 غرض کہ سب ہیں صلاح و فلاح کے جو یا
 دیا ہے ولولہ شوق نے دلوں کو ابھار
 زمانہ چونک پڑا ہے پر اے مسلمانو!
 جھنجھوڑنے سے بھی ہوتے نہیں ہو تم بیدار
 نہیں ہو فہم و درایت میں تم کسی سے کم
 مگر چہ کار کند شیر شرزہ درین غار
 اور ایسا غار کہ بالکل جہاں اندھیرا گپ
 پھر اس میں شیر مرے پاجئے بدون شکار
 کروں گا اب میں قصیدہ کو اک دعا پر ختم
 کہ جس کے طرز بیاں میں ہوں تازہ نقش و نگار

دعا

رہے زمانہ میں جب تک زمین کو گردش

بنائیں زاویہ تا محور اور سطح مدار
 رہے زمین پہ تا ایک سال کے اندر
 برابری میں سدا امتداد لیسل و ہمار
 رہے زمین میں تا قوت کشش باقی
 اور اس کشش سے گرے ٹوٹ ٹوٹ کر اٹھار
 یہ ایک چاند رہے تا زمین کا خادوم
 جلو میں تا زحل و مشتری کے ہوں اقرار
 رہے بخوم میں جب تک زمین ستیارہ
 اور آفتاب رہے مثل نقطہ پر کار
 خدا ہر ایک مسلمان کو کرے روزی
 معاش نیک و دل پاک و خوئی کردار
 حصول علم و رہہ ستیقیم و فہم سلیم
 جمال صورت و معنی کمال عز و وقار

(۱۰) تہنیت جشن جوبلی حضور ملکہ معظمہ و کٹوریا قیصر ہند دام اقبالہا

جان نے تن میں کیا حکم ہے جس کے جلال

ہے خداوند حقیقی کو سزاوار سپاس

عقل نے تحت کی اسچ پڑھی مشعر

پارلیمنٹ کھلی کشور دل کے اندر

جس کا دانش کی لونڈی سے معطر تھا لباس

ایسے دربار مقدس میں اُسے بار ملا

حاضر نریم ہوئے ذہن و ذکا فکر و قیاس
 تو ہی خلاق ہے رزاق ہے اور ربّ اناس
 جس میں قدرت کے جڑے گوہر و علو الماس
 سامنے جن کے لگیں لعل و زمر و بھی اُداس
 جس میں حکمت کے کیا جمع مٹھاس اور کھٹاس
 تو نے رکھا کمر کوہ پہ چشموں کا نکاس
 خاک سے کرنا مٹی جو نہ سن اور کپاس
 کون بن سکتا یہ پرزیرے اور لباس
 تیری حکمت نے حیراں کو دیا اس کو پلاس
 ہے بھلا نقد بقا تیرے سوا کس کے پاس
 کشتی نوح کا تختہ نہ کلیم الیاس
 ہاں مگر عزت و دولت کا یہی ہے مقیاس
 تیری خلقت کا کیا جس نے دل جان سے پاس
 چڑھ گیا مغز میں جس شاہ کے غفلت کا لباس
 اور بھی اس کے تتمہ میں لکھے شعر پیش
 کس زبان سے ہو تری حمد و ثنا شکر و سپاس
 تیری رحمت سے نہ ہو غم زدہ کوئی بے آس

تہنیت نامہ سنانے کو بتعظیم و ادب
 مالک الملک ہے تو اور عزیز و جبار
 صحنِ عالم میں کیا خیمہ اطلس برپا
 دشت و کسار کو دی سبز و گل سے نیت
 شاخِ اشجار میں لٹکائے ثمر رنگا رنگ
 تاکہ دامانِ زمیں تازہ و شاداب رہے
 تو نہ مٹی سے اگانا جو چنے اور گیہوں
 کون کر سکتا یہ پڑوا لقمہ کھانے طیار
 تیری رحمت کے طلبگار ہیں سب شاہ و گدا
 تیری قدرت سے قوی حکم ہے تیرا ناطق
 آج اور نگِ سلیمان ہے نہ تختِ بلقیس
 ذکرِ خیر ان کا زبانوں پر ہے گا جاری
 برہ ورتا جو رسی سے وہی فی ہوش ہوا
 نیک نامی کی نہ پائی کبھی اُس نے خوشبو
 سن کے اس نام پر پڑ مغز کا مین نے نمون
 ہند پر قیصرِ عادل کو تسلط بخشا
 ملک کو تو نے نئے سرے سے کیا پھر سر سبز

دور ازین حال تباہی کی گھٹا چھائی تھی
 بن گیا تھا چمنستان سے چٹیل میدان
 شاہ گلشن تھے میغلاں تو ولیعہد تھے خار
 باغ شاہنشی ہند میں آئی تھی خزاں
 آل تیمور کے نورشید کا تھا وقت غروب
 ضعیف پیری سے حکومت کابلوں پر دم تھا
 تھے جدا سلطنت ہند کے ریزے ریزے
 مرزبانوں کے سرس پر تھا کوئی سرتاج
 مغربی گھاٹ سے اٹھتے تھے جو موجے پیہم
 غوری و خلجی و تغلق کے مٹے تھے دستور
 نام تھا نظم و نسق کا نہ سیاست کا نشان
 جاٹ گردی تھی کبھی گاہ مرہٹہ گردی
 پرتگیز اور ولندیزی و فرانسس بھی تھے
 جب کلایو نے پڑھی سیف و قلم کی سیفی
 فرس و دولت کی لگی ہونے نئی قطع و برید
 ہیٹنگز اور ولزلی نے عجیب کام کئے
 چارہ فرما ہوئے ڈلموزی و ولیم ہینٹنگ

سیل کی طرح سے طغیان تھے خوف ہراس
 سین بونٹے تھے نہ پھل پھول نہ ہریاں نہ گھاس
 لالہ و سوسن و نسریں کو ملا تھا بن باس
 چیل کوڑے تھے مگن پہل و طوطی تھے اداس
 شام ادبار کی ظلمت سکولوں میں تھی باس
 نہ تو اوسان ٹھکانے تھے نہ قائم تھے حواس
 جیسے چنیٹوں کی جماعت میں تقسیم ٹھاس
 جان اور مال کا تھا حفظ نہ ناموس کا پاس
 دامن کوہ بہالہ سے وہ کرتے تھے تاس
 شیر شاہی کی روش تھی نہ حصار نہ تھاس
 اکبری دور کی باقی نہ رہی تھی بوباس
 کبھی پٹاروں کا تھا ڈکھی کھوکھوں سے آس
 ملک گیری کی جنھیں بھوک تھی و مال کی پیاس
 کچھ گھٹے ہند کے دل سے خفقان و سواس
 پھٹ چلا جنگ پلاسی سے وہ پار پینہ پلاس
 نبض دولت کی سی بوگ تھے رفتار شاس
 آگنی طبع ممالک کو دو اُن کی راس

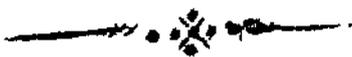
جس کے مشرق تھے یکلکتہ و بیجو مدراس
 ستلج و راوی و پنجاب۔ انک اور بیال
 فور تھ ولیم کی ہوئی ستم شمار انفاں
 تحت برٹش پہ ہوئی زیب فرائے اجلاس
 لانی پھر غدر کا طوفان ہوائے سواس
 نیر دولت و اقبال چڑھا سمت ال اس
 قیصری قصر کی ہونے لگی مضبوط اس
 اے ترے تخت میں احسان و محبت الماس
 بن گئے جان تن ہند کو تیرے انفاں
 کھو دیا سب جگر ملک سے درد و آماں
 حسن تدبیر کی جس وقت لگائی کمپاس
 بڑ گیا ٹوٹ کے پھر نظم و سیاست کا گلاس
 حاضر اسکول اطاعت میں ہوئی جگہ کلاس
 قاعدہ کوہ ہمالہ تو بکاری ہے راس
 تاثرات پہ ابھارے نہ کسی کو خناس
 سکہ زر کی طرح چل گیا تیرا قسط اس
 رومن و موم کی جا جلتے لگی برق و گاس

ہند میں کوکب انگلش نے کیا خوب عروج!
 واں پڑا سائپہ پرچم کہ جہاں بتے تھے
 اس صدی کے گئے جس وقت کہ سینڈنس
 ہر مجبٹی دی کون وراثت تاج و دہیم
 کپنی ہند کی ملاح رہی مدت تک
 غدر کے بعد ہوا دورہ شاہی آغاز
 پھر نئے سر سے ہوا کالج حکومت تریم
 اے ترے تاج میں انصاف عدالت گوہر
 عفو و تقصیر کا جاری کیا تو نے منشور
 تیری دولت کے بدتر تھے فلاطون زمین
 کھل گیا سطح حکومت کا نشیب اور فراز
 کر دیا ہند کے اجزائے پریشاں کو بہم
 اس انصاف کا پڑھنے لگے سب مل کے سبق
 سزم ہے ایک طرف دوسری نہاں برہما
 کس یا ملک کو قانون کی زنجیروں میں
 عہد دولت سے ترے پائی دلوں نے تسکین
 میں ہنر تیرے زمانہ کے بغایت روشن

ہمارے فاسنے یکساں ہے نہ کچھ دیر نہ جلد
 گاؤں درگاؤں ہوئیں علم کی ہنریں جاری
 فیضِ تعلیم سے عالم ہوئے جاہل ہندی
 دم بدم ابر ترقی ہوا گوہر افشاں
 دورِ شاہی نے ترے اُن کو بنایا انساں
 آدمیت کا پُرا اُن کے دلوں پر سایہ
 اکثر اضلاع میں کھلتی ہیں نائش گاہیں
 گائے بگری کی نہ ہوتی تھی جہاں پر پڑی
 بحر و بر میں سے ترے زیر نگین جتنا ملک
 بحرِ اعظم میں جہابت ہے ترے بڑے کی
 مملکت میں تری چھپتا نہیں سورج زہنار
 جشنِ جوہلی کا ہوا غلغلہ برپا گھر گھر
 تیری دولت کی دعایوں سے دلوں سے جاری

ریل کے آگے برابر ہے نہ کچھ دور نہ پاس
 اوکھ سے پیٹے لگے جن کو لگی زور کی پاس
 کوئی عالم کوئی منشی تو کوئی حرف شناس
 کوئی ایٹا لے کوئی بی لے کوئی ایم اے پاس
 جن میں کھانے کا سلیقہ تھا نہ تمیزِ لباس
 بعض قہ میں کہ جو خصلت میں تھیں عشاقِ سناس
 جمع ہوتی ہیں جہاں ملک کی صنعتی اجناس
 اب ٹان تازی و ترکی کہ میں لگتے تھاس
 شاید اس وقت نہیں اور کسی شاہ کے پاس
 بڑا عظم میں تری فوج سے دشمن کو ہراس
 ہے یہ جغرافیہ کی رو سے بہت ٹھیک قیاس
 خیر سے تخت نشینی کو ہوئے سال بچا پاس
 جیسے گنگو تری کے چشمے سے گنگا کا تھاس

فضل سے لپٹے کرے تجھ کو عطا عمر و راز
 جس کی قدرت کی کچھری میں معذور چر پاس



(۱۱) جاڑہ اور گرمی

ایک دن جاڑے نے گرمی سے کہا
 ہے بجا گر کیجئے میری صفت
 میں جہاں میں ہوں نہیں ہر دل عزیز
 میرے آنے سے نہ ہو کیوں خرمی
 چاندنی ہے بے کدورت بے غبار
 رات گرمی کی تو کچھ ہوتی نہ تھی
 میری آمد نے کیا شب کو دراز
 ٹوسافر کا جھلس دیتی تھی منہ
 اب ہوا بھی اور زمیں بھی سرد ہے
 تل گئی کتنے بکھیروں سے نجات
 دھوپ کا ڈر ہے نہ لو کا خوف ہے
 سوچ اب کتر کے جاتا ہے نکل
 ہے حضر میں کج کل عیش و نشاط
 میرے دم سے تندرستی بڑھ گئی
 ڈاکٹر صاحب کو فرصت مل گئی

میں بھی ہوں کیا خوب موسم واہ وا!
 ہے روا گر کیجئے میری شناسا
 مانگتے ہیں میرے آنے کی دعا
 کیا خشک پانی ہے! کیا ٹھنڈی ہوا!
 آسماں ہے صاف نیلا خوشنما
 دن کی محنت سب کو دیتی تھی تھکا
 میرے آنے نے دیا دن کو گھٹا
 اور زمیں تلووں کو دیتی تھی جلا
 کھو دیا میں نے حرارت کا پتا
 ٹٹیاں موقوف پنکھا چھٹ گیا
 ان دنوں کی دھوپ گویا غذا
 فصل تابناں میں تھا سر پر چڑھا
 ہے سفر بھی ان دنوں رحمت فرا
 پانی مدت کے مریضوں نے شناسا
 اب شفا خانہ میں کم ہے جگھٹا

ضعف معدے کی شکایت مٹ گئی
 کھیاں بھی رہ گئی ہیں خال خال
 گرم پوشاکوں لے اب پایا رواج
 سب گئے تو شک لباوے اور لحاف
 میرے ہوتے کون پوچھے برف کو
 مذی نالوں کا گیا پانی نہ تھر
 طالب علم اب کریں گے کوششیں
 ٹھیک وقت آن ورزشوں کا ہے یہی
 کرکٹ اور فٹ بال اور جمناسٹک
 حاکموں نے کر دیا دورہ شروع
 جا بجا فوجیں ہوئی ہیں مجتمع
 سیپ - نارنگی - بی - لیو - انار
 پستہ و بادام انگورو موز
 تخم ریزی جنس اعلیٰ کی ہوئی
 عین کی سی دھوم ہے دیہات میں
 ہے مٹھانی کی نہایت ریل پیل
 اُس ہے محنت مشقت سے مجھے

بے دوا خود بڑھ گئی ہے اشتہا
 بے تکلف اب ہے کھانے کا مزہ
 میں نے بخشا آن کر خلعت نیا
 درزیوں نے پایا محنت کا صلہ
 باسی پانی برف کا بھی ہے چچا
 جھیل اور تالاب نے پانی صفا
 کوششوں سے ہو گا پورا مدعا
 تندرستی کا ہے جن سے فائدہ
 کرتے ہیں مضبوط جسمانی قوا
 تاکریں درو رعایا کی دوا
 تاکہ میدان میں کریں مشق و فدا
 ذائقہ ہے جن کی صورت پر فدا
 میوہ ہر اک قسم کا بچنے لگا
 کھیت میں بویا گیا گیہوں چنا
 پاک گئی ایکہ اہر کو ٹھوچل پڑا
 چل رہی ہے آج کل میٹھی ہوا
 کاہلی کو میں نہیں رکھتا روا

مختی میں مجھ سے خوش میں ان سب خوش
 سن کے یہ باتیں ہوئی گرمی بھی تیر
 آپ اپنے منہ میاں مٹھو نہ بن
 اُس کو ہوتا ہی نہیں حاصل کمال
 باہر تو سرکشی کرتے نہیں
 تیری خود بینی ہوئی تجھ کو حجاب
 تجھ سے عالم میں خزاں کا ہے ظہور
 تو نے شاخوں کے لئے پتے کھسٹ
 میرے آنے سے پھلے پھولے شجر
 میں نے شاخوں میں لگائے برگ بار
 کھبت جاڑے بھر تو کچھے ہی رہے
 تو نے رکھے تھے بخیلوں کی طرح
 میں نے پگھلا کر کیا تقسیم اُسے
 خشک چشے بھر گئے دریا چڑھے
 تجھ سے تھی مخلوق میں افسردگی
 میری آمد نے مساوی کر دئے
 کر دیا میں نے رگوں میں خول روا

کاہلوں کا میں نہیں ہوں آشنا
 اور جل کر یوں جواب اُس کو دیا
 خود ستانی عیب ہے او خود ستا
 جو کہ اپنے آپ کو سمجھے بڑا
 بلکہ سر کو اور دیتے ہیں جھکا
 خوبیوں کو میری سمجھا بد نما
 مجھ سے ہے فصل بہاری کی بنا
 تو نے پیڑوں کو برہنہ کر دیا
 سبز پوشاک اُن کو میں نے کی عطا
 ورنہ تھا کیا اُن میں ایندھن کے سوا
 ہاں مگر میں نے دیا اُن کو پکا
 برف کے تو دے پہاڑوں میں چھپا
 تاکہ پتھچے سب کو فیض و فائدہ
 دیکھ لے میرا کرم - میری سخا
 کون خوش تھا، جز گروہ اغنیا
 راحت و آرام میں شاہ و گدا
 ٹھنڈ سے شل ہو گئے تھے دست پہا

میں نے کھولے اُن کرتن کے سام
پھینک دی اب دل کو کہنے خالق نے
رات بھر رہتی تھی خلقت گھر میں بند
ماری پھرتی تھیں لٹپیں پردیس میں
ٹوٹا ٹھا کر لے چلے غلہ کسان
میں نے حکمت سے چلائیں آنڈھیاں
میں سمندر سے اٹھاتی ہوں بخار
چہرہ گردوں کا یہ گرد و عنبار
رات پر دن کہ نہ کیوں تریج دوں
ہے ہمیشہ اب تدا میری بہار
تھیں غرض دونوں کی تقریریں دراز
سن کے ان دونوں کی ریح کج بھیاں
کچھ نہیں ہے اس میں جاٹے کا قصور
جب حقیقت پر نہیں ہوتی نظر

کیونکہ تھا رکنا پسینہ کا بُرا
غلغلہ جو میری آمد کا سنا
کر دیا اس بند سے میں نے رٹا
میں ہوئی اُن کو وطن کی رہنا
اب کریں گے قرض بنیوں کا ادوا
تا بدل جائے مکانوں کی ہوا
جس سے چھا جاتی ہے ملکوں پر گھٹا
ابر کے آنے کا دیتا ہے پتا
رات ہے تاریک دن ہے پرضیا
ہے سدا برسات میری انتہا
اور طولانی بیان ماجرا
ایک دانے کیا یوں فیصلہ
کچھ نہیں ہے اس میں گرمی کی خطا
یوں ہی رہتا ہے ہم شکوہ گلا

ہے حرارت کی کمی بیشی فقط
ورنہ جاڑا کون؟ اور گرمی ہے کیا؟

(۱۲) قصیدہ تہنیت سالگرہ حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند و ام قبا لہنا

ذات خداوند ہے قابلِ حمد و ثنا
 جس کی حمایت میں ہیں شاہ سے لے تا گدا
 امنِ جہاں کے لئے اُس نے بنائے ملوک
 عالمِ اسباب میں تھی یہی صورتِ بجا
 خدمتِ فرماں وہی طاعتِ حق ہے مگر
 تھوڑے ہی نکلیں گے جو کرتے ہیں خدمتِ ادا
 ایسے بھی ہیں تاج دار جن میں نہیں عدل و رحم
 دیتے ہیں بے بات بھی خون کے دریا بہا
 ایسی حکومت مگر جسمِ پے محدود ہے
 قبضہ میں اُس کے نہیں کچھ سروتن کے سوا
 توپ گر جتی ہوئی تیغ چمکتی ہوئی
 لازمہ سلطنت سمجھی گئی ہے سدا
 مملکتِ دل میں ہاں جس کا ہے سکہ رواں
 اُس کی روش اور ہے اُس کا چلن ہے جدا
 عدل و ہاں توپ ہے اور کرم تیغ ہے

شکرِ شاہنشہی مہر ہے واں اور وِلا
 جانتے ہیں ہم سبھی۔ کون ہے ایسا سخی
 قیصرِ ہندوستان حضرت و کٹوریا
 ایسے شہنشاہ کا سایہ ہو جس ملک پر
 اُس کے مبارک نصیب ہے وہی عشرت سرا
 اپنی رعایا پے یوں فیض ہے اُس کا محیط
 جوں کر وہ ارض کے چار طرف ہے ہوا
 اپنی رعایا اُسے ہے دل و جاں سے عزیز
 اُس کی رعایا اُسے دیتی ہے دل سے دعا
 ہم نہیں خسرو پرست ہم نہیں اہلِ غرض
 بدح شہنشاہ سے قصد ہے شکرِ خدا

(۱۳۱) قصیدہ ناتمام

تا کوئی فرخندہ پے دھوئے قدم
 تاکرے گلگشت کوئی خوش نظر
 تا معطر ہو کوئی عالی دماغ
 چاہتی ہے لذتِ قند و نبات

ہے اسی دُھن میں رواں گنگا و جمن
 منتظر ہے رونقِ باغ و چین
 دوڑتی ہے نکہتِ مشکِ ختن
 ہو کوئی طوطی منش شکر شکن

تاکسی نازک گلے کا تار ہو قمر دریا سے چلا ڈر عدن
 اگر تصور میں نہ ہو اک جامہ زیب کب کرے تیار کارِ یگر چکن
 مل گئی گنگا میں گنگا بن گئی
 جب الہ آباد میں پہنچی جن

قطعات

(۱) آرل آف میو و ایسر اے و گورنر جنرل ہندوستان
 کیسی اڑی ہے سمت جزائر سے خیبر
 بیٹھے بٹھائے اس خبر ہولناک نے
 کس آفتِ عظیم نے یارب کیا نزول
 لے مرگ ناگماں تجھے کیوں آگیا پند
 افسوس اس کا حلقہ ماتم میں ہے بیان
 وہ نام آج باعث ماتم ہے لے دریغ
 کس کو کیا ہے خنجر سید اودنے ہلاک
 کہتے ہیں لوگ آج قتلِ ستم سے
 کیا جان گزرا ہے قتلِ گورنر کا واقعہ
 واحسر تاکہ قافلہ سالار چل دیا
 کیا ہو گیا کہ صرصر غم ہے ہوائے ہند
 ڈالا وہ زلزلہ کہ ہلا دی بنائے ہند
 ہوتا نہیں بیانِ غم ماجرا کے ہند
 نواب ہندو حاکم کشور کشائے ہند
 تھا بزمِ عیش فکر سے جس کھنڈائے ہند
 جس کا لقب تھا نائیبِ وایسر اے ہند
 وہ حاکم مدبر و فرماں روا ہے ہند
 کہتے تھے جس کو مالک تیغ و لوہے ہند
 نامکدہ ہی چاہئے لکھنا بجائے ہند
 بے رونق و خراب ہے ہماں سر لے ہند

دستِ اجل نے توڑ دیا حیف پگہند
ہندوستان برائے غم و غم برائے ہند
کیوں کر روف پذیر ہو چاکِ قبائے ہند
جس کے سببے اشکِ مصیبت بہا ہند
رخصت ہو گئے ہند سے جبے ایسر گہند

ترکین رکیں سلطنتِ ہند اٹھ گیا
کیا انقلابِ دورِ زماں ہے کہ ہو گیا
اس حادثہ سے ہے جگرِ خلقِ پاش پاش
کیا نخس وہ جزیرہ دریاے شور سے
لے کاش جانتے کہ یہ ہے آخری وداع

ناتف نے دی ندا کھنفسوں تل کے یوں

بس دل شکن ہے آہِ غم و ایلے ہند
۱۸ ۶ ۶۴

(۲) شبِ برات ۱۷

انبار کھل چھڑی توپٹا خا پیا م تار
ترکانِ شیردل میں جہاں گرم کارزار
نظروں میں ہیں گروہی میدانِ کوہسار
اور بان کی تاک جھانک میں کمریشین سوار
تھا جس کے روم و مصر سے آنے کا انتظار
پہنچا جو شوملہ پہ تصور کار راہوار
میدان اور مورچے اور خیموں کی قطار
اور سسٹوا کو لوٹ رہے ہیں ستم شعار

محمود شبِ برات کا سامان ہے یہی
ہیں عالمِ خیال میں ہم بھی زوین کھڑے
بلگیر یا میں ہم کبھی آئے گئے نہیں
پھر تا جہاں رسالہ کا سک ہے دوڑتا
ہم وارنہ میں دیکھتے ہیں وہ ہجومِ فوج
اڑتا ہوا نشانِ ہلالی نظر پڑا
گو یا کہ دیکھ بھال کے ہم آئے ہیں ابھی
رہتی سے آہی ہے و نادون کی اک صدا

بھاگا ہے ترنوا کو نکولاس چھوڑ کر آتا ہے بے دھڑک جو سلیمان فی قمار

آئی پلیونہ سے نوید ظفر ہمیں

عثمان نے کیا ہے وہاں روس کا شکار

(۳) شبِ برات

میں سب سال تیرے کہاں تک کے شمار

اور تو ہر ایک سال میں آتی ہے ایک بار

تجھ کو تو خوب یاد ہے تاریخ روزگار

پہلے بھی تھا یہ فرقہ اسلام کا شعاب

جو فی زماننا ہے مرقح بہر دیار

حلوے کی چاٹ اور اناروں کی بیبار

یہ مشغلہ نہ ہووے تو بچے ہیں بے قرار

چھوڑے نہ جو انار وہ کا ہے کا دیندا

حلوائی اور بننے سے لے آتے ہیں ادھار

اسلام کا ہے اب تو اسی رسم پر مدار

لوگوں کے سر پر جب سے جمالت ہوئی سوار

کر بیٹھے ہیں مرا رسم بہیودہ اختیار

اے شبِ برات عمر ہے تیری بہت بڑی

ہے ہجرت رسول کو یہ تیرھویں صدی

دیکھا ہے تو نے آنکھ سے اسلام کا عروج

کرنا ہوں اک سوال مجھے تو جواب دے

کیا امتِ نبی کی یہی رسم راہ تھی؟

بول اٹھ جو تو نے دیکھی ہو گلے زمانہ میں

ہے فرضِ عین آج پٹانوں کا چھوڑنا

حلوانہ کھائے جو وہ مسلمان ہی نہیں

سامان کوئی گھر میں بیستر اگر نہ ہو

بچھرائیں دے کے فاتحہ مُردوں کے واسطے

بولی شبِ برات کہ میں کیا جواب دوں

اسلام کے طریق سے بس ہو کے منحرف

یہ قوم آج اہل جہاں کی نگاہ میں بد رسیموں سے آپسے اپنی ذلیل و خوار
اسلام میں پتا بھی نہیں جن رسوم کا
اصل اصول دیں انہیں کرنے لگے شمار

(۴) تاریخ وفات رسالہ جنگ بہادر مرحوم

وہ دکن کا مدبر بیکتا	رکن دولت وزیر نیک خصل
ملک رانی میں وہ یگانہ عصر	کار دانی میں بے نظیر و بہاں
اہل کشور کا وہ محبت دلی	اور نظام دکن کا خیر سگال
یعنی سالار جنگ نام آور	جو کہ تخت ارٹک تھا فی الحال
قوم کا ملک کا وطن کا دوست	کابل و قندھار ان اہل کمال
سلطنت کے رموز کا اُستاد	مملکت کے عقود کا حلال
اس کے عدل و کرم سے خلقت شاد	اس کے نظم و نسق سے ملک بہاں
عام کو چین خاص کو آرام	سلطنت کا خزانہ مالا مال
نہ ہوا اس کے عہد میں زہار	مفسدوں کے سوا کسی کو زوال
پھر اس کے دور میں خوش وقت	غریب اس کے وقت میں خوش حال
نیک نیک نیک نیک نیک نہاد	صاحبِ جمع و لطف و بذل و نوال
اس سے منسوب عزم اور بہت	اس سے مخصوص شوکت و جلال

نظر اُس کی دقیقہ سنج مان	خرد اُس کی محاسبِ انجام
امن اور عافیت کو استقلال	اُس کی رائے متین نے بخشا
شاہد مملکت کو حسن و جمال	اُس کی عقلِ سلیم نے بخشا
اٹھ گیا وہ امیر با اقبال	چل بسا وہ وزیرِ بادبیر
اے بسا مدعا کہ شد پامال	اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
لے کے دکھن سے تاحدِ شمال	شرق سے تا مالکِ مغرب
اُس کے ماتم میں ہیں پریشان حال	ہند سے تا بلکِ انگلستان
جس سخطا ہر وفات کا ہوسال	تو بھی محمود لکھہ کوئی تاریخ

آہ روشن قیاس و دانشور

آہ دانش ور و بلند خیال

۱۳

(۵) عید الفطر

یہ ریاضت ہے آدمی کو مفید	تیس دن بھوک پیاس کو روکو
حرص کی قید نفس کی تسدید	روزہ کیا چیز ہے بتائیں تمہیں
سب کو چھوڑو بحرِ خدائے وحید	سب کو بھولو کرو خد کو یاد
ہے وہی مثلِ آفتاب پرید	دو جہاں میں اسی کا جلوہ ہے
کہ خدارا چشمِ نتواں دید	دل کی آنکھوں سے دیکھئے لیکن

وحده لا اله الا هو
 تا بقدر کیجئے شلیل
 معتکف خانہ خدا میں بنو
 عید کرتے ہیں اس وتیرہ پر
 رمضان کا مہینہ یوں گزرا
 عید کے دن پڑھو نماز و دعا
 کہ خدایا نہ ہو سکی طاعت
 نہ ہوئی تیرے حکم کی تعمیل
 کوئی خدمت بجانہ لائے ہم
 جو ہوا تیری مہربانی سے
 شکر کی تو نے ہم کو دی توفیق
 شکرِ نعمت بھی تو نے سکھلایا
 کچھ نہیں ہے سو اگرت مجید
 تا با مکان چاہئے تجید
 کچھ تو سیکھو طریقہ تجرید
 جو خدا کے ہیں بندگانِ رشید
 ختم روزے ہوئے تو آئی عید
 عذرِ تقصیر کی کرو تمہید
 نہ ہوا ہم سے کوئی کارِ سعید
 نہ ہوئی اہلِ رشد کی تقلید
 جنسِ عقیقی کی کر سکے نہ خرید
 نا تو انوں کی تو نے کی تائید
 شکر سے تیری نعمتیں ہیں مزید
 ورنہ تھا ہم سے تو بہت ہی عید

جا کے حامد سے یہ کہو محمود

اب کے عیدی لکھی گئی ہے جید

(۶) عیدِ لضحیٰ

عیدِ قربان یادگار دینِ ابراہیم ہے
 کیا خوشی کا دن ہے یہ بھی بت کوہِ قہم

شوق میں اطرافِ عالم سے چالی تہی ہے خلق
 ساکنانِ رُبعِ مسکوں جمع ہیں مکہ میں آج
 مختلف سب کی زبانیں اور جدا شکلِ لباس
 سر زمینِ مکہ تھی ویرانہ بے برگ و بار
 کاروانِ بحرو براس کی طرف ہیں دوڑتے
 نسلِ انسانی بہم ہوتی ہے اس جا روشناس

روسیو کعبہ۔ دل مشتاقِ آثارِ حرم
 روسی و جاوی و ہندی ترکی و مصری بہم
 پر طوافِ کعبہ میں سب ہم خیال و ہم قدم
 قدرتِ حق نے مگر نخواستہ سے جاہ و حشم
 مرکزِ عالم ہے الحق وہ مقامِ محترم
 ہے یہ میدانِ انتخابِ کمالانِ ذی بہم

آپ کی عیدی ہے حامد یا کوئی تاریخ ہے

ایسی عجلت میں بھلا ہوتے ہیں یہ مضمون رقم

(۷) عیدِ اضحیٰ

عازمانِ طوافِ بیت اللہ
 کارواں کارواں روانہ ہوئے
 ناخدا نے اٹھا دیا سنگر
 کر چکے طے محیطِ اعظم کو
 ساکنانِ نوحِ دور و دراز
 شوقِ حج میں کیا سفرِ آغاز
 لے کے نامِ خدا بے بندہ نواز
 جا لگے ساحلِ عرب پہ جہاز
 ہو گئے داخلِ حدودِ حجاز
 بانڈھا احرام تاکھکے کچھ راز
 باخضوع و خشوع و عجز و نیاز
 پھرتے ہیں خانہٴ خدا کے گرد

گر کے نام خدا پے قربانی ہوئے قربان عاشق جان باز
 کر کے غسل و وضو چلو محمود عید گہ کو پئے ادائے نماز
 اب کے عیدی لکھی گئی کیسی
 ہے نیا طرز اور نیا انداز

(۸) نذرانہ پیر حلیہ

جو کچھ نہیں با کار ہے جو کچھ ہے سو بے سود
 اپنے ہی تختیل سے میں یہ جگہ طلسمات
 جب زور ہوا وہم کا سب ہو گئے پیدا
 ذکر و طلب و فکر و تمنا میں سب اوٹا
 یاں ہے نہ وہاں ہے نہ ادھر ہے نہ ادھر ہے
 اقرار نہ انکار نہ کچھ علم نہ ادراک
 ہے روشنی سب ایک نہ تمیز نہ تفریق
 ہر چیز مٹھائی کے بکثرت میں کھلونے
 ہر قسم کا منشا ہے وہی ایک حلاوت
 نے کشف و کرامت نہ مناصب نہ مراتب
 جو کچھ ہے کم و بیش اسے کیجئے منظور
 نیز نگ دو عالم ہے تماشائے خیالی
 نے حق ہے نہ باطل ہے نہ سافل ہے نہ عالی
 یہ نیک ہے۔ یہ بد۔ یہ جلالی۔ یہ جمالی
 موجود نہ معدوم مقدم ہے نہ تالی
 ظاہر ہے نہ باطن ہے نہ حالی ہے نہ قالی
 ذاتی نہ صفاتی نہ حقیقی نہ خیالی
 گنتی میں ہزاروں میں چراغانِ دوالی
 سب ایک میں جب ٹوٹ گئی شکل مثالی
 گو مختلف اقسام ہے معمور ہے تھالی
 جب کھل گئی آنکھیں تو نہ کھریا ہے نہ جالی
 جلتے ہیں کہیں پیر حلیہ نذرانہ سے جالی

(۹) خوابِ راحت

کل رات کی بات ہے کہ مجھ کو
 جھٹ پٹ تکیہ پر رکھ دیا سر
 کچھ آنکھ جھپک گئی تھی لیکن
 دیکھا تو ہوا کا سنسانا
 رہ رہ کے تڑپ رہی ہے بجلی
 پڑنے لگیں بوندیاں ٹپاٹپ
 ہلٹھ جو مچا۔ اُچٹ گئی نیند
 سب سو گئے جاگتا رہا میں
 خوابِ راحت بھی ہے عجب چیز
 اے نیند! نمونہ قیامت
 تو آئی ہوئے حواس بیکار
 جس وقت اتر گئی گھٹاسی
 پھر چھوٹو گئی ہمیں جہاں میں
 پایا۔ تو کہیں تجھے نہ دیکھا
 ہے تیری عجیب حکمرانی
 جھونکا سا غنودگی کا آیا
 دن بھر کا تھا میں تھکا تھکا آیا
 اتنے میں کسی نے پھر جگا یا
 کچھ اور ہی رنگ روپ لایا
 اور ابر ہے آسماں پہ چھایا
 سوتے لوگوں نے غل مچایا
 جوں دھوپ سے بھاگ جا گیا
 تب دل میں خیال یہ سمایا
 کیا عالم بے خودی ہے چھایا
 تو نے ہمیں آنکھ سے دکھایا
 کیا جانئے تو نے کیا سونگھایا
 آنکھوں کا چراغ ٹٹھمایا
 پھر زیست کا ذائقہ چکھایا۔
 دیکھا تو کہیں تجھے نہ پایا
 دنیا کی پلٹ گئی ہے کایا

زن میں فوجوں کو جلا چھاڑا
 دہقان کو کھیت میں کیا چیت
 ریوڑ کی خیر نہیں کہاں ہے
 لینے کو درخت پر بسیرا
 ڈھوڑوں نے بھی چھوڑ دی جنگالی
 جب چور کی آنکھ میں سمائی
 رہن کی بھی راہ باٹ ماری
 کھوٹی ہوئی راہ روکی منزل
 ماؤں کو دیا ہے تو نے آرام
 روتے روتے تھپک گئی آنکھ
 بیگم - ملکہ - غریب - بڑھیا
 غم دور ہوا ٹکڑ گدا کا
 بیٹری سے رکانہ ہتکڑی سے
 شاہوں کی بھی کرو فریٹادی
 تڑپیں پردے نہ فرشِ محل
 جب سو گئے ہو گئے برابر
 جج کے بھی حواس ہیں معطل
 بن میں شیروں کو جا دیا یا
 گو کھیت کو گیدروں نے کھایا
 چرواہے کو گھاس پر لٹایا
 چڑیوں نے پڑوں میں سر چھپایا
 چپ میں نہیں کان تک ہلایا
 اُس نے چوری سے جی چرایا
 رہگیر کو خوف سے بچا یا
 پھیلا کے جو پاؤں سنسنا یا
 بچوں کو تھپک تھپک سٹلایا
 جھولے میں جھولا رہی ہے دایا
 تیرا آنا سبھی کو بھایا
 جھولی ہے نہ جھونپڑی نہ سیایا
 مجوس کو قید سے چھڑایا
 نے تاج نہ تخت نے رعایا
 ایوان ہے گم سمجھا سجانیا
 کب شاہ و گدا میں فرق پایا
 فیصل ہوئے قصہ و قضایا

ٹھنڈا ہوا تاجروں کا بازار
 ہے نقد کماں کدھر گئے ٹوٹے؟
 لالہ کو نہیں رہی ذرا سُدھ
 بینوں کا اُلٹ دیا ہے پتھر
 بیمار کی آنکھ لگ گئی ہے
 کچھ ہوش نہیں ہے ڈاکٹر کو
 اوسان نہیں حکیم جی کو
 تبرید پلائیے کہ مُسہل
 پنڈت بھی ہوئے پخت ایسے
 ملا کو بھی ہو گیا ہے زیاں
 تعریف نہ کر سکے مُنڈسین
 جغرافیہ داں کی راہ گم ہے
 کچھ یاد نہیں موڑنوں کو
 بھولا ہے کتاب طالبِ علم
 مطرب کی عجیب گت بنائی
 عابد۔ زاہد۔ فقیر۔ جوگی
 چونکا نہیں قافلہ تری کا
 سودے کا معاملہ چُکایا
 ساہوکاروں کو کھٹک بنایا
 کیا ڈیوڑھا اور کیا سویا
 روکڑ ہے نہ جنس ہے نہ مایا
 دُکھ درد کا گرب سب مٹایا
 پٹنٹس لگے زخم پر کہ پھایا
 کیا نیند نے لکڑے سنگھایا
 سب بھول گئے کیا کرایا
 اشرمان کئے نہ جل چڑھایا
 بھولا ہے مسائلِ ہدایا
 کیا شکل ہے قائم الزوایا
 لنگا ہے کدھر کدھر تلایا
 کیا کیا بروئے کار آیا
 آٹا تو نے سبق پڑھایا
 کھڑاگ جہان کا بھلایا
 صوفی کا بھی ہو گیا صفایا
 ہر چند جاز ڈنگایا

نچتے نہیں ریل کے مسافر
 باقی نہ رہا کوئی تردد
 سب مشغلے ہو گئے فراموش
 دنیا کی خبر نہ دین کا ہوش
 انجن سنے ہزار غل مچایا
 جھکڑوں میں تھا جان کو کھپایا
 اپنا ہی رہا نہ کچھ پرایا
 کیا ساغر بے خودی پلایا
 تو نے کیا پنڈ کو مسدّد

قدرت ہے بڑی تری خدایا

(۱۰) سید احمد خان

تن بے سر کی طرح قوم پڑی تھی بچاں
 سر وہی دسلہ اللہ تعالیٰ سید
 قوم بد حال کے اندیشہ غمخواری سے
 نہ گئی طالبِ صادق کی تنگ تاز عیث
 ڈالی آخر کو بدستانِ خرد کی بنیاد
 انقلاباتِ زماں سے ہو تحفظ کیونکر
 پس مرتب ہوا مجموعہ دستورِ عمل
 کثرتِ رائے سے اب پاس ہو اورہ قانون
 سر جو پایا تو اٹھی بہرِ قیام اور قعود
 رہبری جس کو ہے میرا رہہ وول کی مقصود
 کبھی خالی نہ رہا جس کا دلِ درد آمو
 کھل گیا قوم کی بہبود کا بابِ مسرود
 ہو گیا جلوہ نما وہ جو تھا ذہنی معہود
 ناگزیر اس کے لئے چاہیں آئین و حدود
 تاکہ ہر عہد میں کام آئے پے اصل عقود
 جس سے مقصود ہے کالج کا دوام اور خلود

۱۵ مرتبہ شہداء بیٹھ اس موقع پر لکھا گیا تھا جب کہ قانونِ رٹسٹیان کی بابت باہم اختلاف تھا۔

قوم نے فرط مسرت سے سنا یہ مژدہ
 ہو گیا دور تن قوم کو تھا جو خطرہ
 صدوی سال رہے زندہ ابھی پر بزرگ
 دور میں فہم و خرد کی ہمیں دکھلاتی ہے
 خدمت قوم پہ آمادہ ہوا وہ مخدوم
 کچھ مسلمان نہی نصرت اُس کو بھلا جاتیں
 حظ وافر ہے اُسے نو و کن سے حاصل
 اُس کے سینہ میں قدرت نے ودیعت رکھی
 یہ سلیمان ہی کرے گا اُسے الحق کامل
 وادیں ورطہ نسیاں میں آبا جباب
 صلح کے ساتھ اگر ذکر کریں بھی تو کریں
 اتفاقات سے گر ہو بھی گیا کوئی نزاع
 ہر شرارہ سے بچو بھقش سے اڑانے نہ کیں
 زید ہو۔ عمر ہو۔ یا ماد شما کوئی ہو
 ناں لگو ایک جو شوریدہ دل سوختہ ہے
 قوم کا قیس ہے اوقیس فنا فی اللیلے
 بکشتی نوح کو زہار نہ توڑو یاروا!

سید القوم کا ہم کار ہے سپہ محمود
 بشد احمد کہ ایک اور بھی سر ہے موجود
 نوح کی عمر کو پہنچے یہ جوان مسعود
 قوم کا نیر اقبال ہے مال بصعود
 نام کی طرح سے ہیں کام بھی جس کے محمود
 مانتے ہیں اُسے انگریز بھی۔ نیز اہل ہند
 ملتے گنگ و جمن کا ہے مگر اُس کا وجود
 علم و حکمت کے گہر فضل و بلاغت کے نقود
 جس عمارت کی بنا ڈال رہے داؤد
 چھڑ گئی تھی وہ جو اک بحث بہم رنج آلود
 نہ کہ آپس میں لڑیں مثل نصاریٰ ہو
 بزم قومی میں نہ سلگاؤ اُسے صورتِ عود
 ایک مخزن ہے جہاں جس میں بھری ہے بارو
 سب کے ممنون ہو جو قوم کی چاہے بہبود
 چار سو گونجتی ہے جس کی فغان فرود
 نہ وہ حاسد ہے کسی کا نہ کسی کا محسود
 پے کرو ناقہ صلح کو نہ بوں قوم نمود

اور ہی چیز ہے وہ اُس کو نہ چھڑو زہار اور ہی شخص ہے وہ اُس سے الجھنا بے سود
اُس سے تفصیل کا دعویٰ ہو تو دعویٰ بے بنیاد اُس کی تذلیل کی خواہش ہو تو خواہش مردود

اُس کے حالات و واقعات وہ دانندہ راز

جس کے قبضہ میں ہے کل کارِ گریبِ شہود

(۱۱) تمنیت سالگرہ ملکہ و کٹوریہ

سندو حضرات! جب گوئے زمیں نے لگائے تین سو پینسٹھ ٹھہریں چکر
تو افضال الہی سے مع الخیر ہوا بارِ دگر یہ دن میسٹر
کوئین و کٹوریہ کا رشتہ عمر چوتھرواں پڑا آج اُس میں گوہر
اُسی کی تمنیت کا ہے یہ جلسہ مسرت اور خوشی ہے جلوہ گہتر
محبت خیر خواہی حق شناسی نظر آتی ہے اس جلسہ کے اندر
عجیب صورتیں مسرور وفا کی اگر ہوئیں نہ ہوئیں ہم سے بہتر
خوشی کا دن ہے اور وہ تمنیت ہے کہ جس کا جوش ہے سب میں برابر

غرض ہم سب خدا سے چاہتے ہیں

دوامِ دولت و اقبال قیصر

۱۵۔ یہ قطعہ بہ تقریب تمنیت سالگرہ حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند ۱۸۹۲ء میں سید اقبال احمد صاحب

مرحوم نے پڑھا تھا۔

(۱۲) قطعہ تاریخ وفات سید اقبال احمد مرحوم

الایا ایہا الاخوان و احباب
 بہارِ نوجوانی کا تھا آغاز
 ہماری آرزو کی تھی روشِ اور
 یکایک صدمہ بادِ فنا سے
 قضا را اگر سرِ مدفن گزرو
 کہ تھے ہم بھی تمہاری طرح خوش حال
 قریب ختم تھا بایسواں سال
 زمانہ چل رہا تھا اور ہی چال
 نہال تن ہو آدم بھر میں پامال
 تو ہاں - آدو ستدارانِ خوش اعمال

دعا کرنا کہ ہو سیرابِ رحمت

ریاضِ جاوداں میں جانِ اقبال

(۱۳) مرثیہ مولوی حافظ رحیم اللہ صبا (اکبر آبادی)

قصہ درو جاں گزا سنئے
 پوچھئے نالہ و فغاں کا سبب
 کیوں سمجھئے فسادِ آب و ہوا
 موت کو دیکھئے نہ کچھ الزام
 عمر کو کیجئے سفینہ شمار
 ماجرائے الم فزا کہئے
 موجبِ گریہ و بکا کہئے
 کیوں ستمگاری و با کہئے
 کارِ فرمائی قضا کہئے
 دہر کو لُجسہ فنا کہئے

۱۵ مرتبہ ۱۸۹۳ء ۱۶ مرتبہ ۱۸۹۶ء

ہنے عبت علت و مرض کا بیاں
 وہ جو تھی بزم صحبت احباب
 کیجئے ماتم رحیم اللہ
 اکبر آباد کا ادیب اریب
 فضل و دانش میں علم حکمت میں
 عربی کے کلام کا انداز
 سخن فارسی کی راہ و روش
 دیکھئے ریختہ کی آن و ادا
 کیجئے شیون سخندانہ
 کر کے شعر و سخن سے قطع نظر
 ہاں زروئے محاسن اخلاق
 پاک دل پاک طبع نیک نہاد
 اے خوشادہ! کہ نیک نام جیا
 جسم زنداں ہے روح زندانی

سفرِ ناگزیر کو الحق

آخریں نعمتِ خدا کیئے

(۱۴۴) ایک گدھا شیر بنا تھا

پایا تھا اک گدھے نے کہیں پوستینِ شیر
 سوچا کہ آڑ خوب ہے کچھ کھیلے شکار
 پہنا اور اس پاس کے کھیتوں میں جا گھسا
 دیکھا جو شیر سہم گئے اس سے کاشتکار
 اتنے میں اپنی بولی جو بولا تو کھل گیا
 ہے شیر کے لباس میں پوشیدہ اک حمار
 جب کھل گیا فریب تو پھر مارے طیش کے
 لے لے کے اپنی لاٹھیاں سب پل پڑے گنوار
 چاروں طرف سے گھیر کے لی خوب ہی خبر
 لوگوں نے مار پیٹ میں رکھا نہ کچھ ادھار
 مرنے میں کیا رہا تھا مگر خیر ہو گئی
 بھاگا دبا کے دم تو بچی اس کی جان زار
 چھپتی نہیں ہے بات بنائی ہوئی کبھی
 آخر کو ہو کے رہتی ہے اصلیت آشکار
 بچو سدا تکلف و ناراستی سے تم

کرتا ہے آدمی کو یہ شیوہ ذلیل و خوار
 رستے کو راستی کے نہ زہنا چھوڑنا
 ہوتا ہے راستی ہی سے انسان رستگار
 جو بات تھی صلاح کی وہ ہم نے دی بتا
 آئندہ اپنے فعل کا ہے تم کو اختیار

(۱۵) بخیلی اور فضولی

اری بخیلی! اور اے فضولی! تمہارا دونوں کا منہ ہو کالا
 گناہ گاری کے تم ہو چشمے تمہیں سے نکلیں خراب زمیں
 تمہیں نے دم بھر میں سب گنوا یا تمہیں نے سب خاک میں ملایا
 کمانے والوں نے جو کمایا بصد مشقت کئی برس میں
 نہ مال و دولت کے فائدوں ہی سے کر کے محروم تم نے چھوڑا
 بنایا بد عہد اور بے دیں کھلا میں جھوٹی ہزار قسمیں
 لگا کے حرص و طمع کا پھندا۔ سکھایا خود مطلبی کا دھندا
 بنایا حق تلفیوں کا بندہ۔ پھنسا کے تم نے ہوا ہوس میں
 ہوئی بخیلوں کی کیا بڑی گت نہ پاس عزت نہ کچھ سمیت
 نہ حوصلہ ہی رہا نہ ہمت نہیں ہے فرق ان میں اور گس میں

لٹا کے دولت کو اپنی مسرف ہوئے ہیں کیا کیا ذلیل احمق
کہ جیسے بے بال و پر کی چڑیا اسیر ہو گوشہ قفس میں

(۱۶) کاشتکاری

گنج زر خاک سے اگلوایا	کیسا شغل کاشتکاری ہے
کر چکا جب کسان اپنا کام	پھر خدا سے امیدواری ہے
آفتِ ارضی و سماوی سے	ہے نگہاں۔ تو فضلِ باری ہے
نہیں حاصل پہ دسترس نہ سہی	بیچ بونا تو اختیاری ہے
وقت صنایع نہ کر۔ اگیتی بو	سینچ لے کھیت نہ جاری ہے
جوت۔ بو۔ سینچ پھر تو گل کر	نہ کیا کچھ تو شہِ مساری ہے
سرسری ساگ پات کومت جان	اس پہ تو زندگی ہماری ہے
جڑ۔ تنہ۔ ڈال۔ پات پھل اور پھول	دستِ قدرت کی نقشِ کاری ہے
اپنی قوت سے قوت حاصل کر	مفتِ خواری حرامِ خواری ہے
کاملی سے گھٹا نہ پیداوار	یہ تو بڑھیا گناہگاری ہے
اپنے اوپر ستم روا مت رکھ	واجب اپنی بھی حق گزارا ہے
بیل سے پڑھ جفا کشی کا سبق	کچھ اگر تجھ میں ہوشیاری ہے
کام میں کھپ رہا ہے بیچارہ	ناشتا ہے نہ کچھ نہاری ہے

رات کاٹی جہاں سمائے سینک
عیش و عشرت پہ لات ماری ہے
ٹھک گیا تو زمین پہ بیٹھ گیا
کس قدر مشق خاکساری ہے
بیل ہے پر نہیں کسی کا وہیل
کرتا اوروں کی غمگساری ہے
صبر و محنت کی یہ کڑی منزل
اُس کو ہلکی ہے تجھ کو بھاری ہے
دیکھ چو پایہ سے نہ بازی مار
تیری ہمت اگر راری ہے

کچھ نہ کچھ کام کر اگر تجھ کو

آدیت کی پاسداری ہے

(۱۷) کاشتکاری

جو تو نے غفلت میں وقت کھویا نہ کھیت جو تانہ بیج بویا
تو ایسی ڈوبی ہوئی اسامی سے کوئی حاصل بٹائے گا کیا؟
رہے گا یہ کھیت ہاتھ اُس کے جو ہل سے کشتی لڑے گا دن بھر
جو ہار بیٹھے گا اپنی ہمت تو وہ زمیں کو اٹھائے گا کیا؟
خوراک و پوشاک کے ذخیرے دبے پڑے ہیں زمیں کے اندر
جو کر کے محنت نہ کھو دے گا تو خاک پینا کا کھائے گا کیا؟

(۱۸) قرض

دام بلا ہے قرض پھنسنے اور ہوسے شکار
کنیا تے ہی رہو گے سدا قرض خواہ سے
دیکھو! یہ قرض وعدہ خلافی نہ دے سکھا
جب تک باہل جان نہ جانو گے قرض کو
گر ڈریشا ہوارے کوڑیوں کے مول
مقروض ہو گئے تو پیادہ سے ہو بتر
غالب کہ ریل پر بھی ہو قطع سفر محال
کشتی نوح پر بھی چڑھے گر بطور قرض
مقروض کی نہیں ہے زمانہ میں آبرو
تم جانتے ہو گرچہ بڑا سود خوار کو
وہ بندہ درم سہی اُس کا غلام کون؟

ہے پاس آبرو- تو رہو ہوشیار تم
اس ننگ عار کو نہ کرو اختیار تم
ہو جاؤ گے جہان میں بے اعتبار تم
ہرگز زین سکو گے کفایت شعار تم
زینہار بھول کر بھی نہ لینا اُدھا تم
مانا کہ رکھتے ہو فرس راہوار تم
جو قرض کے ٹکٹ سے ہوئے ہوسوار تم
مجھ کو یہ خوف ہے کہ نہ پہنچو گے پار تم
یوں اپنے دل میں بات بناؤ نہزار تم
ہے اصل یہ کہ بن گئے بے سود خوار تم
اپنے ہی دل میں سوچ لو اپنا وقار تم

پھر ہو سکے گا کوئی بھی افسوں نہ کارگر

لقمہ کو قرض کے نہ کرو زہر مار تم

— (❖) —

(۱۹) سب سے زیادہ بد نصیب کون

اُس سے دنیا میں نہیں کوئی زیادہ بد بخت جو نہ دانا ہو۔ نہ داناؤں کا مانے کہنا
 آج آفت سے بچی جان تو کل خیر نہیں ایسے نادان کا مشکل ہے سلامت مینا

(۲۰) ہمت

گھوڑ دوڑ میں کو دانی کی بازی تھی ایک دن تازی پے کوئی تیر کی پے اپنے سوار تھا
 جو پچکچا کے رہ گیا۔ سورہ گیا ادھر جس نے لگائی ایڑوہ خندق کے پار تھا

(۲۱) اپنے فعل پریشانی

پیش آئے جو مصیبت پڑتی ہے سو بھگتی رہتی ہے یوں تسلی مرضی ہی تھی بکی
 پر اپنے کو لوگوں سے آتی ہے جو مصیبت ہوتی ہے ساتھ اُس کے شرمندگی غضب کی

(۲۲) معافی میں سرور ہے

نادموں کی خطا معاف کرو ہے معافی میں لذت اور سرور
 اپنے دل میں ذرا کرو انصاف کون ہے جو ہے بے خطا و قصور



(۲۳) انتقامِ علاجِ خطا ہے

جو انتقام نہ لینے سے ہو خطا افزوں
تو یہ تمھاری خطا ہے جو انتقام نہ لو
وہ کام جس سے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچے
تم اس کے کرنے سے زہارِ ہاتھِ انتقام نہ لو
جو انتقام سے منظور ہو خوشی اپنی
تو ایسے کام کا تم بھول کے بھی نام نہ لو

(۲۴) خطا کو خطا نہ جاننا ہلاکت ہے

ہے بیمار تو۔ لیک بچنے کے قابل
گر اپنی خطا کو خطا جانتا ہے
مگر ایسے نادان کا کیا ٹھکانا
کہ جو درد ہی کو دوا جانتا ہے
بڑا مانتا ہے جو سمجھائے کوئی
بُرانی کو اپنی بھلا جانتا ہے
وہ انجام کو روئے گا سر پکڑ کر
نہیں اس میں دھوکا خداجانتا ہے

(۲۵) ہر کام میں کمال اچھا ہے

کوئی پیشہ ہو زراعت۔ یا تجارت۔ یا علم
چاہے انسان کو پیدا کرے اس میں کمال
کالوں کی عمر بڑھ جاتی ہے خود کرو جسا
بانہر کا ایک دن اور بے ہنر کا ایک سال

(۲۶) دوراندیشی

جنھیں دی ہے خدائے عقل دانا ہے اُن کو آج ہی سے فکر کل کی
مسافر چل پڑا جو آخر شب تو ہو جاتی ہے منزل اُس کی ہلکی

(۲۷) بدی کے عوض میں نیکی کرنا

ہر ایک جانور کا یہی خاصہ ہے بدی کے عوض میں بھی کی تو کیا کی
ہے البتہ وہ شخص انسانِ کامل جہا کے مقابل میں جس نے وفا کی

(۲۸) قولِ فعل میں مطابقت چاہئے

دیرینہ رسم و راہ سے قطع نظر کرو برتاؤ آج کل کے زمانہ کے اور ہیں
دلِ شرق میں پڑا ہے پرکتے میں غرب کی کھانے کے دانت اور دکھانے کے اوپل

(۲۹) دل کی یک سوئی خلوت ہے

اگر دل گرفتار ہے غمخسوں میں تو خلوت بھی بازاو سے کم نہیں ہے
مگر جس کے دل کو ہے یک سوئی حال تو وہ انجمن میں بھی خلوت نشین ہے

عزلیات

(الف)

تعریف اُس خدا کی جس نے جہاں بنایا
پانوں تلے بچھایا کیا خوب فرشِ خاکی
سٹی سے بیل بونے کیا خوش نما اگلے!
خوش رنگ اور خوشبو گل مچول میں کھلائے
میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ سیلے
سورج سے ہم نے پانی گرمی بھی روشنی بھی
سورج بنا کے تونے رونق جہاں کو بخشی
پیاسی زمیں کے مُنہ میں منیہ کا پوایا پانی
یہ پیاری پیاری چڑیاں بھرتی ہیں جو چکتی
تینکے اٹھا اٹھا کر لائیں کہاں کہاں سے
اوپنی اڑیں ہو ایس بچوں کو پر نہ بھولیں
کیا دودھ دینے والی گائیں بنائیں تونے
رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسر
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تونے

کیسی نہیں بنائی! کیا آسماں بنایا!
اور سر پہ لاجوردی اک سائباں بنایا
پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا
اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا
چکھنے سے جن کے مجھ کو شیریں زبان بنایا
کیا خوب چشمہ تونے اے مہر باں بنایا
رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکان بنایا
اور بادلوں کو تونے مینہ کا نشاں بنایا
قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا
کس خوبصورتی سے پھر آشیاں بنایا
اُن بے پروں کا ان کو روزی ساں بنایا
چڑھنے کو میرے گھوڑا کیا خوش عنان بنایا
ان نعمتوں کا مجھ کو ہے قدر داں بنایا
مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاری گری شکتی

یہ کارخانہ تو نے کب رائے گاں بنایا

۲	علیک السلام لے شفیع البرایا
الوالعزم تجھ سانہ آئے نہ آیا	علیک السلام لے امیں الہی
کہا جو خدا نے وہ تو نے مٹنایا	علیک السلام لے رفیع المدراج
کسی نے نہیں تیرے رُتبے کو پایا	علیک السلام لے ستورہ خضایل
فدا خلق پر تیرے اپنا پرایا	علیک السلام لے جمیل الشائل
جو اوور وُف و کریم السجایا	علیک السلام لے امان و عالم
ترا دامنِ لطف ہے سب پہ چھایا	علیک السلام لے جمالِ معانی
نہ تھا تیرے جسمِ مطہر کا سایا	علیک السلام لے محبِ خیریاں
ترے علم نے پارامت اٹھایا	علیک السلام لے ترا نور اقدس
ہے سلطان اور حجابِ عالم برمایا	علیک السلام لے تجھے ات حق نے
جو اول بنایا۔ تو آخر دکھایا	علیک السلام لے شہنشاہِ وحدت
کہ توحید کا تو نے سکّہ بٹھایا	علیک السلام لے طیبِ ہنانی
دلوں میں جو تھے روگ سب کو مٹایا	علیک السلام لے شفا کے مجتم
عجب تو نے صحت کا نسخہ پلایا	علیک السلام لے سوارِ بک و
کسی نے تیری گردِ رہ کو نہ پایا	علیک السلام لے رسالتِ پناہی
خدا کا نہیں تو نے رستہ بتایا	

علیک اسلام لے ہدایت کے مرکز تجھے حق نے انسانِ کامل بنایا

درود و سلام و صلوة و تحیت

یہ لایا ہے حامد تحف اور ہدایا

تھارے تیر میں انداز تھا نظر کا سا
ہر ایک دل کا ہے نقشہ مرے جگر کا سا
رقیب سر بھی پگھلتے تو میں نہ بلتا کاش
بلانہ بخت مجھے تیرے سنگِ در کا سا
فروغِ مریخ یہ نظر میں سا گیا یک بار
کہ شام ہی سے مرا حال ہے سحر کا سا
سزائیں عبا ر کا داماں شہسوار پہ ہے
بلا فرشتہ کو رتبہ کہاں بشر کا سا
پیامِ مرگ سے لیتا ہوں میں شگونِ وصال
گماں ہے تیر پہ بھی مریخِ نامہ بر کا سا

کسی کی برقِ تبسم جو دل میں کو نڈگئی

تو چشمِ تر کا ہوا حال اب تر کا سا

دڑھ دڑھ حیرتی ہے مہرِ تنویر کا
بے خودی آئینہ ہے ہنگامہ تکبیر کا
بیٹھ ہی جاتی ہے دل میں گوجھ میں کچھ آئے
میں تو دیوانہ ہوں اس کی دلِ با تقرر کا
ہے مسلم نازِ کیا تھی اُسے ہر رنگ میں
جلوہِ نقشِ آفریں خاکہ ہو جس تصویر کا
توڑا صنایم ہوا اور دل کو ویرا نہ بنا
ہے یہی سنگِ بنا اس کعبہ کی تعمیر کا
جیغ وہ سائل کہ کچھ دے کر جسے خصلت کیا
و اے وہ نالہ صلہ جس کو ملا تاثیر کا
عیبِ پوشی کو ہمیشہ کام فرمایا کئے
کشتہ الطاف ہوں یارانِ بے تدبیر کا

۱۔ یہ سلام محمد ماجوان مرگ فرزند مصنف کی فرمایش سے لکھا گیا تھا۔

یا غباز کی کار فرمائی سے دیتا ہے خبر
 اُس کے آنے کی توقع کر رہی ہے نفعِ روح
 غایتِ ترکیبِ اعضا ہے یہی کچھ کام کر
 جرم بھی اور خیرگی! یہ سیرتِ اہلس ہے
 ہے اشارہ پر قلم کے لشکروں کی صلح جنگ
 گلشنِ عالم میں چلنا صرصرِ تغیر کا
 صورتِ اسرائیل ہے کھٹکا مجھے زنجیر کا
 کاہلی لے بے خبر منشا نہیں تقدیر کا
 ابنِ آدم کو ہے شایاں غدہ ہی تقصیر کا
 دو گرہ کی چوبے دم بند ہے شمشیر کا

آہ کھانا ہی پڑا داغِ فراقِ دائمی

قہر تھا ہونا کبھی اک لمحہ کی تاخیر کا

دل گیا ہاتھ سے کیا ہاتھ سے داماں نکلا
 مر گئے دیکھ کے آثارِ سحرِ شامِ وصال
 دیکھ بے ہوش مجھے اشکِ فناں میں جبا
 چارہ جوشِ جنوں خانہ خرابی نہ ہوئی
 کس قدر دل میں مرے جوشِ شکستہ آن
 بس کہ ہے نقشِ قدمِ دامِ گرفتاری جاں
 پھر گئے دل ہی بیکِ گردشِ چشمِ کافر
 آخری وقت کے وعدہ نے کیا شادی مگر
 گھر سے ترے پاؤں کی مانند گریباں نکلا
 دشمنِ جانِ ستم کشِ رنجِ جاناں نکلا
 جذبہٴ شوقِ تو برخواہِ عسزناں نکلا
 گھر سمجھتے تھے جسے ہم سو بیاباں نکلا
 کوئی سالم نہ ترے تیر کا پیکاں نکلا
 اُن کے ہر گام پہ اک گنجِ شہیداں نکلا
 دور میں کوئی بھی تیرے نہ مسلمان نکلا
 ہمہ جاں دلِ بلیوس کا ابرماں نکلا

نکلے تم غیر کے گھر سے کہ مری جاں نکلی

جس کو دشوار سمجھتے تھے وہ آسان نکلا

تو اور عذرِ طعنِ رقیباں غضب ہوا
 ڈر کر ہلاک بوالہوس بے ادب ہوا
 لبریز شکوہ ہائے تغافل تھا میں نے
 لیتے ہیں ترکِ عشق سکھانے کے واسطے
 کیا آگے اُس کے ولولہ شوق سراٹھائے
 میرے سوا حریفِ ستم کوئی بھی نہ تھا
 دل پارہ پارہ جب نہ ہوا تھا تو اب ہوا
 اُن کو بھی میری جان شکنی سے عجب ہوا
 لوشکر کا سبب گلہ بے سبب ہوا
 دل نذر جاں فزائی حُسنِ طلب ہوا
 سجدہ کیا تو ملزمِ ترکِ ادب ہوا
 اب مہربان ہو گئے یہ کیا غضب ہوا
 ان کا نہ آستانہ سے باہر قدم بڑھا

سوارِ انتظار میں جاں بلب ہوا

ہے بے لبِ زبان بھی غلِ تیرے نام کا
 خوش ہے ملامتِ اہلِ خرابات کے لئے
 نخوت ہے جس کے کاسہ سر میں بھری ہوئی
 جاگیرِ در و پر ہیں سرکارِ عشق نے
 وادیِ عشق میں نہ ملا کوئی ہم سفر
 آسودگی نہ ڈھونڈ کر جاتا ہے کاواں
 کھولا ہے مجھ پر بہرِ حقیقتِ مجاز نے
 کھاتا نہیں فریبِ متائے دو جہاں
 مبت رکھ طمع سے چشمِ متع کہ ہے یہاں
 محرم نہیں ہے گوشِ مگر اس پیام کا
 اس سلسلہ میں نام نہیں ننگِ نام کا
 کب مستحق ہے محفلِ نداں میں جام کا
 تحریر کر دیا ہے وثیقہ دوام کا
 سنتے تھے نامِ خضر علیہ السلام کا
 لے مستعارِ برق سے وقفہ قیام کا
 یہ پختگیِ صلہ ہے خیالاتِ خام کا
 خوگر نہیں ہے تو سن بہت لگام کا
 دانہ ہر ایک مردِ مکِ دیدہ دوام کا

پہنچا دیا خود دو عالم سے بھی پرے
 مظرب نے راگ چھڑو یا کس مقام کا
 ظلمت میں کیا تیز سفید و سیاہ کی
 فرقت میں کچھ حساب نہیں صبح و شام کا
 جس کی نظر ہے صنعتِ ابرو نگار پر
 ہے وہ قاتل تیغ۔ نہ کشتہ نیام کا
 یہ ہو تو کچھ بھی نہ کرنا کر قرض و وام کا
 رستہ کی انتہا نہ ٹھکانا مقام کا
 سچ پوچھئے تو ہے دل ناکام کام کا
 گردیکھئے تو خاطرِ ناشاد شاوہے

اٹھے تہی نقاب تو اٹھ جائے ایک بار

سب تفرقہ یہ روز و شب و صبح و شام کا

رسوا ہوئے بغیر نہ نازبتاں اٹھا
 جب ہو گئے سبک تو یہ بارگراں اٹھا
 معنی میں کرتلاشِ معاشِ مانع و دل
 حیواں صفت نہ لذتِ کام و ماں اٹھا
 گر خندہ یاد آئے تو سینہ کو چاک کر
 یا آنکھ اٹھا کے چشمِ فسوں ساز کو نزدیک
 یا عمر بھر مصائب و دوزماں اٹھا
 اُس انجمن میں جائے اب کس امید پر
 بے یاد و دستِ عمرِ گرامی نہ صرف کر
 وصل و فراق وہم سہی دل لگی تو ہے
 پھر ہم کہاں جو پردہ زائر نہاں اٹھا

پروانہ کی تپش نے خدا جانے کان میں

کیا کہہ دیا۔ کہ شمع کے سر سے دھواں اٹھا

میں در پہ ترے ناصیہ سا ہونہں سکتا ۹ دشمن کا بھی نقشِ کفِ پا ہونہں سکتا
 باقی نہ رہی غیر کو اب جائے شکایت شکرِ ستم یا رادا ہونہں سکتا
 سب کچھ تو کیا ہم نے پر کچھ بھی نہ کیا پاک جبران ہیں کیا جائے کیا ہونہں سکتا
 اُس کو چہ میں کیوں غیر شہدِ ذہن پھرتے گرجخ سے جز جو روحنا ہونہں سکتا
 اعدا سے ہوئے وہ سُقرہ عدہِ خلائی میں مسکرِ تاثیرِ دعا ہونہں سکتا
 پامال کیا بے سرو پائی نے صدا فوس دل ہم قدمِ رنگِ حنا ہونہں سکتا
 جس دل سے کدورت نہ گئی خاک ہے وہ دل

کیا آئینہ جو اہل صفا ہونہں سکتا

و میں سے جب کہ اشارہ ہو خود نمائی کا عجب کہ بندہ نہ دعوے کرے خدائی کا
 مٹے جو رتبہ ترے در کی جہہ سائی کا تو ایک سلسلہ ہوشاہیِ رگدانی کا
 نہیں ہے فیض میں خست و لیک پیدا تفاوتِ آئینہ و سنگ میں صفائی کا
 یہاں جو عشق ہے بے تاب جلوہ دیدار وہاں بھی حسنِ محرک ہے خود نمائی کا
 بتوں کے سامنے بت گر گھسے حسینِ نیاز میں شیفہ ہوں تری شانِ کبرائی کا
 نہ گر کسی کی جرائی - نہ بن بھلے سے بُرا بھلا بھلا ہے بُرا کام ہے جرائی کا
 بنائیں بگڑی ہوئی کو تو ایک بات بھی ہے بگاڑنا نہیں مشکلِ بنی بنائی کا
 اٹھا حجاب تو بس دینِ دل دئے ہی بنی جنابِ شیخ کو دعوے تھا پار سائی کا
 تمہارے دل سے کدورت مٹائے تو جانیں کھلا ہے شہر میں اک محکمہ صفائی کا

ہوتے ہیں گرسرو ساماں کے جمع کرنے کی
سوائے بے عشق نہیں کوئی رہبر چالاک
تلاش کر سرو سامان بے نوائی کا
وہاں بزد کو نہیں حوصلہ رسائی کا
اسی کا وصف ہے مقصود شعر خوانی سے
اسی کا ذکر ہے منشا غزل سرائی کا
نہیں ہے اب کے زمانہ کی یہ روش زہنار

میں یادگار ہوں خاقانی و سنائی کا

آغازِ عشق عمر کا انجام ہو گیا " ناکامیوں کے غم میں مرا کام ہو گیا
تم روز و شب جو دست بدستِ عدو پھر کے میں پائمالِ گردشِ ایام ہو گیا
میرا نشان مٹا تو مٹا پر یہ رشک ہے وردِ زبانِ خلق ترا نام ہو گیا
دل چاک چاک نغمہ ناقوس نے کیا سب پارہ پارہ جامہٴ احرام ہو گیا
اب اور ڈھونڈئے کوئی جولاں گہ جنوں صحرا بقدرِ وسعتِ یک گام ہو گیا
دل پیچ سے نہ کڑھتا پھر خم کے چھٹ سکا بالاروی سے مرغِ تہِ دام ہو گیا
اور اپنے حق میں طعنِ تغافلِ غضب ہوا غیروں سے ملتفتِ بتِ خود کام ہو گیا
تائیرِ جذبہ کیا ہو کہ دلِ اضطراب میں تسکیں پزیرِ بوسہ بہ پیغام ہو گیا
کیا اب بھی مجھ پر فرض نہیں دوستی کفر وہ ضد سے میری دشمنِ اسلام ہو گیا
اللہ نے بوسہ لبِ مے گوں کی آرزو میں خاک ہو کے ڈرڈو تہِ جام ہو گیا
اب تک بھی ہے نظرِ طرفِ بامِ ماہِ وِش میں گرچہ آفتابِ لبِ بام ہو گیا
اب حرفِ ناسزا میں بھی اُن کو دینے ہے کیوں مجکو ذوقِ لذتِ وِشنام ہو گیا

نامہربانیوں سے یوں پائمال کرنا ^{۱۲} اہیہات! دوستوں کو دشمن خیال کرنا
 روزِ جزا میں آخر پوچھنا جائے گا کیا؟ تیرا پتہ لگانا۔ میرا سوال کرنا
 اوشسوار اتنی اچھی نہیں ہے عجلت ہیں چند پاشکستہ۔ ان کا خیال کرنا

ناقص بھی کاملوں سے کچھ کم نہیں کہ ان سے
 سیکھا ہے کاملوں نے کسبِ کمال کرنا

کام اگر حسبِ مدعا نہ ہوا ^{۱۳} تیرا چاہا ہوا برانہ ہوا
 خاک اڑتی جو ہم خدا ہوتے بندگی کا بھی حق ادا نہ ہوا
 سب بتایا کئے نیازِ قیم وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا
 رخصتِ ایام کو قرار کہاں ادھر آیا ادھر روانہ ہوا
 کیا کھلے؟ جو کبھی نہ تھا پنہاں کیوں ملے؟ جو کبھی جدا نہ ہوا
 سخت فتنہ جہان میں اٹھتا کوئی تجھ سارے سوانہ ہوا
 جو گدھا خوئے بد کی دلدل میں جا پھنسا پھر کبھی رہا نہ ہوا
 تو نہ ہو یہ تو ہو نہیں سکتا میرا کیا تھا ہوا ہوا نہ ہوا

رہ رو مسک توکل ہے

وہ جو محتج غیر کا نہ ہوا

نتیجہ کیونکر اچھا ہو نہ ہو جب الیک عمل اچھا

نہیں بویا ہے تخم اچھا تو کب پاؤ گے پھل اچھا

کروست آج کل حضرت ابرائی کو ابھی چھوڑو

نہیں جو کام اچھا۔ وہ نہ آج اچھا نہ کل اچھا

برے کو تک بھی کرنے اور توقع نیک نامی کی

دماغ اپنا سنوارو تم! نہیں ہے یہ خلل اچھا

جو ہو جائے خطا کوئی۔ کہ آخر آدمی ہو تم

تو جتنا جلد ممکن ہو کرو اُس کا بدل اچھا

ذرا غم زدوں کے بھی غم خوار رہنا^{۱۵} کریں ناز تو ناز بردار رہنا

فراخی و عشرت میں شادی و غم میں بہر حال یاروں کے تم یار رہنا

سمجھ نزد باں اپنی ناکامیوں کو کہ ہے شرط بہت طلب گار رہنا

کرو شکر ہے یہ عنایت خدا کی بلاؤں میں اکثر گرفتار رہنا

اگر آدمی کو نہ ہو مشغلہ کچھ بہشت بریں میں ہو دشوار رہنا

خبر بھی ہے آدم سے جنت چٹھی کیوں خلاف جبلت کتابے کار رہنا

سمجھتے ہیں شیروں کو بھی نرم چارہ

غزالانِ شہری سے ہشیار رہنا

یاد تیری یاد ہے نام خدا^{۱۶} ورنہ ہم کیا اور پہاڑی یاد کیا؟

صدر آرا تو جہاں ہو صدر ہے اگرہ کیا اور الہ آباد کیا

مبدأ فیاض کے شاگرد کو حاجت آموزش استاؤ کیا

لاک کسوٹی ہے ترے کردار کی

مرتبہ کیا مال کیا اولاد کیا

نقابِ جوہر میں روپوش اک لطفِ نہاں نکلا^{۱۷} وہ میرے حال پر مجھ سے بھی زیادہ مہرباں نکلا
 نہ تھا بزمِ احبابی میں تیرا ذکر دشمن بھی بیاں کرتا سر بازار تیری داستاں نکلا

حجابِ شاہِ مطلق نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا

جسے ہم لامکاں سمجھے تھے وہ بھی اک بے مکاں نکلا

جو بھلے جڑے کی اٹھل نہ میرا شعور ہوتا^{۱۸} نہ جزائے خیر پاتا۔ نہ گناہ نگار ہوتا

بے بخودی کا ساقی! مجھے ایک جبرو بس تھا نہ کبھی نشہ اُترتا۔ نہ کبھی خمار ہوتا

میں کبھی کام بھی رہتا۔ نہ غمِ فراق سہتا اگر اپنی زندگی پر مجھے اختیار ہوتا

یہ جو عشقِ جانستاں ہے۔ یہ وہ جو بیکراں ہے نہ سنا کوئی سفینہ کبھی اس سے پار چلتا

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو سلوک ایسا کہ جو تم سے کوئی کرتا تمھیں ناگوار ہوتا

ہے اس سخن میں یکساں عدم و وجود میرا

کہ جو میں یہاں نہ ہوتا یہ ہی کاروبار ہوتا

سنو گے مجھ سے میرا ماجرا کیا؟^{۱۹} کہا کرتے ہیں افسانوں میں کیا کیا؟

نہیں تشویشِ آئندہ کہ ہو کب؟ گزشتہ کا تخیٹر ہے کہ تھا کیا؟

نہ کرفتیش ہے خلوتِ نشین کون؟ تا تل کر کہ ہے یہ بر ملا کیا؟

ہے اک آئینہ خانہ بزمِ کثرت بتاؤں غیر کس کو؟ ماسوا کیا؟

بجز نکلا ہی نہ ہو قعرِ عدم سے
 فقط مذکور ہے اک نسبتِ خاص
 جہاں نقشِ قدم ہو روحِ قدسی
 بگاڑے گی اُسے موجِ فنا کیا؟
 مقتدر ہے خبر کیا؟ مبتدا کیا؟
 وہاں پہنچے گی عقلِ نار سا کیا؟
 لگاؤں "شیتا اللہ" کی صدا کیوں؟
 بھلا دوں "یفعل اللہ ما یشاء" کیا؟

۲۰

سلام

محرم کا چاند آسماں پر جو چمکا
 مصیبت کا بیدار کا بے کسی کا
 وطن سے جدا دشتِ غربت میں جا کر
 یشیرانِ حق - اور وہ دنیا کے کتے
 کیا ظلم بے وجہ سلطانِ دین پر
 شہیدوں کی ہے تشنگی یاد آتی
 رضا اور تسلیم صبر و توکل
 یہ وہ دن ہے جن دن میں ڈھایا گیا،
 برستی ہے دیوارِ دور سے اُداسی
 ترپتی ہے بجلی تو روئے ہیں بادل
 تو یاد آ گیا واقعه رنج و غم کا
 غضب کا جفا کا بلا کا ستم کا
 ہو قتل کنبہ شفیع الامم کا
 لیٹھوں نے کاٹا اسرائیلِ کرم کا
 یہ لالچ تھا دنیا کے جاہ و چشم کا
 نہ ہو چشمہ لبریز کیوں چشمِ نم کا
 مصیبت میں شیوہ تھا اہلِ کرم کا
 جو کعبہ عرب کا - تو پسلمہ عجم کا
 ہے چھایا ہوا ابرِ رنج و الم کا
 کہ ہے آج کا دن شہیدوں کے غم کا

کرے کوئی تحریر و تقریر کیونکہ
نہ جراتِ زباں کی نہ یارِ قلم کا

متفرقات

سب جھوٹ ہے کوئی کیا کرے گا ہو گا وہی جو خدا کرے گا
کرتے دو بدی کرے جو کوئی اُس کا بھی خدا بھلا کرے گا
خواہشوں نے ڈبو دیا دل کو ورنہ یہ بحسبِ بیکراں ہوتا

ردیف (ب)

کیا کیا اجل نے جان چرائی تمام شب کوئی بھی آرزو نہ برآئی تمام شب
دل سوز کب ہوئے ہیں کب خال ہو گیا تربت پے میری شمع جلائی تمام شب
لے وائے تلخ کامی روزِ بدِ فراق ناصح نے جانِ غم زدہ کھائی تمام شب
از بس یقین وعدہ دیدارِ خواب تھا کیا خوش ہوئے کہ نیند نہ آئی تمام شب
اک آہِ دل نشیں میں وہ بیتِ منفعل ہوا واسد کیا ندامت اٹھائی تمام شب

لگتے ہی آنکھ دیکھ لیا جلوہٴ نہاں

پیشِ نظر تھی شانِ خدائی تمام شب



روایف (ض)

میرے مذہب میں ہے تیری نوافل	نہیں معلوم کیا واجب ہے کیا فرض
قنا بعد قنا بعد قنا فرض	شعور رہتی موہوم ہے کفر
کہاں سنت کدھر واجب کجا فرض	نہیں آگاہ مست بادہ شوق
دعا واجب پہ ترک مدعا فرض	رہ تسلیم میں از روئے فتوے
کہ ہر حالت میں ہے یاد خدا فرض	نہ چھوٹے کفر میں بھی وضع ایماں
بقدر فہم لیکن کر لیا فرض	نہیں دیکھا کسی نے حسن ستور
مجھے کرتے ہیں کیوں اس سجدہ فرض	نہ مانوں گانہ مانوں گا کبھی میں
کہ ہے اخفائے راز دلر با فرض	نہ کھولوں گانہ کھولوں گا زباں کو

بلا سے کوئی مانے یا نہ مانے

چلو ہم کر چکے اپنا ادا فرض

روایف (میم)

السلام لے نور امکاں السلام	السلام لے شاہ شاہاں السلام
اے شفیع اہل عصیاں السلام	لے تھی دستوں کے حامی مرجا
اے رسول خاص بزداں السلام	السلام اے سجدہ گاہ قدسیاں

السلام اے رحمتہ للعالمین	رہ نمائے حق پڑو ہاں السلام
السلام اے بادشاہ جن وانس	وارث ملک سلیمان السلام
اے تہری باتیں کلام کردگار	اے ترادل عرش رحمان السلام
افتخار آدم و نوح و خلیل	اے عرب کے مہرتاباں السلام
بت پرستی نیرے آنے سے مٹی	قبلہ گاہِ حق پرستان السلام
تھا جو کوہستان و ریگستان عرب	کر دیا تو نے گلستان السلام
فتح کر ڈالے ترے خدام نے	مصر و شام و روم و یونان السلام
ہو گئے سب تیری دعوت میں شریک	ترک و ایران و خراسان السلام
یا بنی السیف یا نور السکندر	منسلکِ حق کے نگہباں السلام
شاہدِ انجیل و توریت و زبور	موردِ آیاتِ قرآن السلام
کشتیِ دوران کو ہے تجھ سے قیام	لنگرِ کشتیِ دوران السلام
جان و ایماں کو ملی تجھ سے شفا	اے طبیبِ جان و ایماں السلام

عرضِ حاضر ہے یہی با صد نیاز

اے عرب کے مہرتاباں السلام

روایف (ن)

ظاہر تو ہے تو میں نہاں ہوں ^(۱) باطن تو ہے۔ تو میں عیاں ہوں

تو ہی تو ہے تو میں کہاں ہوں
 اوّل - آخر - نہ درمیاں ہوں
 دم بند ہے کیجئے نہ ہاں ہوں
 ناقہ بھی ہوں میں ہی سارباں ہوں
 بیروں زمین و آسماں ہوں
 اب تک بھی وہیں ہوں میں جہاں ہوں

تو ہی ظاہر ہے - تو ہی باطن
 تیرے ہوتے کہیں نہیں میں
 تو تو میں میں نے مار ڈالا
 میں ہی لیلے ہوں میں ہی محل
 ہوں کچھ قفس میں بند لیکن
 دریا کی طرح رواں ہوں لیکن

جز نام نہیں نشان میرا

سچ مچ میں بحسب سیکراں ہوں

ہوں وہم جدائی سے عجیب رخ و سخن میں
 ہو گرم سفر ناچہ ملک و وطن میں
 چھپتا ہی نہیں پیرہنِ نوز و کفن میں
 خاکستر پروانہ ہے بیاب لگن میں
 رونق ہے ذرا نالہ بلبل سے چمن میں
 کچھ بات نکلتی ہے تو بے ساختہ پن میں
 ہر دم جو ترقی نہ کر نہ چال چلن میں
 حالانکہ مرا بخت پہنچا ہے دکن میں
 میری تو مگر میری تھا شعر کے فن میں

وہ پیرہن جان میں جاں جھکتن میں
 مقصود زیارت ہے اگر کعبہ دل کی
 وہ قامت و لکش ہے عجب فتنہ عالم
 لے شمع ابھاشک چھپا راز محبت
 شورش مری بے جا ہے نہ فریادِ نجی
 تاثیر ہو کیا خاک جو باتوں میں گھرت ہو
 کتر ہے دد و دام سے انساں ہر اتب
 ہوں میں تو وہی متکف گوشہ عزت
 سچ ہے کہ سو ابھی تھا اُستادِ زمانہ

آخر حیرت چھپ نہ سکے گا نقاب میں
 پامال شوخیوں میں کرو تم زمین کو
 روشن ہے آفتاب کی نسبت چراغ سے
 دل کی گرہ نہ وا ہوئی درداشبہِصال
 رنجِ عتاب ز اہد مسکیں کو مفت ہے
 جاں میں تے نامبر کے قدم پر تھار کی
 ہنس ہنس کے برق کو تو ذرا کیجے بقرار
 واعظ سے ڈر گئے کہ نہ شامل ہو ہم آج
 ساقی ادھر تو دیکھ کہ ہم پرست میں
 داخل نہ دشمنوں میں نہ احباب میں شمار
 کس کس کے جو راٹھائیں گے آگے کو دیکھئے
 پیغامبر اشارہ ابرو سے مر گیا

شرماؤ گے تمہیں نہ کرو ضد حجاب میں
 ڈالوں فلک پے زلزلہ میں اضطراب میں
 نسبت وہی ہے آپ میں اور آفتاب میں
 گزری تمام بستی و کشادہ نقاب میں
 یہاں اتقا میں سعی و ماں اجتناب میں
 تھا پیش پا فادہ یہ مضمون جواب میں
 رو رو کے ابرو کو من بٹوتا ہوں آبیں
 ترتیب محفل سے و چنگ و رباب میں
 کچھ ہستی انکے بھی ملاوے شراب میں
 بے فضول ہوں میں تمہارے حساب میں
 دشمن ہے چرخ پیر زمان شباب میں
 پھر جی اٹھے گال ب بھی ملا دو جواب میں



۴ مجالِ تیغِ بہت علم دیکھتے ہیں
 جو بیٹھے تھے یاں پابدانِ ہستی
 کمالاتِ صنایع پہ جن کی نظر ہے
 نہیں مبتلا جو تنِ آسائیوں میں
 انھیں سرِ جبیبِ عدم دیکھتے ہیں
 وہ خوبیِ مصنوع کم دیکھتے ہیں
 انھیں دمِ بدم تازہ دم دیکھتے ہیں
 وہی لطفِ جاہ و حشم دیکھتے ہیں
 ایسے حیفائے شکم دیکھتے ہیں
 خدا جانے کیا بات ہم دیکھتے ہیں

اڑاتے ہیں جو خوش بہت کو سرپٹ

وہ منزل کو زیرِ قدم دیکھتے ہیں

۵ مجھے دل لگی کے ٹھکانے بہت ہیں
 سلامت ہے سر تو سر ہانے بہت میں
 مگر غوئے بد کو بہانے بہت ہیں
 جو تشریف لاؤ تو ہے کون مانع
 کہ یاں مرد کم اور زمانے بہت ہیں
 اثر کر گئی نفسِ رہن کی دھمکی
 شکارِ افکنوں کو نشانے بہت ہیں
 معطل نہیں بیٹھے شغلِ والے
 دبے اس کھنڈر میں خزانے بہت ہیں
 کرو دل کے ویرانہ کی گنج کاومی
 ابھی تجکو آنسو بہانے بہت ہیں
 نہ اے شمعِ رورو کے مرثام ہی سے
 کہ مشہور ایسے فسائے بہت ہیں
 پو امیری رواد پر حکمِ آخر
 چھپے قدرتی کارخانے بہت ہیں
 نہیں ریل یا تار برقی پے موقوف

بچے کیونکہ پچارہ مرغِ گرسنہ بکثرت ہیں دام اور دانے بہت ہیں

بس ایک آستانہ ہے سجدہ کے قابل

زمانہ میں گواہ تائے بہت ہیں

اتنا تو جانتے ہیں کہ بندے خدا کے ہیں
ممنونِ برگِ گل ہیں نہ شرمندہ صبا
کیا کوہ کن کی کوہ کنی کیا جنونِ فیس
بنیانِ عمرست ہے اور نعمانِ دہر
اپنے وجود کا ابھی عقدہ کھلا نہیں
شیخ اور بہین میں اگر لاگ ہے تو ہو
جن کو عنایتِ انلی سے ہے چشمِ دہشت
لایا نہیں ہنوز نویدِ وصالِ دوست
سمجھو اگر تو ہیں وہی سبکِ حرصِ تر
ان بددلوں کے معشوق کو بدنام کر دیا
ہمت ہمائے اوجِ سعادت ہے مرد کو
ہے اشکِ آہِ راسِ ہمارے مزاج کو
جو باندھتے ہیں طرہ طرہ کا خیال
کھٹکا بھی کچھ ہوا نہیں اور دل اڑا لیا

آگے جو اس گم خردِ نار سا کے ہیں
ہم بلبل اور ہی چمنِ دلکشا کے ہیں
وادِیِ عشق میں یہ مقام ابتدا کے ہیں
مغرور اپنے کو شکِ عالی بنا کے ہیں
مصروفِ حل و عقد میں ارض و سما کے ہیں
دونو شکارِ غمخیز اسی دلربا کے ہیں
وہ معتقد و عا کے نہ قائلِ دوا کے ہیں
ہم شکوہ سنجِ سستی پیکِ سبا کے ہیں
طالبِ خدا سے جو دلِ بے دعا کے ہیں
جو مرتکبِ شکایتِ جو روحنا کے ہیں
آلو ہیں وہ جو شیفہِ نطلِ ہما کے ہیں
یعنی پلے ہوئے اسی آبِ ہوا کے ہیں
ناداں امیدوارِ نزولِ بلا کے ہیں
یہ سارے ہتکھنڈے تری زلفِ دوتا کے ہیں

ضید کہ شمع اس لئے ہوتے نہیں کہ ہم
 مارا بھی اور مار کے زندہ بھی کر دیا
 خلوت میں بھی روانہیں گستاخی نگاہ
 یوں کہہ رہی ہے زگیں بیماری کی ادا
 اب تک ہے سجدہ گاہ عزیزان روزگار
 اندیشہ ہے کہے نہ اُدھر کی اُدھر لگا
 سیر و رودِ قافلہ نو بہار دیکھ
 جاتا ہے خاک پاک دکن کو یہ ریختہ
 پہلے سے زخم خوردہ فریب و وفا کے ہیں
 یہ شعبدے تو شوخی ناز و ادا کے ہیں
 پردے پڑے ہوئے ابھی شرم و حیا کے ہیں
 نسخے تو مجھ کو کیا دہزاروں شفا کے ہیں
 جس خاک پر نشان تری کفش چاکے ہیں
 مجھ کو تو ناپسند تیرے صبا کے ہیں
 برپا خیام اوج ہو میں گھٹا کے ہیں
 واں قدر دان اس گہرے بہا کے ہیں

اجاب کا کرم ہے اگر نکتہ چینی نہ ہوں

ورنہ ہم آپ پر معرفت اپنی خطا کے ہیں

زمانہ اُن سے کراتا ہے آج خار کشی
 انھیں پہ گردشِ ایام کا گرا نزلہ
 جو محسوس و صنوبر تھے خانہ باغوں میں
 وہ عطرِ فتنہ سے بتا تھا جن کا سیراں
 سہانی بوئے گل و گل تھی جن دماغوں میں
 بیسترا بٹھیں لہو غن نہیں چراغوں میں

وہ مانگ تا نگ کے پیتے ہیں اوکھ سے پانی

بھری تھی جن کے مے مشکبو باغوں میں

منزلِ دراز و دور ہے اور ہم میں دم نہیں
 میدانِ زندگی میں کریں دوڑ و صوب کیا
 ہوں لیل پر سوار تو دام و درم نہیں
 ہم ایسے ناتواں ہیں کہ اٹھتا قدم نہیں

کیا خوب نا تھ پانو خدا نے عطا کئے
 اغیار کیوں خیل ہیں بزمِ سرور میں
 جب تاکہ ہے عشق و عاشق و معشوق میں تمیز
 آدم پہ معترض ہوں فرشتے تو کیا عجب
 اظہارِ حال کا بھی ذریعہ نہیں رہا
 تو ہی نہیں ہے رمزِ مجتہد سے آشنا
 ارشادِ طبع کی نہ اگر پیروی کرے
 سر ہی کے بل گئے ہیں سدا رہنِ عشق
 چلتے رہیں تو حاجتِ خیل و خدم نہیں
 مانا کہ یار کم ہیں پر اتنے تو کم نہیں
 کھٹا کسی پر از حدوث و قدم نہیں
 چکھی ہنوز چاشنی زہرِ غم نہیں
 دل اتنا جل گیا ہے کہ آنکھوں میں غم نہیں
 ورنہ دیا رحمن میں رسمِ ستم نہیں
 نقاشیِ خیال مجالِ قلم نہیں
 حیرت زدہ نہ بن کہ نشانِ قدم نہیں
 کیسی طلب کہاں کی طلب کس لئے طلب

ہم میں تو وہ نہیں ہے جو وہ ہے تو ہم نہیں

کبھی تفصیر جس نے کی ہی نہیں
 مرچکے جیتے جی خوش قسمت!
 دوستی اور کسی غرض کے لئے!
 یا وفا ہی نہ تھی زمانہ میں
 کچھ مرنی باتِ کیمیا تو نہ تھی
 جس خوشی کو نہ ہو قیام و دوام
 بندگی کا شعور ہے جب تک
 ہم سے پوچھو تو آدمی ہی نہیں
 اس سے اچھی تو زندگی ہی نہیں
 وہ تجارت ہے دوستی ہی نہیں
 یا مگر دوستوں نے کی ہی نہیں
 ایسی بگڑی کہ پھر بنی ہی نہیں
 غم سے بدتر ہے وہ خوشی ہی نہیں
 بندہ پرورا وہ بندگی ہی نہیں

ایک دو گھونٹ جامِ وحدت کے جو نہ پی لے وہ متقی ہی نہیں

کی ہے زاہد نے آپ دنیا ترک

یا مقدر میں اُس کے تھی ہی نہیں

عارضِ روشن پہ جب زلفیں پریشاں ہو گئیں

کفر کی گمراہیاں ہم رنگِ ایساں ہو گئیں

زُلفِ دیکھی اُس کی جن قوموں نے وہ کافر بنیں

رُخِ نظر آیا جنھیں وہ سب مسلمان ہو گئیں

خودِ روشی حُسن کو جب سے ہوئی بڑ نظر

زنجِ دل بھی گھٹ گیا جانیں بھی ارزاں ہو گئیں

جو بنا میں تھیں کبھی ایوانِ کسریٰ کا جواب

گردشِ افلاک سے گردِ بیا باں ہو گئیں

خوفِ نا کامی ہے جب تک کامیابی ہے محال

مشکلیں جب بندھ گئی ہمت سب آساں ہو گئیں

ہائے کس کو رویئے اور کس کی خاطر پٹے

کیسی کیسی صورتیں نظروں سے پنہاں ہو گئیں

کیا اٹھیں اندوہ ہنگامِ حیرت یاد آ گیا۔

شام ہی سے بزم میں شمعیں جو گریاں ہو گئیں

اک فرشتے بھی تو ہیں جن کو نہ محنت ہے نہ بیخ
 خواہش دل کی بلائے جانِ انساں ہو گئیں
 کیا ہے وہ جانِ محسّم جس کے شوقِ دید میں
 جامہ تن پھینک کر روئیں بھی عریاں ہو گئیں
 تھی وہ توفیقِ الٰہی میں نے سمجھا اپنا فعل
 طاعتیں بھی میرے حق میں عینِ عصیاں ہو گئیں

خاک سے افلاک تک ہے ورد تیرے نام کا
 اول و آخر بھی تو ہے ظاہر باطن بھی تو
 سب سنا تجھ میں ہیں یا تو سنا یا سب میں ہے
 حامد کہاں! کہ دوڑ کے جاؤں خبر کو میں
 مانا بڑی خبر ہے پر تیری خبر تو ہے
 یہ سنگ و خشت آہ دلائے ہیں تیری یاد
 ہے تیری شکل یا تیری آواز کا خیال
 افسوس! نائے نائے کی آتی نہیں صدا
 کیا ہو گیا اسے کہ تجھے دیکھتی نہیں
 اچھا جو تو نے گوشہ موقد کیا پسند
 تیرے سر عزیز کی بالش ہو خاک سے

۱۱ کون سی محفل ہے وہ جس میں ترا چہ نہیں
 تو ہی تو ہے پر کہیں۔ تیرا پتا لگتا نہیں
 اس پہلی کو کسی نے آج تک بوجھ نہیں
 ۱۲ کس آرزو پہ قطع کروں اس سفر کو میں
 صبر و قرار نذر کروں نامہ بر کو میں
 روتا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں
 کرتا ہوں التفات یکا یک جردھ کو میں
 پوچھے تو کیا بتاؤں؟ ترے چارہ گر کو میں
 جی چاہتا ہے آگ لگا دوں نظر کو میں
 اب اپنے حق میں گور بناؤں گا گھر کو میں
 بالینِ غم سے اب نہ اٹھاؤں گا کوسر کو میں

دیکھی نہ تھی بہارا بھی تیرے شباب کی
 تقدیر ہی بنائے انہ کی کچھ مساعت
 حکمِ خدا ہی تھا کہ بیٹھا کیا کروں
 جز درد و دل غ تو نے نہ چھوڑا نشان جیفا!
 کرنے دو آہ و نالہ کہ آخر رہوں گا بیٹھ
 کیا فکر آب و نان! کہ غم کہ رہا ہے اب
 تجھ کو جو ار رحمتِ حق میں جگہ ملے
 جس دوام تو نہیں دینا کہ مر رہوں
 خود ہم سے بھی زیادہ ہو جو ہم پے بہل
 وہ جانے اور اُس کی رضا جو پسند ہو
 بھولا نہ تھا ابھی تیرے عہدِ صغر کو میں
 کیا روؤں اب دعا و دوا کے اثر کو میں
 ماتم میں تیرے شکِ فشاں حشمِ ترکو میں
 رکھوں گا میہمان انہیں عمر بھر کو میں
 تسلیم کر کے حکمِ قضا و قدر کو میں
 موجود ہوں ضیافتِ دل و جگر کو میں
 مانگا کروں گا اب یہ دعا ہر سحر کو میں
 کا ہے کو گھر خیال کروں رہ گزار کو میں
 وہ جامِ زہر دے۔ تو نہ چکھوں شکر کو میں
 سب کام سونپتا ہوں اسی داد گزار کو میں

ہوتا نہ دل میں درد تو کرتا نہ ہائے ہائے

دیتا نہ طول یوں سخنِ مختصر کو میں

بزمِ ایجا میں بے پردہ کوئی ساز نہیں
 کہہ سکے کون وہ کیا ہے مگر از روئے عشق
 دل ہو بے لوث تو کیا وجہ تسلی ہو دروغ
 بلبلوں کا تھا جہاں سخنِ چمن میں انبوہ
 بھاگ ویرانہ دُنیا سے کہ اس منزل میں
 ہے یہ تری ہی صدا غیر کی آواز نہیں
 گل نہیں شمع نہیں۔ سرو سرفراز نہیں
 طائرِ قرودہ مگر طعمہ شہباز نہیں
 آج پڑیا بھی روناں زمرہ پر آواز نہیں
 تزلِ مہمان بجز نامدہ آرز نہیں

دلبری جذبِ محبت کا کرشمہ ہے فقط کچھ کرامت نہیں جادو نہیں اعجاز نہیں
دل کی تسخیر ہے شیریں سخن پر موقوف کچھ کرامت نہیں جادو نہیں اعجاز نہیں

دستِ قدرت نے مجھے آپ بنایا ہے تو پھر
کونسا کام ہے میرا کہ خدا ساز نہیں؟

متفرقات

قدسیوں کے بھی پوش اُڑتے ہیں سن کے اس مشتِ خاک کی باتیں
دل کا احوال تو خدا جانے ظاہر ہیں تپاک کی باتیں
جس سے نہ استغناء ہو بانگے جنس کو فروردی ہے دفتر لیل و نہار میں

رویت (۱)

وہی کارواں وہی قافلہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی منزل اور وہی مرحلہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن
اسے وزن کہتے ہیں شعر کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی شکر ہے جو سپاس ہے وہ ملول ہے جو اداس ہے
جسے شکوہ کہتے ہو گلہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی نقص ہے وہی کھوٹ ہے وہی ضرب ہے وہی چوٹ ہے
 وہی سود ہے وہی فائدہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔
 وہی ہے مذی وہی نہر ہے وہی موج ہے وہی لہر ہے
 یہ جاب ہے وہی بلبکہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔
 وہی کذب ہے وہی جھوٹ ہے وہی جرم ہے وہی گھونٹ ہے
 وہی جوش ہے وہی ولولہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہی ساتھی ہے جو رفیق ہے وہی یار ہے جو صدیق ہے
 وہی مہر ہے وہی مامتا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 جسے بھید کہتے ہو راز ہے جسے باجا کہتے ہو ساز ہے
 جسے تان کہتے ہو ہے نوا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 جو مراد ہے وہی مدعا وہی متقی وہی پارسا
 جو پھنسے بلا میں وہ مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 جو کہا ہے میں نے مقال ہے جو نمونہ ہے سو مثال ہے
 مری سرگزشت ہے ماجرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔
 جو چنانچہ ہے وہی جیسا ہے جو چگونہ ہے وہی کیسا ہے
 جو چناں چہیں ہے سو ہکذا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہی خوار ہے جو ذلیل ہے وہی دوست ہے جو خلیل ہے

بدونیک کیا ہے بڑا بھلا۔ بھٹیس یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 پائے غیر اور میرا سر دیکھو ۲ ٹوٹ جائے نہ سنگ در دیکھو
 ایک عالم پڑا ہے چکر میں گردشِ چشمِ فتنہ گرد دیکھو
 میں نظر بند غیر مد نظر اپنا دل اور مرا جگر دیکھو
 چشمِ پر نعم ہے تنِ عمار آلود آن کر سیرِ بحر و برد دیکھو
 فکرِ افشاے راز کیوں نہ کروں کیا حیا خیر ہے نہ نظر دیکھو
 ہے دگرگوں مریضِ غم کا حال ہو سکے تو دوا بھی کر دیکھو
 غیر جھلتے ہیں اب انھیں پنکھا اثر آہ پر شر دیکھو

کم نمائی و خوشتن بینی

کتنے بے دید ہو اِدھر دیکھو

۳ ہے جانِ حزیں ایک لبِ روحِ فزا دو اے کاش اکا اس ایک کی ہو جائیں دو دو
 تھا خارِ جگرِ بحر میں تنہا غمِ دوری میں آفتِ جاں وصل میں ب شرم و یادو
 ستانہ روش کیوں نہ چلے وہ نگہ ناز آنکھیں ہیں کہ ہیں جامِ مے ہوشِ یادو
 جی تنگ ہے کیا کیجئے اور جوشِ بلا یہ دل ایک ہے کیا دیجئے اور زلفِ دوادو
 ہے عینِ عنایت جو نشاں پوچھئے میرا یہ بھی نہیں منظور تو اپنا ہی پتا دو
 کیا دایم فریب اس نے بچھایا ہے دلاویز دو آن بھنسیں اور جو ہو جائیں یادو
 گریبا ز خود آرا کو ہے یکتائی کا دعویٰ کیوں آئندہ دیکھا کہ ہوئے جلوہ یادو

بے باکی و شوخی بھی ہے اور شرم و حیا بھی
 دو محرم آسرا ہیں تو پردہ کشا دو
 دو گیسو و دو زلف بلا خیز ہیں چاروں
 ہاں کا کل خمدار بھی ہیں ان کے سوا دو
 وہ طرز و روش ٹائے! وہ انداز و ادایف
 کیا بچتے دل و جان - کجا چارہ کجا دو

سیرئی نظر بھی نہ ہوئی ٹائے میسٹر

آنکھیں جو ہوئیں چار لگے تیر قضا دو

معتوقِ دل نوازا اگر تند خونہ ہو
 وہاں سجدہ نیاز کی مٹی خراب ہے
 وہ جنت وصال جہاں تو ہوئیں ہوں
 خنجانہ ہے کراست پیر مغاں سے پڑ
 بیل کے دل میں داغ و دایع بہا ہے
 شرم گناہ لے تو ڈوبیا ہی تھا مجھے
 افسانہ نائے شوق سنا تا ہوں میں اُسے
 حُسنِ غیور میں ہے شکوہ یگانگی
 دل میں کسک نہ ہو تو سمجھے اُسے مریض

ہے کائنات گرد رہِ کاروانِ عشق

وہ دل ہی کیا کہ جس میں تری جستجو نہ ہو

کیا مانگتے جس کا کبھی چسکا نہ لگا ہو
 دی راہِ خدا ہم کو بھی ساقی کا بھلا ہو

گر پیر خرابات سے در یوزہ بہت
بے حوصلگی ہے گلہ تلخی دوراں
آنے کو ہے اب شاہد گل پردہ سے بہر
جب ہم سے نبھے رسم ملاقات تو جانیں
سرشتہ آماں دو عالم ہے ترے ہاتھ
تنگی سے نہ دل تنگ ہو جا شکر خدا کر
گاہک ہی نہ ہو کوئی تو ہے عرض مہر بیچ
اس غنچہ دلگیر کی تقدیر کہ زہنار
جا خاک در میکدہ پر ناصیہ سا ہو
جو دیں اُسے پی جائے گو زہر ملا ہو
آماوہ مشاطگی اسی باد صبا ہو
تسلیم کیا تم ہم تن مہر و وفا ہو
پھر کا ہے کالجھاؤ۔ جو تو عقدہ کشا ہو
لے خوش وہ دل تنگ۔ کہ رضی بضا ہو
لے وائے گل تازہ جو صحرا میں کھلا ہو
تحریک نسیم سحری سے بھی نوا ہو

ہمت کے لئے عار ہے احسان اٹھانا

وہ درد بھی اچھا جو نہ محتج دوا ہو

بیچ گنہ سے ورنہ توبہ اور استغفار کر
سگریزہ تھا فقط گر لعل میں ہوتا نہ رنگ
تائب اور معصوم ہیں دونوں بری پر فرق ہے
گرنہ ہو نیکی دماغی قوتیں برباد ہیں
کھونپ جب کپڑے میں آئی چارہ کیا غلظت
کوئلے سے تھا بتر گرمشک میں ہوتی نہ بو
ایک ماورزا دطاہر۔ ایک بعد ازشت و شو
بوستان سرسبز ہوتا ہی نہیں بے آب جو

مستقرات

میں پٹکتا ہی رہ گیا سر کو جلدے وہ پیادہ پا گھر کو

ذو جگر خفتگانِ خاک مجھے تھوڑے تھوڑے ذرا پرے سر کو
 ان غفلتوں سے داغ ہوں لیکن خدا کرے — تاخیر کا سبب کوئی اس کے سوا نہ ہو

ردیف (ی)

ناصح جو ملامت میں مجابا نہیں کرتے^۱ انصاف کریں دل میں۔ کہ وہ کیا نہیں کرتے
 اظہارِ مشیخت ہے نشاں بے ہنری کا جو اہل ہنر میں کبھی دعوتے نہیں کرتے
 کہتے بھی ہیں پھر صاف کر جاتے ہیں کہہ کر کیا شخص ہیں کچھ خوفِ خدا کا نہیں کرتے
 دردِ دلِ زردہ سے ہے جن کو خیر کچھ آزار کسی کا بھی گوارا نہیں کرتے

جاں کا ہیوں کے بعد جنہیں ملتی ہے دولت

وہ ہفت میں دولت کو لٹایا نہیں کرتے

کیا یہی ہے جس پے ہم دیتے ہیں جاں^۲ یا کوئی دنیائے فانی اور ہے
 یوں تو ہر انسان گویا ہے مگر شیوہ شیوا بیانی اور ہے
 چل رہی ہے جس سے جسمانی مشین کوئی پوشیدہ کمافی اور ہے
 دل نے پیدا کی کہاں سے یہ ترنگ کوئی تحریکِ نہانی اور ہے
 غیر سمجھا ہے کسے اے ہم نشیں؟ میرے دل میں بزمِ گمانی اور ہے

تم نے کب نے دیکھا ہے بے رنگی کا رنگ

بے نشانی کی نشانی اور ہے

دھوکے میں آجائیو افسونِ نباں کے ^۳ ہر چند کہ بڑا اپنی فصاحت کی یہ ٹانگے
 کچھ رلم ہے جو کرتے ہیں کرم حضرتِ ناصح
 وہ اڑنے لگے مثلِ پریمی۔ دوشِ ہوا پر
 بیٹھے ہیں بھروسے پہ یہاں طبعِ رواں کے

ہے وادیِ وحدت میں اگر نیتِ پرواز

پرنوچ کے دے پھینک یقین اور گماں کے

کچھ کچھ کچھ آن کے وعدہ پہ اب اعتبار ہے ^۴ یاوس مرگ پھر دلِ امیدوار ہے
 رگن گن کے ایک ایک گھڑی کاٹنی پڑی ہے یہ شبِ فراق کہ روز شمار ہے
 سرورِ رواں کو دیکھ کے جھلت سے پاگل گویا ہر ایک سر و لب جو بنا رہے

چلے کہہ کو بیٹھ نہ گوشہ میں تنگ دل

زاہدا وسیع رحمت پروردگار ہے

گرتے میں کوئی بے فکر و تامل باندھے ^۵ چشمِ مے گوں کو تری جام پر از نل باندھے
 فکرِ قامت میں اگر فکر ترقی نہ کرے رشکِ طوبی تو لکھے گوبہ تنہا بن باندھے
 طبع کی سلسلہ جنبان جو پریشانی ہو گیسوئے غالبہ سا کو ترے سنبل باندھے
 نالہ تو وہ ہے کہ گہرا کے اٹھا دے پردہ لیک نظارہ کی ہیئت بھی تحمل باندھے
 کچھ نہ بن آئے گی جب لوٹ مچائگی خزاں خنجر ہر چند گرہ کس کے زرِ گل باندھے
 روبرو اس کے لبِ عرضِ متناہے زور افسونِ نظر سے گئے باکل باندھے
 ہیں ترے بندِ قبا عقدہ و شوار مرے کہ جو کھولے نہ کھلے اور جو گئے کھل باندھے

نہ بچے پر نہ بچے کیل فنا سے نہ بچے
گر کوئی کنگرہ چرخ پر بھی پل بانڈھے
ہانکھ کھلنے بھی نہ پانی تھی کہ اُس نے فوراً
بند برقع کے باندا ز تغافل بانڈھے
ہائے وہ صید کہ صیاد کے پیچھے لپکے

سر کو فتراک پر ہر دم بہ تفاوتل بانڈھے

نکمتِ طرسہ مشکیس جو صبا لائی ہے
کوئی آوارہ ہوا ہے کوئی سو ادنیٰ ہے
بے خودی سے ہے یہاں بے خبری کا عالم
خود نمائی کو وہاں شغلِ خود آرائی ہے
اپنی ہی جلوہ گری ہے یہ کوئی اور نہیں
غور سے دیکھ اگر آنکھ میں مینائی ہے
ہے مجھے کشمکشِ سعی و طلب سے نفرت
دل مرا ترکِ تمنا کا تمنائی ہے
جز دلِ پاک نہ پایا حرمِ خاص کہیں
ناز کی جلوہ گری کے لئے منظر ہے نیاز
جب طبیعت ہی نہ حاضر ہو تو بے سود فکر
مسنہ پہ لاؤں تو یہ کم طرف بہا جائیں بھی
خود منادی و مناد ہی ہوں نہ غیبت نہ حضور
عالمِ غیب سے یوں دل میں نہ آئی ہے

دل یہ کہتا ہے کہ حاصل کی ہے تحصیلِ عیش

نہ تمنا کوئی شے ہے نہ تمنائی ہے

نہ خودی ہی بخودی ہے جلوہ دیدار سے
نہ آئی مجھ کو فیضِ دولتِ بیدار سے
ہے جو لطفِ آئینہ اشارہ ابروئے خمدار سے
وہ فسوں گر کاٹتا ہے دردِ سرتلواری سے

ہم نے انداز جنوں سیکھا ہے اک ہتیار سے
ابتدا سے حشر کا سنتے چلے آتے تھے نام
اُس کی گنجائش ہے آغوشِ تصور میں محال
ہے تہی دستی جنم اہل حرص و آرزو کو
شوخی و غمزہ کرشمہ عشوہ انداز و ادا
رہ گئی تیرے سوا شاید تمنا اور بھی
یار نازک طبع ہے اور داستانِ غم دراز
عشق بے تابِصال اور محسنِ ستغنا پسند
دو گھڑی کا شغل ہے اطفال کوئی یار سے
ہو گیا حاصل یقین مارے تری رفتار سے
جس کا سایہ شوخ تر ہو انجم تیار سے
رات دن جلتے ہیں دماغِ دہم و نیاز سے
ہے دل تنہا مقابلِ لشکرِ جبار سے
کچھ کھٹکتے ہیں ابھی پہلوئے دل میں خاہے
دوست گھبرا جائے وہ مرے طومار سے
کس طرح تسکینِ دل ہو وعدہ دیدار سے

ہیں زمین و آسماں ہنگامہ وحدت پر

مجھ کو آتی ہے یہ میری ہی صدا کہ ساسے

وہ حسن لازوال ہماری نظر میں ہے
ہے سنگ میں شہرِ توبرق ابریز میں ہے
بتلا دیا ہے راہ نمائے مجھے پستا
اسرا عشق بھی کہیں دیکھے ہیں و اعطوا
باطن کو بھی نہ صورتِ ظاہر پر کقیاس
البتہ اُس کے فضل پر موقوف ہے نجات
بیرونِ عرشِ فرش ہے پوزنِ مرغِ دل
شانِ کمال صورتِ ہر خیر و شر میں ہے
شوخی وہی ہے شانِ نبی بجز وہ میں ہے
دنیا بھی اک مقام ترے رہ گز میں ہے
داخلِ پ کو بہت کتبِ مقبر میں ہے
انگور میں شرابِ شکرِ نیشکر میں ہے
کچھ زہدِ خشک میں ہے نہ دامانِ تڑپ میں ہے
از بس ہوا شوق بھری بال و پیر میں ہے

بے رغبتی سے شب کو سحر بھی کیا تو کیا تاثیر نالہ شب و آہ سحر میں ہے
چل شاہ راہ دل میں اور اتوسن طلب وحشت کا جوش چاہئے صحرا بھی گھر میں ہے
یہ وہ مرض ہے جس سے معالج نہیں ہو سکے
مجھ سے زیادہ درد دل چارہ گریں ہے

پڑھن خود نما سے زمان و زمین ہے ^۹ زاہد ہنوز منتظر حور عین ہے
صحرا کے عشق کی بھی عجب سر زمین ہے بہر م نہ ہم سفر نہ کوئی ہم نشین ہے
سرکشگان شوق سے راہ وصال پوچھ لے شرق و غرب ہے نہ یسا رو عین ہے
ہے توسن خیال تک و تا زمین سدا اس خش پر بندھا ہوا ہر وقت زین ہے
ہے قید آب و خاک سے باہر مقام دل مانا خمیر مایہ مرا ماؤ طین ہے
تیرے سوا اُسے نظر آتا نہیں کوئی حاصل جہان میں جسے عین البقین ہے

اجاب پھر بھی کرتے ہیں مجھ سے مطالبہ

ہر چند لاخراج غزل کی زمین ہے

کجا ہستی تباہے تو کہاں ہے ^{۱۰} جسے کہتے ہیں سبل نیم جاں ہے
ہمارا گھر ہے یعنی خانہ ماست محل ہی کاخ ہے کو شک مکان ہے
چچا عم ہے پسر بیٹا پدر باپ تو کنبا خانان و دو دوٹاں ہے
سفینہ ناؤ کشتی بان طلاح بے پانی تو وہ آب رواں ہے
تاؤ آگ کیا ہے نار و آتش دھواں کیا چیز ہے دو دو دھان ہے

جسے کہتے ہو تم گردوں گرداں
 وہی حبت کہ جسکی آرزو ہے
 سنا کیجئے حکایت ہے کہانی
 مرا سر راس ہے ماتھا جیس ہے
 کہو تم جو ترازو ہے سو میزراں
 حجر چھپر ہے اور قیاس کاغذ
 عصا لاکھی۔ علم نیز سنناں بھال
 نماں دستر پوشیدہ مخفی
 اگر جانو ہو تم ریوڑ کو گلہ
 کہا کرتے ہیں شاعر کو سخنداں
 ہا بجا آدم جائے کہ نہستی

یہی کون و مکان دنیا ہے عالم
 یہی گیتی ہی گیاں ہے جہاں ہے

نذر آئہ پیر جی غلام محمد صاحب لدھیانوی بروزِ پنجشنبہ ۲۹ جولائی ۱۳۱۴ھ

اٹھی ہر ایک رسم جہاں شعور ہے
 سیدھی سی اک غزل مجھے لکھنی ضرور ہے
 وحدت میں اعتبارِ حدود نہ قدم نہیں
 تھا جو بطون میں یہ وہی تو ظہور ہے

تارکِ ہی ہے جس نے کیا کل کو اختیار
مطلق یگانگی ہے تو نزدیک و دور کیا
اصل حیات یہی کہتے ہیں جس کو موت
اقرارِ بندگی ہے خدائی کا اڈعا
امید کیجئے اگر امید کچھ نہیں
زلفِ سیاہ سے رخِ تاباں کا حسن ہے
بے معصیت خزانہ رحمت ہے رائیگاں
اظہارِ جانِ پاک ہے جسمِ کثیف سے
بالا اتفاق ہستی وہی ہے نیستی
اعلیٰ تھا جس کا رتبہ وہ اسفل میں ہے ہیر
ہے راہ کی تلاش تو گر گری طلب
بیداری وجود ہے خوابِ عدم میں غرق

ہر چند شغلِ شعر نہیں آج کل مگر

نذرانہ پیر جی کے لئے کچھ ضرور ہے

۱۲ ہے وصف ترا محیطِ اعظم

یاں تاب کہے ثناوری کی

کیا شان ہے بندہ پروری کی

تیرے در کی گداگری کی

دے زندگی اور اس کا ساماں

شاہنشاہِ وقت ہے وہ جس نے

بدترہوں ولے کرم سے تیرے
کیا آنکھ کو تل دیا کہ جس میں
دیکھا تو وہی ہے راہ و رہرو
ہر شکل میں تھا وہی نمودار
امید قوی ہے بہتری کی
وسعت ہے چرخِ چنبری کی
پھر اُس نے ہے آپ ہسبری کی
ہم نے ہی نگاہِ سرسری کی
ہی بات جو تو نے داوری کی
سوکھی ٹپنی ہری بھری کی
عزت کھودی سخنوری کی

لکھی تھی غزل یہ اگرہ میں

پہلی تاریخِ جنوری کی

کچھ ایسے لفریب شگونے کھلا کئے
دیریا تو ہے وہی جو ہوا داخلِ محیط
ابنائے روزگار میں ایسا بھی کوئی ہے
ذاتِ بشر میں کوئی کرامتِ ضرور ہے
انسان کی زمام ہے خصالت کے ہاتھ میں
بد قسمتی سے تو ہی نہ دوڑا و گرنے یاں
ناروز بوں میں کج زمانہ کے ہاتھ سے
شاید کوئی لطیفہِ ضعیبی ہوا شکار

۱۳ مشقِ خیال سے نہ بنی دل جدا کئے
واوی میں ورنہ سیکڑوں نالے بہا کئے
جس نے حقوقِ صحبتِ یاراں ادا کئے
کیوں بات بات اُس کی فرشتے لکھا کئے
اہلِ جفا کو چین کہاں بے جفا کئے
دن رات خزانِ نعمتِ الوان لٹا کئے
غافل جو بزمِ ناز کو بیٹھے سجا کئے
بیٹھے ہوئے میں تکیہِ بفضلِ خدا کئے

شکرِ خدا کہ وجہ شکایت نہیں رہی
 بخشا ہے اہتر از تجھے کس نے پہلے نسیم
 جو دل ہوتا تھے جا شکر گلوں کو دیکھ
 کیا جو کیر تو شیطان کے ہاتھ کیا آیا
 تری عیسا ہے مری احتیاج سے سابق
 نہ سہر میں حال کی میں آپ کر سا جراث
 امیر نے تو بہت دھوم دھام کی لیکن
 لشو و کار سے تسکین دل کبھی نہوئی

گدا و شاہ سے یکساں معاملہ ہے وہاں

کوئی بتائے کہ جہالت کسے قضا نے دی

۱۵
 غم مونس تنہائی تھا آتے ہی تمہارے
 دلدارئی سرکار کنج جا میں گے ڈنکے
 احسان کے پھندے سے چھڑا کر گاجھو کن
 عالم کے صحیفہ میں یہ قدرت کی نگارش
 کتا ہے پھر آجاؤں گا جب یاد کرو گے
 دل سے وہ ویراں کو جو آباد کرو گے
 مانا کہ غلامی سے تم آزاد کرو گے
 دیکھو گے تو ہر نکتہ پہ تم صا د کرو گے

واعظ کی تو بلو اس سمجھ میں نہیں آتی

یا حضرت دل تم بھی کچھ ارشاد کرو گے

۱۶
 کس لئے پروانہ خاک ستر ہوا
 شمع کیوں اپنی جلن میں گھل گئی

منتشر کیوں ہو گئے اور ابرق گل
 آبدیدہ ہو کے شبِ بنم کیوں چلی
 چیتھی گلشن سے کیوں بلبل گئی
 سبزہ طرفِ خیاباں کیا ہوا
 دم کے دم کانٹوں میں آکر ٹل گئی
 کچھ نہ تھا خواب پریشاں کے سوا
 آہ کیوں شادابی سنبل گئی
 اس تھیٹر کی حقیقت کھل گئی

راہ کے ریخ و تعب کا کیا گلہ

جب کہ دل سے گردِ کلفت دھل گئی

خارج ہے عہدِ طفلی و پیری حساب سے
 ہر چیز گفتگو کی نہ باقی رہے مجال
 البتہ زندگی ہے عبارتِ شباب سے
 لیکن زبان دراز نہ چوکے جواب سے
 ہے دعویٰ خلوص تو کانوں پہ ماتھ رکھ
 بے نور سینہ حفظِ سفینہ سے فائدہ
 وہ اور ہی نوا ہے محسوسِ سرور کی
 کیا کہنے آدمی کے اعجب چیز ہیں جناب
 ایمِ عذاب اور امیدِ ثواب سے
 معنی سے ہے کتاب و معنی کتاب سے
 باہر گلوئے مطرب و تارِ رباب سے
 برتر ملائکہ سے فرو تر و داب سے

سو جھیں وہ بدعتیں کہ خدا یا تری پناہ

فصت اگر ملے بھی ہمیں خود خواب سے

کوئی دن کا آب و دانہ اور ہے
 ہاں دل بے تاب اپنڈے انتظار
 پھر چین اور آشیانہ اور ہے
 امن و راحت کا ٹھکانا اور ہے
 شمع پھسکی۔ رات کم۔ محفلِ اداس
 اب مٹتی کا ترانہ اور ہے

اے جوانی تو کہانی ہو گئی
 جن کو جانِ زندگانی کہہ سکیں
 ہم نہیں وہ یا زمانہ اور ہے
 جس کو سن کر زہرہ سنگ آب ہو
 وہ حیاتِ جاودانہ اور ہے
 وا اگر سچ رضا ہو تو کہوں
 آہ وہ غمگین فسانہ اور ہے
 ایک پندِ شفقانہ اور ہے

اتفاق ہے یہاں کا ارتباط

سب ہیں برگانے یگانہ اور ہے

راہ و رسمِ خط کتابت ہی سہی
 دل لگی کا کوئی ساماں چاہئے
 گل نہیں تو گل کی نکلت ہی سہی
 بے دماغی بندہ پر دراصل قدر
 آپ کی سب پر حکومت ہی سہی
 دوستی کا میں نے کب دعویٰ کیا
 قحطِ معنی ہو تو صورت ہی سہی
 بسکہ ذکرِ العیش نصفِ لعیش ہے
 یادِ ایامِ فراغت ہی سہی
 وقت ملنے کا معین کیجئے
 خواہ فردائے قیامت ہی سہی
 حسن صورت کا نہ کھا اصلاً تریب
 کلکِ صنعتگر کی صنعت ہی سہی

کچھ نہ کرنا بھی مگر اک کام ہے

گر نہیں صحبت تو عزت ہی سہی

دنیا میں تہمت کی وقعت نہیں ہوتی
 ممکن ہے کہ ٹل جائے جیل اپنے مقر سے
 یک جا کبھی محتاجی و عورت نہیں ہوتی
 لیکن کبھی تبدیلِ حیثیت نہیں ہوتی

پست اس سے الوالعزم کی ہمت نہیں ہوتی
 جو بات کہ شایستہ جلوت نہیں ہوتی
 اصلاح پذیر اس لئے عادت نہیں ہوتی
 راحت طلبی موجب راحت نہیں ہوتی
 جس کی کبھی سالانہ مرمت نہیں ہوتی
 میراث میں تقسیم شرافت نہیں ہوتی
 اُس شخص کی دنیا میں کبھی پت نہیں ہوتی
 اُن کو تو کسی سے بھی عداوت نہیں ہوتی
 کچھ عزم نہیں ہوتا جو محبت نہیں ہوتی

ہو جان کی جو کھوں بھی اگر راہ طلب میں
 خلوت میں بھی لائے نہیں عاقل سے منہ پر
 ہم کرتے ہیں عادت کی غلامانہ اطاعت
 راحت جسے کہتے ہیں وہ محنت کا صلہ ہے
 کیا گنبد بے درید قدرت نے بنایا
 انساں کی شرافت متعلق ہے عمل سے
 پتے کی طرح جو کوئی محکوم ہوا ہو
 جو لوگ کہ میں دشمنی نفس سے آگاہ
 ڈھاتی ہے قیامت ہی خونخوار جہاں میں

رخصت سے مری جان خدا حافظ و ناصر

ہر چند کہ سیرئی طبیعت نہیں ہوتی

جس سے ملے جہاں سے ملے جس قدر ملے
 جس سے ملے بہ صورت شیر و شکر ملے
 اب سنگریزہ تھکے لگے یا گھر ملے
 رہن اگر ملے تو یہ سمجھو شکر ملے
 ہر چند تو وہ تو وہ تھے یہ ہم در ملے
 لیکن جب اٹھ گئے تو نہ پارہ گری ملے

لو جان بیچ کر بھی جو فضل و ہنر ملے
 ملنا برا نہیں ہے لیکن یہ لت بڑی
 جب چشم از پھوٹ گئی سب جلس مٹی
 ہے غارت متاع نشان دیار دوست
 ممکن نہیں بغیر قناعت فراغ بال
 یلداں بزم دہر میں کیا کیا تپاک تھا

مردِ بزد نفس اگر ہے تو بھاگ مت جب تک خاک و خون میں دشمن کا سر تے

جن کو نہیں ہے درد و دوا میں کچھ امتیاز

قسمت سے ان گنوں کے ہیں چارہ گرے

غیر توکل نہیں چارا مجھے^{۲۲} اپنے ہی دم کا ہے سہارا مجھے

حرصِ طمع نے تو ڈبویا ہی تھا صبر و قناعت نے ابھارا مجھے

جو وہ کہے اُس کو نرا دار ہے چون و چرا کا نہیں یارا مجھے

بے ادبوں کی ادب آموزیاں! اُن کے بگڑنے نے سنوارا مجھے

کوشش بے سوداِ مستوش نہ کر قعرِ زبن جائے کنار ا مجھے

زشتی پندار دلاتا ہے یاد قصہٴ اسکندر و دارا مجھے

نگِ مذلت سے چھڑا لے گیا جوشِ حمیت کا حرار ا مجھے

اوجِ معالی پہ اڑا لے گیا تو سنِ ہمت کا طرا ا مجھے

آہ! نہیں رخصتِ افشائے راز قصہٴ تو معلوم ہے سارا مجھے

فرصتِ اوقات ہے بس مغنم

یہ نہیں ملنے کی دو بار ا مجھے

نکلے چلے آتے ہیں تہِ خاک سے کھانے^{۲۳} یہ خوانِ کرم کس نے بچایا ہے؟ خدانے

جو دل میں ہے مٹنے پھوڑ کے بررو نہیں کہتے مارا مجھے یاروں کی درشت اور بجانے

عجالت میں ہیں مرست بولتے نہیں کرو گوسر پہ اٹھالی ہے زمیں شور درانے

اسراف نے اربابِ تمول کو ڈبوایا عالم کو تباہ کرنے تو زاہد کو ریائے
 مرد اس کو سمجھے نہ کیا ہو جسے بہت ایامِ جوانی کی مے ہوشِ ربانے
 بائیں ہمہ در ماندگی انساں کے یہ عوے کیا ذاتِ شریف ان کو بنایا ہے خدانے

جلوت کا بہرہ سہ ہے نہ خلوت کی توقع

سب وہم تھا یاروں نے جو تاکے تھے ٹھکانے

ہوراں گان جو قطرہ سے قطرہ جدا چلے ۲۴ بل چل گئے توفیض کے دریا بہا چلے
 یہ دل کا حوصلہ ہے کہ میدانِ عشق میں تیرے سمندر تاز کے پیچھے لگا چلے
 ہے آج بُرخ ہوا کا موافق تو چل نکل کل کی کسے خبر ہے کدھر کی ہوا چلے
 کرتی ہے پست صفت شکنوں کے بھی جو صلے وہ رزمگاہ جس میں کہ تیغ ادا چلے
 قدسی بھی میں خموش نہیبِ جلال سے اُس کو میں کیا مجال کہ پیکِ صبا چلے

جی ہی نہ چاہتا ہو تو ملنے سے فائدہ

آئے تو منہ بنائے چلے تو خفا چلے

تبلیغِ پیام ہو گئی ہے ۲۵ حجت بھی تمام ہو گئی ہے
 جب موجِ صبا اُدھر سے آئی تفریحِ مشام ہو گئی ہے
 کتنی بودی ہے طبعِ انسان عادت کی غلام ہو گئی ہے
 خواہش کہ تھی آدمی کو لازم بڑھ کر الزام ہو گئی ہے
 تمہیدِ پیام ہی میں اپنی تقریر تمام ہو گئی ہے

بچنا کہ وبائے صحبتِ بد
 حلقہ میں قلندروں کے آکر
 اس دور میں عام ہو گئی ہے
 تحقیق تمام ہو گئی ہے
 حکمتِ بدنام ہو گئی ہے
 مقبولِ انام ہو گئی ہے
 تحسینِ کلام ہو گئی ہے
 شمشیرِ نیام ہو گئی ہے
 شرطِ اسلام ہو گئی ہے
 نامرد کے ہاتھ میں پہنچ کر
 تکفیرِ برادرانِ دین بھی

کیا شعر کہیں کہ شاعری کی

شُرکی ہی تمام ہو گئی ہے

شبِ زندگانی سحر ہو گئی
 نہ سمجھے کہ شب کیوں سحر ہو گئی
 بہر کیف اچھی بسر ہو گئی
 ادھر کی زمیں سب ادھر ہو گئی
 کہ بے غیرتی بھی ہنر ہو گئی
 وہی سب کو مدِ نظر ہو گئی
 ہنریت ہی اُن کی ظفر ہو گئی
 اقامت بھی ہم کو سفر ہو گئی
 کسی سے خطا بھی اگر ہو گئی
 جو اُن بن کسی بات پر ہو گئی
 زمانے کی بگڑی کچھ ایسی ہوا
 عامل نے کی وضع جو اختیار
 گئے جو نکل دامِ تزویر سے
 زمیں منقلب آسماں چرخِ زند
 مٹا ڈالئے لوحِ دل سے عنبار
 براہِ کرم اس کو طے کیجئے

نہ کرنا تھا بالضرر اداوائے غم بڑی چوک اسے چارہ گر ہو گئی

یہ ہنگامہ آراہیں سب بے خبر

وہ چپ ہیں جنہیں کچھ خبر ہو گئی

میں اگر وہ ہوں جو ہونا چاہیے میں ہی میں ہوں پھر مجھے کیا چاہیے

غرقِ حَم ہونا میسر ہو تو بس چاہیے ساغر نہ مینا چاہیے

منحصر مرتے پہ ہے فتح و شکست کھیل مروانہ ہے کھیلا چاہیے

بے تکلف پھر تو کھیوا پار ہے موج زن قطرہ میں دریا چاہیے

تیر غیسروں پر نہ کرتیخ و تبر آپ اپنے سے تبرا چاہیے

ہو دم عرضِ تجلی پاش پاش سینہ مثلِ طورِ سینا چاہیے

حسن کی کیا ابتدا کیا انتہا شیفۃ بھی بے سرو پا چاہیے

پارسا بن اگر نہیں رندوں میں بار کچھ تو بے کاری میں کرنا چاہیے

کفر ہے ساقی پہ خست کا گماں

تشنہ سرگرم تقاضا چاہیے

عیش کے جلسے ہجومِ آلام کے شعبدے ہیں گردشِ ایام کے

ہمتِ مردانہ تجسکو آفریں کر کے چھوڑا بر موئی جن کام کے

صبح کے بھولے تو آئے شام کو دیکھیے کب آئیں بھولے شام کے

تو ہی کر تکلیف اونیک صبا! منتظر ہیں وہ مرے پیغام کے

حاشا! شد میکدہ کے کاسہ لیس معتقد ہوں زاہدِ علام کے
 منٹ گئی ہے دل سے آزادی کی یاد کتنے خوگر ہو گئے ہم دام کے

اب تو چرچے جا بجا ہونے لگے

واعظوں کی بانگِ بے ہنگام کے

درد سے لبریز سینہ چاہیئے چشم پرخوں جائے مینا چاہیئے

ایسے بد افعال پر لا حول پڑھ آدمی کو بغض و کینہ چاہیئے؟

گھٹ کے مرجانا بھی ہے دون ہمتی چار و ناچار اور جینا چاہیئے

بحر ہو تو بحرِ طوفاں خیز ہو اور بے لنگر سفینہ چاہیئے

ہے رگ ہر رگ میں رنگ بہار

دیکھنے کو چشم بنیا چاہیئے

مہربانی بھی ہے عتاب بھی ہے کچھ کچھ تسلی کچھ اضطراب بھی ہے

ہے تو اختیار سے خطاب مگر میری ہر بات کا جواب بھی ہے

واں برابر ہے خلوت و جلوت اس کی بے پردگی حجاب بھی ہے

ہو قناعت تو ہے جہاں دریا حرص غالب ہو تو سراب بھی ہے

وہ تجتر کہاں؟ تپاک کہاں؟

گرم و روشن تو آفتاب بھی ہے

بنتی نہیں بات گفتگو کی چلتی نہیں چال جستجو کی

تھی چھڑ اُسی طرف سے ورنہ
 اُس کی طلب و مقام و منزل
 ۳۲ اراں زیر کی پسند نہ اور اک چاہیے
 آئینہ بن کہ شاید و مشہود ایک ہے
 میں اور مجال آرزو کی
 احباب کی ہائے بد سلوکی
 اس لڑاہ میں یہ تو سن چلاک چاہیے
 رند خراب و عارف بے باک چاہیے
 ہاں سطح آبِ بخس و خاشاک چاہیے
 ابرِ کریم کو تشنگی خاک چاہیے
 معشوق جو ریشہ و سفاک چاہیے
 جام و سبزو نمکدہ و تاک چاہیے

صیاد کے اثر پر رواں ہو تو صید ہے

وہ صید ہی نہیں جسے فتراک چاہیے

متفرقات

دید و اید کی رخصت ہی سی
 مہربانی بھی تو کچھ عجیب نہیں
 میرے حقت کی قیامت ہی سی
 دشمنی شرطِ محبت ہی سی
 خاک چاٹی نظر گزر کے لئے
 نعمتِ خلد تھی بشر کے لئے
 جب غنچہ کو وا شد ہوئی تھر یک صبا سے
 ببل سے عجب کیا جو کرے نغمہ سرائی

عجب شورش دلِ غمناک میں ہے مگر در پردہ وہ بھی تاک میں ہے

رباعیات

توحید

چکھی بھی ہے تو نے ڈرِ دجامِ توحید یا سن ہی لیا ہے صرف نامِ توحید
ہے کفرِ حقیقی کا نتیجہ یہاں ترکِ توحید ہے مہتمامِ توحید

۲۔ طلب

گر جو روجبنا کرے تو انعامِ سمجھ جس کام سے وہ خوش ہو اسے کامِ سمجھ
گر کفر کی راہ سے رسائی ہوگی اُس کفر کو توجہ اداۃ اسلامِ سمجھ

۳۔ قرب

مکشوف ہوا کہ دید حیرانی ہے معلوم ہوا کہ علم نادانی ہے
ڈالا ہے تلاشِ قرب نے دوری میں مشکل ہے بڑی یہی کہ آسانی ہے

۴۔ بے نشانی

بندہ ہوں تو اک خدا بناؤں اپنا خالق ہوں تو اک جہاں دکھاؤں اپنا
ہے بندگی وہم اور خدائی پندار میں وہ ہوں کہ خود پتا نہ پاؤں اپنا

۵۔ آزادگی

کافر کو ہے بندگی بتوں کی غمِ خوار مومن کے لئے بھی ہے خدانے غمنا
سب سہل ہے یہ۔ ولیک ہونا دشوار آزادہ و بے نیاز و بیکس بے کار

۶- تعین

آیا ہوں میں جانبِ عدم ہستی سے پیدا ہے بلند پائگی پستی سے
عجز اپنا بزور کر رہا ہوں ثابت مجبور ہوا ہوں میں زبردستی سے

۷- عبودیت حجابِ ربوبیت

ڈھونڈا کرے کوئی لاکھ کیا ملتا ہے؟ دن کا کہیں رات کو پتا ملتا ہے؟
جب تک کہ ہے بندگیِ خدائی کا حجاب بندہ کو بھلا کہیں خدا ملتا ہے؟

۸- توحید

توحید کی راہ میں ہے ویرانہ سخت آزادی و بے تعلقی ہے یک لخت
دینا ہے نہ دین ہے نہ دوزخ نہ بہشت ٹیکہ نہ سرائے ہے نہ چشمہ نہ درخت

۹- اسلاف پر فخر بیجا

اسلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود پڑھتے پھر و اب ان کے مزاروں پر درود
کچھ بات میں نقدِ راج الوقت بھی ہے یا اتنی ہی پونجی - "پدرم سلطان بود"

۱۰- تقریض

حقا کہ بلند ہے مقامِ اکبر توفیق سخن ہے اب بنامِ اکبر
دیواں ہے لطائف و حکم سے معمور اکبر کا کلام ہے کلامِ اکبر

۱۱- تنزیہ

تقریر سے وہ فزوں بیان سے باہر ادراک سے وہ بری گمان سے باہر

اندر باہر ہے وہ نہ پیدا پنہاں سرحدِ مکان و لامکان سے باہر

۱۲۔ غیر حق نہیں

حق ہے تو کہاں ہے پھر مجالِ باطل حق ہے تو عبث ہے احتمالِ باطل
ناحق نہیں کوئی چیز راہِ حق میں باطل کا خیال۔ ہے خیالِ باطل

۱۳۔ لا موجود الا اللہ

ساقی و شراب و جام و پیمانہ کیا؟ شمع و گل و عنزیب و پروانہ کیا؟
نیک و بد و خانقاہ و مے خانہ کیا؟ ہے راہِ یگانگی میں بیگانہ کیا؟

۱۴۔ مظاہر

مجموعہ خار و گل ہے زیبِ گلزار نیکی و بدی ہے جلوہ گاہِ اظہار
ہے منحصر اختیارِ حق و باطل ہے وسوسہ اعتبارِ یار و آغیار

۱۵۔ عجزِ دراک

ہر خواہش و عرض و التجا سے توبہ ہر فکر سے ذکر سے دعا سے توبہ
از بس کہ محال ہے سمجھنا اُس کا جو اُلٹے سمجھ میں اُس خدا سے توبہ

۱۶۔ ترکِ فضولی

دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا ہرگز ڈھونڈا تو کہیں پتا نہ پایا ہرگز
کھونڈا پانا ہے سب فضولی اپنی یہ ضبط نہ ہو مجھے خدایا ہرگز

۱۷۔ اختلافِ خیالی ہے

در اصل کہاں ہے اختلافِ احوال کچھ رنج نہ راحت نہ مسرت نہ ملال
 قریب کے نہ بعد ہے نہ فرقت نہ وصال یہ بھی ہے خیال اور وہ بھی ہے خیال

۱۸- فاعلِ حقیقی حق ہے

شیطان کرتا ہے کب کسی کو گمراہ اس راز سے ہے خدائے غالب آگاہ
 ہے کام کسی کا اور کسی پر الزام لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِالله

۱۹- ذات کو تغیر نہیں

پیرشور است کی ندا ہے اب بھی جو تھی وہی آن اور او ہے اب بھی
 ہوتی نہیں سنتِ الہی تبدیل جس شان میں ہے وہی خدا ہے اب بھی

۲۰- تجلیاتِ حجاب ہیں

انخاک کے لئے ہے اس قدر جوش و خروش یاں ہوش کا مقصدا ہے بنامد ہوش
 حُسنِ ازلی تو ہے ازل سے ظاہر یعنی ہے تجلیوں میں اپنی روپوش

۲۱- مشاہدہ

اے بارِ خدا یہ شور و غوغا کیا ہے؟ کیا چیز طلب ہے اور تنہا کیا ہے؟
 ہے کم نظری سے اشتیاقِ دیدار جو کچھ ہے نظر میں یہ تماشا کیا ہے؟

۲۲- کسی خاص کیفیت کی پابندی غلط ہے

افسردگی اور گرم جوشی بھی غلط گم گشتگی اور خود فروشی بھی غلط
 کچھ کیئے اگر تو گفتگو نہ ہے بے جا چپ رہئے اگر تو ہے خموشی بھی غلط

۲۳- شہودِ حق میں غیر معدوم

الحق کہ نہیں ہے غیر ہرگز موجود جب تک کہ ہے وہیم غیر حق ہے مفقود
حق یہ ہے کہ وہیم کا بھی ہونا حق ہے حق ہے تو ہر اک طرح سے حق ہے مشہور

۲۴- فقر

کیفیتِ ذوق اور ذکر و اوراد دین و اسلام اور کفر و الحاد
ہرزنگ ہے محو۔ ہر تعلق برباد ہے فقر تمام علتوں سے آزاد

۲۵- وحدت

نقاش سے ممکن ہے کہ ہو نقشِ خلاف ہیں نقش میں جلوہ گر اسی کے اوصاف
ہر شے میں عیاں ہے آفتابِ وحدت گر وہیم دوئی نہ ہو تو ہے مطلع صاف

۲۶- غفلت

اک عالمِ خواب خلق پر طاری ہے یہ خواب میں کارخانہ سب جاری ہے
یہ خواب نہیں یہی سمجھنا ہے خواب گر خواب کا علم ہے تو بیداری ہے

۲۷- راہِ خدا کی انتہا نہیں

جو تیز قدم تھے وہ گئے دور نکل دیکھے بھالے بہت مقاماتِ محل
ابنِ راہ کا پر کیوں نہ پایا انجام یعنی ہے وہی بہنوز روزِ اول

۲۸- خود شناسی

اکثر لے ہے آخرت کی کھیتی بوئی اکثر لے ہے عمر جستجو میں کھوئی

آخر کو اگر پتا ملا تو یہ بلا ملنے کا نہیں سوائے اپنے کوئی

۲۹- مظهر

بدلا نہیں کوئی بھیس ناچاری سے ہر رنگ ہے اختیارِ سرکاری سے
بندہ شاہد ہے اور طاعت زیور یہ سانگ بھرا گیا ہے عیاری سے

۳۰- کثرت لازمِ وحدت ہے

ہے عشق سے حسن کی صفائی ظاہر رندی سے ہوئی ہے پارسائی ظاہر
وحدت کا ثبوت ہے ظہورِ کثرت بندہ ہی کے دم سے ہے خدائی ظاہر

۳۱- طلب بے نشانی

یار ب کوئی نقشِ مدعا بھی نہ رہے اور دل میں خیالِ ماسوا بھی نہ ہے
رہ جائے تو صرف بے نشانی باقی جو وہم میں ہے سو وہ خدا بھی نہ ہے

۳۲- ہستی واحد ہے

ہم عالمِ خواب میں ہیں یا ہم میں خواب ہم خود سائل ہیں خود سوال اور جواب
آئی نہیں کوئی شے کہیں باہر سے ہم خود ہیں مسبب اور خود ہیں اسباب

۳۳- برشان میں حق تجلی ہے

ہے شکر و دست اور شکایتِ زیبا ہے کفر و دست اور ہدایتِ زیبا
گیسوئے سیاہ اور چینِ روشن دونوں کی بہار ہے نہایتِ زیبا

۳۲- تنزیہ

مقصود ہے قید جستجو سے باہر وہ گل ہے دلیل رنگ بو سے باہر
اندر باہر کا سب تعین ہے غلط مطلب ہے کلام و گفتگو سے باہر

۳۳- توجید

معلوم کا نام ہے نشان ہے نہ اثر گنجائش علم ہے بیان ہے نہ خبر
علم اور معلوم میں دوئی کی بو ہے اس واسطے علم ہے حجاب الاکبر

۳۴- ترک ذکر و فکر

ہوتی نہیں فکر سے کوئی افزائش چکے رہنے میں ہے بڑی آسائش
کہنا سنا تو ہے نہایت آسان کہنے سننے کی ہو اگر گنجائش

۳۵- ترک خودی

برہان و دلیل عین گمراہی ہے نفی و اثبات محض جاں کا ہی ہے
اس رہ میں عبارت اشارت ہے گم یاں ترک خودی اصول آگاہی ہے

۳۶- دین و دنیا

دین اور دنیا کا تفرقہ ہے مہمل نیت ہی پر موقوف ہے نتیجہ عمل
دین داری بھی عین داری ہے مرکوز ہو کر رضا حق عز و جل

۳۷- وحدت

خاکِ مناک اور تابندہ نجوم ہیں ایک ہی قانون کے یکسر محکوم

یکسانی قانون کے دیتی ہے لاریب کہ ہے ایک ہی ربِّ قیوم

۳۷۰ - استقلال

تیزی نہیں مجملہ اوصافِ کمال کچھ عیب نہیں اگر جلو و صہمی چال
خرگوش سے لے گیا ہے کچھوا بازی ہاں راہِ طلب میں شرط ہے استقلال

۳۸ - ایک واقعہ

کیا کہتے ہیں اس میں مقتیانِ اسلام؟ جب بیچ مساجد سے نہیں چلنا کام
تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام؟

۳۹ - اصلاح قوم دشوار ہے

پانی میں ہے آگ کا لگانا دشوار بہتے دریا کو پھیر لانا دشوار
دشوار سہی، مگر نہ اتنا جتنا بگڑی ہوئی قوم کو بنانا دشوار

۴۰ - ہر کام کا نتیجہ اپنے لئے ہے

گر نیک دلی سے کچھ بھلائی کی ہے یا بدیشی سے کچھ بُرائی کی ہے
اپنے ہی لئے ہے سب اوروں کے لئے اپنے ہاتھوں نے جو کمائی کی ہے

۴۱ - مراسم میں فضولی

اب قوم کی جو رسم ہے سوا اولِ جلیل فاسد ہوئے قاعدے تو بگڑے معمول
ہے عیدِ مہذب - نہ محرم معقول ہنسنا محمود ہے نہ رونا مقبول

۴۲- نجران ان کی مخلوق ہے

فطرت کے مطابق اگر انساں لے کام
 حیوان تو حیوان - جمادات ہوں رام
 مٹی - پانی - ہوا - حرارت - بجلی
 دانشمندیوں کے ہیں مطیع احکام

۴۳- وقت رائگاں نہیں کرنا چاہئے

بے کار نہ وقت کو گزارو یارو
 یوں سست پڑے پڑنے نہ بہت ہارو
 برسات کی فصل میں ہے ورزش لانم
 کچھ بھی نہ کرو تو مکھیناں ہی ہارو

۴۴- اتفاق میں کامیابی ہے اور نا اتفاقی میں تباہی

جب تک کہ سبق ملاپ کا یاد رہا
 بستی میں ہر ایک شخص دل شاد رہا
 جب رشک و حسد تے پھوٹا ان میں ڈالی
 دونوں میں سے ایک بھی نہ آباد رہا

۴۵- بہت

جس درجہ ہو مشکلات کی طعینانی
 ہو اہل بہیم کو اور بھی آسانی
 تیرا کہ اپنا ہنر دکھاتا ہے خوب
 ہوتا ہے جب اس کے سر سے اونچا پانی

۴۶- فنا عینِ وصال ہے

کس طور سے کس طرح سے کیونکر پایا
 دل نذر کیا سرائع دلبر پایا
 باقی رہا مدعا نہ دعویٰ نہ دلیل
 کھوئے گئے آپ ہی تو سب بھر پایا

۴۷- دینا پرست دین دار

دُنیا کے لئے ہیں سب ہمارے دھندے
 ظاہر ظاہر ہیں اور باطن گندے

ہیں صرف زبان سے خدا کے قائل دل کی پوچھو تو خواہشوں کے بندے

۴۸۔ محبت دنیا نشانِ خامی ہے

یہ قول کسی بزرگ کا سچا ہے ڈالی سے جدا نہ ہو تو پھل کچا ہے
چھوڑی نہیں جس نے حبیہ دنیا دل سے گوریش سفید ہو مگر بچا ہے

ابیات

۱۔ اچھی بات

جو بات کہو صاف ہو۔ ستھری ہو بھلی ہو۔

کڑوی نہ ہو۔ کھٹی نہ ہو۔ مصری کی ڈالی ہو

۲۔ وقت سے کام لو

وقت میں تنگی فراخی دونوں ہیں جیسے رُط
کھینچنے سے بڑھتی ہے چھوڑے سے جاتی ہے سُکڑ

۳۔ بُری صحبت سے بچو۔

بدکی صحبت میں مت بیٹھو اس کا ہے انجام بُرا

پرنہ بنے تو بد کہلائے بد اچھا بد نام بُرا

۴۔ خیالِ محال

کیا کیا خیال باندھے ناداں نے اپنے دل میں

پراونٹ کی سمائی کب ہو چوہے کے بل میں

۵

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت نہیں کام آتی دیس اور حجت

۶۔ اعتدال خیال

نہ حلوا بن۔ کہ چٹ کر جائیں بھوکے نہ کر و ابن۔ کہ جو چکھے سو تھوکے

۷۔ اعتدال غذا

نہ کھاؤ اتنا زیادہ کہ ڈال دے بیمار نہ اتنا کم ہو کہ ناطاقتی ہی ڈالے مار

۸۔ راستی

راستی سیدھی سڑک ہے جس میں کچھ کھٹکا نہیں
کوئی رہو آج تک اس راہ میں بھٹکا نہیں

۹

گلستانِ جہاں میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی
مگر جو گل کے جو یا ہیں انھیں کیا خار کا کھٹکا

۱۰۔ اپنی حفاظت

جب کہ دو موزیوں میں ہو کھٹ پٹ اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

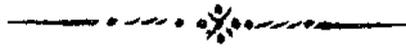
۱۱

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نلے با دِ صبا یادگار رونقِ محفل تھی پروانہ کی خاک

۱۲ تم نہ چو کو کبھی نکوئی سے
کرنے دو گر خطا کرے کوئی

۱۳ ہر چند اُس کے مال سے کچھ واسطہ نہ ہو
پھر بھی براہی کہتی ہے خلقتِ بخیل کو

۱۴ ساغر زین ہو یا مٹی کا ہواک ٹھیکرا
تو نظر کر اُس پے جو کچھ اُس کے اندر ہے بھرا



منظومات فارسی

آفتابِ عالمِ تاب

صبح شد بخوابد بر آمد آفتاب
 خیز و در جائے بلندے کن قیام
 کن نگہ در گنبد نیلوفر
 رو بشرق ساعتے استاوه باش
 اولاً یک گوئے زریں سرزند
 اندک اندک پڑھیا گرد و جہاں
 لطفها بر خاکِ ظلمانی کند
 گلبن و زرع و نخیل و مرغزار
 اگر تاب آفتاب پڑھیا
 بسکہ افتادہ ست از ما دور تر
 چون زمیں طوفے کند بر گرداں
 چرخ دیگر میسزند بر خود زمیں
 تو ہی بینی کہ پوید آفتاب
 دیدہ می مال و پیگن رختِ خواب
 بر فراز کوہکے یا طسرف بام
 تا تماشاے غریبے بنگری
 جلوہ خورشید را آمادہ باش
 بعد ازاں خطِ شعاعی درزند
 بر دجھرو کوہ و دشت و آسماں
 روشنی و گرمی از زانی کبند
 ہر یکے از فیض او پڑ برگ و بار
 نے پیر کا ہے بیابی نے گیا
 قرص خور کوچک نماید نظر
 عرصہ سالے ہمیں گرو د عیاں
 تا پدید آید شب و روزے چنیں
 فہم کن خود واژگونست این حساب

۲۔ مناظرہ میدان باکوه

شنیدم کہ میدان سخن ساز کرد
 کہ اے کوهِ بارفت و فرسوجاہ
 سرت بر سر از ہوا بردہ
 نہیب آورد سہ فرازی تو
 ترا قلہ از ابر بالا ترست
 ولے فکر تم در توجیرانی ست
 یکے تو دہ سنگ بالائے سنگ
 بدیں پیکر سخت و پن و گراں
 چہ داری جبرائیل و زہ و سنگ کلاخ
 صد ابا زگر دید از کو ہزار
 بگو پیش من از ہنر نائے خویش
 بگفتانہ بینی کہ تقدیر پاک
 کل و سنبرہ و غلہ ما و شکر
 بسا خورینہا و پوشیدنی
 کشا و زیا بذر من دست رنج
 بکو ہے در گفت گو باز کرد
 توئی از بزرگان این کارگاہ
 بہ زیر زمین پائے افشردہ
 بہ حیرت درم از درازی تو
 مدامت کلاہ مہی بر سرست
 کہ آخر چہ سود از تو ازانی ست
 شدت از وجود تو بس عرصہ تنگ
 چہ نفعے رسد از تو با دیگران
 نشیب و فراز و بلند و فرخ
 نخست انچہ سرمایہ داری ہار
 کہ داتدہ تر بہت دانا خویش
 ودیعت نہادست در زیر خاک
 غذا نائے مرغوب ہر جانور
 شراب و عرق نائے نوشیدنی
 وہم مایہ زندگی گنج گنج

صلادادہ ام از پئے خاص و عام
 خرواسپ گاو ان و آب و پیش
 چرد گلہ گو سفند و برہ
 اگر بلبل و طوطی و فاختہ ست
 سپہم بسر ساہاں می تند
 ز بحر محیط ابر آید دواں
 بسے چشمہ سارو بسے آبگیر
 ہی نفع خیزد آب و گلم
 برند آدمی عند خروار ما
 چمی پرسی اے کوہ از سوین
 اگر دیدہ بیندہ بودے ترا
 جبل داد پانخ بہ علم و وقار
 کہ اے سادہ میداں براہ ستیز
 متاعے کہ اینک بد امان تست
 رسد ار معانم ز دریاے ژرف
 نہ بینی کہ برگردن سال و ماہ
 زہر جانہ رو کند سوئے من
 ز خوانم رُبایند آب و طعام
 کنند از گیاہم پُرانبانِ خویش
 علفناے شیرین برگ ترہ
 ہم از دانہ ام طعمہ ساخته ست
 ہوا بارو و برق نوبت زند
 کند رود و جو ما برویم رواں
 کشادہ بسیرایم جوئے شیر
 ذخیرہ نندہ ہر کسے حاصلم
 کشت کشتی از خرمنم بار ما
 جہانیت پُرما یہ از جو دمن
 چو خورشید سودم منودے ترا
 جدل مہتراں را بود ننگ مہار
 سمند تفاخر مراں شد و تیز
 آکا تا گلوئی کہ از آن نشت
 کم اندک اندک از لہ بر توف
 زند خیمہ بارندہ ابر سیاہ
 ہجوم آورد پشت پہلوئے من

گے برف ریزو بغار و سفاک گے ڈالہ بارو گے آب پاک
 زویاے مخضرم کند سبز پوش زندار درونِ دلم چشمہ جوش
 پستی کنم نفقہ آبِ زلال برسیم کریمانہ پیش از سوال
 بسے سیلہا تا بصرار سد بخم جو دو لطفم بہ ہر چار سد
 ز رشحاتِ فیضم شود تروہاں بسے رودخانہ بسے آباں
 ہر آں حوض و چاہے کہ در پائنت ہر آں نہر و جدول کہ سقاشت
 بیا و بسیں خیس چاری من دہد آبت از آبیاری من
 وجودم ترا مایہ زندگی ست مرا کار ہوارہ بخشندگی ست
 زیانِ عظیمی بحالت رسد گرازمین نہ بذل و نوالت رسد
 نہ یک پڑکا ہے نہ یک دانہ بمانی کیے دشت ویرانہ
 نہ یک شاخ سبزے نہ یک جو آب اگر من غانم بمانی خراب
 نہ خواند بہ بستان تو بلکے نہ خندد بہ دامان تو یک گلکے
 نہ بیند کسے طلعت زشت تو نہ یک قرصِ نای خیزد از کشت تو
 مگر بینی آوارہ خیل دواں نہ دیار بینی تو از جسدواں
 کند ڈرہ با ڈرہ یاریگری تو در کئے قدرت میں سہری
 مرا ہست از دیگران برگ و ساز نہ تنہا ترا ہست با من نیاز
 ہمانا کہ محتاج یکدیگر اند اگر ماہ و مہرند و بحر و بر اند

مکن نفی حکمت پس لے خود پرست کہ نقاش نقشبے باطل لمبست

۳۔ پتہ دانہ

روزے مشتے ز پنبہ دانہ	دہقاں بہ گرفت و شد ز خانہ
ہر دانہ جدا بہر کنارے	بنشانہ بجا ک کشت زارے
دو داز دل دانهسا برآمد	ہیہما ت زمان ماسہ آمد
یک یک بر حال خوش بگسیت	در خاک چگونہ میتواں زسیت
فریاد زوند و لب کثووند	پیش دہقاں فغاں نمودند
آخر چہ گناہ و مجرم دیدی	کز مسکن مابروں کشیدی
بودیم ترا ز خانہ زاداں	در گوشہ کلبہ تو شاداں
از حضرت خود چرا براندی	وین خاک بہ فرق ما فشانہی
گفتا بکنید صبر یک چند	خود ہست کشایشے درین بند
رازے کہ بدیدہ ام ز آغاز	در قلب شما منججہاں راز
بعد از دو سہ روز تخم مناک	بر شکل گیا بر آمد از خاک
ہم خاک بفرخیش برداشت	ہم آب بحال و بے نظر داشت
خوشید بچشم لطف دیدش	بانازو نعیم پروریدش

ہم باوصبا موافقت کرد
 بالید بکشت روز تا روز
 بر سر زشگوفہ زد کلا ہے
 پس گفت کہ عیش و کامرانی
 دوران بقا مرا بکام ست
 مصیوں ز غم زوال گشتم
 دیہقاں گفتش کہ حرف کمزن
 بسیار سفر ہنوز باقی ست
 ہاں باز مکش عثمان یگراں
 مکشائے بہ نیمہ راہ بارت
 باید عدم و وجود دیدن
 البتہ بر نخت برگ و ہم بار
 باز رگانش بچار سو بڑو
 دستہ دستہ بر سیمانش
 نڈاف کماں زد و صفاداد
 بودش پس ہر تزل معراج
 شد پارچہ گرہل بہائے
 ہم ابر مطیر سایہ گتو
 تا گشت نہال خاطر افروز
 بر بست ٹر ز بعد ماہے
 زیں بہ بنود بہ زندگانی
 این راحت و خوشدلی تمام ست
 دانہ بودم نہال گشتم
 زیں مرتبہ پیشتر قدم زن
 صبح تو دمید و روز باقی ست
 میزن جرس و فرائرک راں
 اے چشم براہ انتظارت
 تلخی و خوشی بسے چشیدن
 وز حاصل پنبہ گشت انبار
 در زیر شکخہ اش ہفیشرد
 بر بست و کشید کاروانش
 در چرخہ بدور دیگر آفتاد
 تارفت بکار گاہ نسیج
 بار یک و نفیس و باصفائے

پس جامہ خوب از ازل برینند
 گفتا کہ خوش ست صحبت من
 بارے ز غور سرگراں شد
 تاژندہ و کہنہ گشت و پارہ
 در صفِ رعال رفقہ از صدر
 بازش گرد آورید کتاس
 کاغذ سازاں بہم نشستند
 برہم بزوند و کوفتندش
 ریشہ ریشہ بہ آب در شد
 میگفت شکیب و صبر باید
 تا جلوہ بہ پیکر دگر کرد
 پھنا و دراز و با صفا شد
 راحت تا دید بعد دروے
 از ہر علی و ہر کمالے
 بر صفحہ نگار بست خامہ
 جایافت بکتاب و بدیواں
 صد باب خرد ازاں شدہ باز
 سلطان و گدا بہ بر کشیدند
 فارغ شدم از نہال بودن
 غافل ز خیال امتحان شد
 از کلفت و غم ندید چارہ
 بر مزبلہ ما فتادہ بے قدر
 سپرد بکار گاہ قسطاس
 تا روپوش ز ہم بستند
 افتاد جسد از بند بندش
 حالا غفلت بر سر پد شد
 باشد کہ در دگر شاید
 پیرا بن کاغذیں بہ بر کرد
 کاغذ گشت و ہزار تا شد
 آمودہ گھر بہر نوروے
 دروے شدہ مرتسم مثالے
 صد نسخہ زہر کتاب و نامہ
 آمد مقبول پاک طبعان
 بخشاد بے خزینہ راز

بنمود ز رفتگان نشانها	شد بدرقه بهر کار دانها
شرحه ز او امر و نواهی	بر خواند به بندگان شاهی
توقیع شد و مثال و منشور	طومار و صحیفه های مسطور
هم آخر کار گشت باطل	از کار شد و نشست عاقل
پس گفت به حالت تحیّر	دیدم بجاس بتغیّر
قدرت بخشید نفع و سودم	به زان که امید بسته بودم
بودم گلّه تازه به کشته	پنداشته کشت را بسته
زان روز بهر مقام و بهر حال	بردند مرا با وج اقبال
تا آنکه شدم کتاب پر مغز	حمال نکات و معنی لغز
اکنون هم امید لطف دارم	کز جیب خزان و مدبّارم
القصه گرفت شعله دروے	شد منزل آخرین او طے

از ساحت خاک رخت بر لبست

بر شد به هوا مهر پیوست

شیر

نیست مرا حاجت تاج و کلاه
بس بود ایں دید به شان من

شیر بگوید که منم پادشاه
ناخن و سر نخچر و دندان من

بانگ زخم تند چو بردام و دود
 بر سر صیدے کہ کنم پنجہ تیز
 چوں بزخم بر سپیل ز ماں
 چوں بشکارے بکشایم کیں
 داسے بر آہو کہ در آید بہ پیش
 پنجہ زخم در بین غارش برم
 حیف بریں خوے تو لے شرنہ شیر
 چون تو نخواہم کہ شوم پادشاہ
 پادشہ ملک اگر بودے
 جملہ بخوف اندز آئین تو
 زلزله در کوہ و بیاباں فتد
 پوست بدترم کنش ریز ریز
 رو بگریز آورد از بیم جاں
 برق جہندہ شوم از خشم و کین
 روے زمین افکنش سینہ ریش
 میکشم و میدرم دمی خورم
 از چہ بخون دگرانی دیر
 پادشہ ظالم و کم خیر خواہ
 برہمہ مخلوق بہ بخشودے
 لب بکشایند بہ نفرین تو

چو روحفایے توشدہ ست اشکار

شاہ نکو نام نہ ہونہ ہار

۵۔ خجالت بر گناہ

شے بود با مرد و عا جز نواز
 بجال اسپاں نظر داشتے
 جہاندار روزے بزنداں رسید
 کہ رفتے بزنداں پے کشف اند
 ہم از ماجرا شاں خبر داشتے
 در آجائے بد پنج کس تازہ دید

بخواند و زیک یک پرسید حال
 یکے گفت شاہ گناہم نبود
 دوم گفت قاضی عدو من است
 چہارم چنین گفت کاے شہر یار
 سخن چوں بچت بیار استند
 چونوبت بعاصی پنجم فتاد
 بصد پنج و افسوس گفتا کہ شاہ
 نگویم کہ ہستم سزاے کرم
 بفرمود سلطان بدال شہسار
 نباشد بظہم و درایت قریں
 بدیں بے گناہاں شوی ہمنشیں
 کہ چوں اوفتا و نداند رو بال
 گواہم بنا راستی لب کشود
 سوم گفت نطنے بسوے من است
 در کس خطا کرد و من زیر بار
 رہائی ز بند گراں خواستند
 ز شرم گنہ مہر بر لب نہاد
 یکے کیسہ زر بزدیدم آہ!
 بیاطل ز رفت ایں جفا بر سرم
 توئی دزد و اینہا امانت شعار
 برو زود از سنجاک کہ کردم رہا
 تو قابل نہ صحبت نیک را

۶- کاخ ویرانہ

بگشتم روزے بویرانہ
 ندا آمد از تودہ سنگ و خشت
 کہ بودہ دست ایوان شاہانہ
 کہ بودیم وقتے چو خرم بہشت
 حریں سراپردہ قالین بساط
 مہیا ز ہرگونہ ساز نشاط

نہشتہ دریں بارگاہِ بلند	بزرگانِ باشوکت و ارجمند
ببروہ از چمن رونقِ نو بہار	بیک ناگہاں گردشِ روزگار
شب آمد و لے شمع روشن نماںد	زدیاریں بقعہ یک تن نماںد
شد این قصر پاشیدہ و ریختہ	زمانہ چو آن عقد بگسیختہ
بگردید بنیانِ محکم خراب	ز باران و سرما و آفتاب
گیارستہ و خار بنِ غاصتہ	بجا بلے ایوانِ آراستہ
نمی خیزد الا نہیقِ خراں	زدیرانہ بزمِ خنیا گراں
کہ برگرد آں ایستادے سپاہ	دریغ ازین کلخ با فروجاہ
نشیمین نبود و شبستانِ بندت	تو گوئی کہ خود طاقِ ایوانِ شدت
بریں ماجرا نوح خوانے نماںد	زدیوار و دربانِ شانے نماںد
شغالان ہیا ہو در انداختند	مگر وہماں مسکنے ساختند
مبیس تو دمانے گل و خشت و سنگ	ازاں کہ خدایانِ بانام و سنگ
از ایشان ہی خلق دار و بیاد	نکو یادگارے کہ عدل ست و داد

۴۔ ابرو پاراں

کہ آمد لگتہ ابر سیاہے	بسو سقنی نیلی کن نگاہے
فراگیر و فضائے سطحِ گردوں	بانک روز گرد و ابر افزوں

تقابے افگند بر روئے خورشید	بروز اندر شب تارے تو اس دیند
بقرہ کوس رعد و بر جہد بمق	بریزد آب و صحرا ہا شود غرق
زمین تشنہ گردد زود سیراب	کہ راحت ہا رسد بعد از تبت تاب
بارد از ہوا چوں یک دو باران	بروید سبزہ اندر مرغزاران
بگرد ز زندہ خاکِ مردہ و خشک	بخنداند گل و پیروں و ہدیشک
وز دیاد خشک تا غنچہ خندد	سموم جانگزا گورخت بندد
نسیم معتدل آید سبک پا	صبا غلتد بروئے فرشِ خضرا
بجوشد آبِ صافی از تگ چاہ	گیاد کشت بال حسب دلخواہ
شود باران چو بافر خندہ حالی	ناید پترِ ظلومی زرعِ شالی
بہدستاں اگر باران نہ بارد	زمین مزرعہ حاصل نیارد

پیر جلاب و خرش

پیر مردے بود و ہمراہش پسر	سوئے نخا سے ہے بردند خرس
خود پیادہ ہر دو آفتادہ براہ	خرسبک میرفت و میخوردے گیادہ
آں یکے دید و کیفیت این ابہماں	خوشتن در بیخِ راہ و خرہماں
پیر بشنید و چو خرد در گل بماند	زود پشتِ خر پسر را بر نشانند
پیشتر رفتند ز انجا اندکے	بانگ برزد از کنارہ پکے

ہے چہ چراشد خرسوارہ این پسر
 نوجواں آرام و پیرے در تعب
 پیر بچہ چارہ پیادہ رہ سپر
 نیست این معنی ز ہنجا ر ادب
 طفل را آورد از مرکب فرود
 طفل بچہ چارہ ز پیش و پس دواں
 خود بہ پشت خزشستہ شد رواں
 بانگ زورہ روے کا پے پیروں
 میدوانی طفل گشتہ استی سوا
 این سخن بشنید چوں پیر ضعیف
 دیگرے دید و بگفت لے مرد کار
 پیر گفت آسے خراز ملک من ست
 چوں خرمسکین کشد بار دو مرد
 می نہ زید خبر کشد بار شما
 این شنیدہ زود تر زیر آمدند
 خربستند و کشیدندش بدوش
 این تماشا کس ندیدہ در جہاں
 پس بجا و نڈاز سیراں پل عبور
 دست و پا ہازد رسن اپارہ کرد
 خربد ریا و قوادہ شد تلف
 پیر بچہ چارہ پیادہ رہ سپر
 نیست این معنی ز ہنجا ر ادب
 طفل را آورد از مرکب فرود
 طفل بچہ چارہ ز پیش و پس دواں
 برگزیدی از چہ این طور زبوں
 تو ز بے مہری نداری ننگ عار
 کرد حال طفل را با خود رو لیف
 خرز آن تست یا خود مستعار
 گفت نے نے کذب تو خود روشن است
 حیف مالک گردش ناید برد
 خرخشی باشد سزاوار شما
 از سواری ہر دو تن سیر آمدند
 تا برنداں روئے پل بہر فروش
 مرد ماں انگشت حیرت در دہاں
 خرز قید و بند گشتہ ناصبور
 پیر نتوانست بچک چارہ کرد
 برزیانش پیر می مالید کف

گفت با خود ای سزای آنکه من
ہر کسے خوشنود خواہم ساختن
ہر کہ میجوید رضاے ہر کسے
در جہاں جو روزیاں بنید بنے

۹۔ چو بکے میان سیلاب

ز کوہستان رواں شدیل پیابک
کہ موجش چاک میزد سینہ خاک
بہ تندی سنگ بارسنگ سودہ
در خان کهن را در ربودہ
میان موج او چو بے سبکسار
ہمیرفت و ہمیزد لاف بسیار
کہ میرا نم من این آب رواں را
منم سالار خیل کارواں را
بسیا جل گفت کلمے ساحل ندانی
کہ از من سیل را آید روانی
نمی بینی کہ ہست اندر کف من
ز نام رفتن استادن دیدن
دریں اندیشہ بوداں چو بک پیچ
کہ آب افتاد در راہ کج و پیچ
زواں بگذشت آب از ناے تنگے
ولے در ماند چو بک زیر سنگے
بگفتا ہیں مرا بگذار اے سنگ
کہ جز من آب را یا و رکہ باشد
منم از براہ و رسم منزل آگاہ
بگفتا عرض کن در پیش ساحل
کہ دریا راست او میرا محل
بگفت و گفت ساحل لب فرو بند
کہ بسیار زدند این لاف و رفتند

نہ بے آہنا تفاوت کر دویا بے برو بے آورد دریا

نہ از آہنا بدریا در نشان ست و لے موجی دریا ہاں ست

پس از تو ہمچنین آیند بسیار

روند آخر دریں ورطہ نگونساہ

۱۰. طفلکے و مادرش

طفلکے بر کنارِ حوض رسید آبِ صافی درونِ حوض بید

موجھا دید از وزیدنِ باد جائے خوش بو و خاطرش بکشاو

خواست با سنگریزہ ہا بازو یک یک آل روئے آب انداز

نوبتِ اولیں کہ دست کشاو سنگریزہ میانِ آب افتاد

در عجب ماندہ از تماشاے کہ ندیدہ ست پیش ازیں جائے

سنگریزہ کہ خورد و ساحتِ آب دائرہ زد چو ہالہ مہتاب

رفتہ رفتہ فسخِ ترا گشتہ عاقبت غائب از نظر گشتہ

جمع آوردہ سنگریزہ چند ہم چنین روئے آب می افکند

مادرش کرد ہم بچوض گزر ماجرا باز گفت با مادر

جنبتے کاں بچشم بے قدرت اثرش ہیں چہا بزرگتر ست

طرفہ نقشے بر آب پیدا کرد نقطہ را محیطِ پست کرد

گفت مادر کہ ہچنین ہر کار اولش اندک آخرش بسیار
بس بدیدم کہ کمتریں عملے کردہ پیدا عظیم تر خللے
اے بسا ذرہ نکوئی خاست آفتابے شد و جہاں آراست

جانِ مادر بہ لہو و بازی نیز

عبرتے تہست بہر اہلِ تینر

۱۱۔ آبگیرے و رودے

آبگیرے بہ رود ہمایہ گفت کائے گرم رو تنگ مایہ
بے محابا کہ خرچ آب کنی خانہ خود ہے خراب کنی
ایں قدر تند میروی شب و روز ہے اندازی خطر ز حرّ تموز
زود با شد کہ تیر ماہ رسد مہر تاباں بگرم گاہ رسد
باید آنکہ کشید ریج دراز کابِ رفتہ بجو نیاید باز
رود گفتش جواب از سر پیش آبگیرا! خموش باش و محوش
خوش ہی آیدم رواں بودن نے بخیلانہ سر گراں بودن
زاں طرف نگیرم ایں طرف بدہم حیث باشد گردش بہ بند نہم
دائما در افاضہ باید بود مرگ خوشتر کہ زیستن بے سود
عاقبت آفتاب تیر بتافت بر سر رود و آبگیر بتافت

تاشانے ز آبگیر نماند رو و فیاض پہچناں میراند
 سبزہ و گل دمیدہ اطرافش شکر گویاں ز عین الطافش
 مست و محو صدائے آب شدہ
 امین از تاب آفتاب شدہ

۱۲- دوجو کے

دوجو گشتہ از کوہ سارے رواں بوادی زیریں پئے ہم دواں
 یکے خامش و صست و کم آب تر دگر تیز و متواج و بیتاب تر
 بگفتا میں بدیاں لے کہستی کنی کجا کار خود باد رستی کنی
 بدیں کاہلی تا کہ تومی روی بترسم کہ در خاک رہ گمشوی
 ازیں پیش کاہی بہ پلوئے من سفینہ تر دو کند روئے من
 بہر گوشہ دولت فشاں بگزم خرابجہ بدریاے اعظم برم
 تومی باش قانع ز روئے نیاز فراتر روم من براہ دراز
 ولے جوئے خاموش پانخ نداد بہ آہستگی بصر اہناد
 ہر ااں جوئے کوچک کہ در راہ دید بہمراہی خود ورہ بر گزید
 ہمیرفت تا گشت بہن و طویل چو جیحون و سیحون و دریا نیل
 زہر جانے حبست با خود رفیق تواضع نمودش وسیع و عقیق

و لے جوے مغرور بر عکس آں
 بہ تنہا خرا مید و امن کشاں
 بجو ہائے دیگر نکر و التفات
 فراہم نیاورد آب از جہات
 بہ آخر در اں رود و خلجیست
 کہ کم مایہ میدیدش اندر نخست

۱۳ کشف و خرگوش

مشتے گویم ار کنی در گوش
 کشفے گوئے بردہ از خرگوش
 سبک از جہائے خود بروں حبسند
 بدویدن ہے گرو بستند
 دور تر نقطہ نشان دادہ
 رو باں نقطہ ہر دو افتادہ
 کشف آہستہ تر قدم بہ قدم
 بے درنگے ہے رود پیہم
 باز خرگوش تنگ شتہ رواں
 تیز تر ہم چو باد و برق دواں
 سیر و گردش کنات مین و سیار
 باز گردیدہ بر خط رفتار
 یک دو میداں دویدہ در نفسے
 خوشیتن را ہے ستودہ بے
 خندہ برستی حریف زدہ
 چوں حرفیش بگرداؤن رسید
 طعن و تشنیع بر ضعیف زدہ
 پاز رفتار باز پس بکشید
 خود چرا زود راہ پیسایم
 گفت جہلا دے بیاسایم
 ہمہ راہ و روش بداد از یاد
 دیدہ بر بست و سر خواب نہاد
 سنگ پشت از عقب رسید گذشت
 خفتہ خرگوش را بدید و گذشت

زہ بریدہ بزحمت بسیار
خود بدانید تا کہ برود کہ باخت
پیشتر آمدہ بجائے قرار
رخشن فرزانگی باید باخت

۱۲- طاؤس

ببینی کہ طاؤس گرون فراز
ز قوس قزح رنگمایش فزوں
کشاید ہے بال و پر ناما بناز
تو گوئی کہ از جنت آمد نروں
وے بانگ ناخوش کند متصل
سخن برگزیدم ازیں جانور
شرف آدمی را نہ بخشد لباس
بر و از ادب جامہ ترتیب کن
ز خود بینی و عجب و کبر و غرور
کہ دانش بہ است از قبائے رز
چہ دیباے معلّم چہ کہنہ پلاس
ترقی بہ تکمیل و تہذیب کن
نہ راحت میسر شود نے سرور
بر عنائی خود کنم استخا
کہ یاراں کنند آفریں یک نفس
مہا دایں کہ من نیز طاؤس وار
مرا زیب و زینت ہیں قدیس

۱۵- شیکر موش

موشکے در حضور شیر قناد
گفت از روی عجز موش ذلیل
شیر از ہر صید پنجم کشاد
اے شہ باد قار شیر جلیل

نتوانم رسامنت آزار
 گر رود التفات بر خشم
 شیر را بجز روے پسند آمد
 پس اماں جوئے را اماں بخشید
 شد بریں قصہ چند روزے دیر
 دام زان گو نہ بر تنش پیچید
 لاجرم شیر آہ و زاری کرد
 کہ مبادا رسد گزند و زیاں
 آمد و خا و مانہ داد سلام
 رخنہ زد فراخ و کار بساخت
 کمتربن بندہ ام مرا بگذار
 گاہ باشد کہ خدمتے بکنم
 رحم بر حال مستمند آمد
 مردمی کرد و پنج بر باز کشید
 تا گرفتار دام شد آن شیر
 کہ بنوعے رہ خالص نہ دید
 موش بشنید و عزم یاری کرد
 بکشندش گروه آدمیاں
 پس بدنہاں بریدر شتہ دام
 بندگست و شیر بریں تاخت

۱۶۔ گے

بدریا گے استخوان دردماں
 کہ دارو گے استخوان زیر آب
 بید آں، تماشا و از روئے آرز
 کہ تا در مرید ز گب استخوان
 خود آں استخوانش تہ آب شد
 شنا کرد و از عکس شد درگماں
 چون در شنا می نماید شتاب
 فرو شد بآب و دہن کرد باز
 ولے از سگ استخوان کوشاں
 نخل باز گردید و بے تاب شد

بدرل میدہمرد طامع قرار
ولے آں رودایں نیاید کعب
بگیر آں دگرایں یکے را بدار
طمع میکند ایں و آں را تلف
عینمت شمار آنچه آمد بدست
خوش آں کو بکنج قناعت نشست
بکار آورش آنچه در یافتی
خزف یافتی ور گہر یافتی

۱۶- گرگے

گرگے لب جو رفت و شد سیر
تا خواست کہ حیلہ پیش آرد
می خورد برہ بجانب زیر
وانگاہ گلوئے او فشارد
دیدش بنگاہ خشم آلود
شربت ناید ازیں و تیرہ
کردی ہمہ آب خورد تیرہ
من زیر ترم شما بیالا
بر من مکنید چیرہ دستی
گفتا بہ ادب جناب والا
بالا رود آب کے زپستی
چوں گرگ بجتیش فرو ماند
ناں! پار کہ یاد من نمودی
این بار اگر خطا نہفتی
دشنام غلیظ دادہ بودی
ناں پار بدم چہ سرا بگفتی؟
شش ماہہ چہ بد بگویدت پار
دشنام چگونہ دادہ بودم
من پار کہ خود نزادہ بودم

زین گو نہ کہ حجت قوی گفت
گفتا تو اگر نگفتا بد
گرگ از سر خیرگی بر آشت
شاید پدر تو گفته باشد
این گفت و بکشت و خور و اورا
حجت نہ برد بدی خورا

۱۸- محمود غزنوی

بگویند محمود فرخنده خو
بپر دخت بتان سر عجیب
بہ طفلی بیار است باغ نکو
کہیندہ را بروے از دل شکیب
پدر را یکے روز مہماں بخواند
برفت و بدید و پسندید و گفت
کہ لے ملک و دولت ترا با و مفت
چرا بر مگسما زند شاہباز
تواند بنا کرد ہر یک امیر
کہ مشکل تو اں مثل آں ساختن
کہراں عاجز آیند میران شہر
منم بندہ فرمان شاہ زماں
دل اہل علم ست و اہل ہنر
در اقصاے عالم کنی سروری
تو اں قصر خرم بنا کن بہ دہر
پہر سید آخر کہ دست آں
بگفتا کہ آں روضہ خوش تر
تو گر علم و فضل و ہنر پروری
پدر ہرچہ از نصح گوہر فشاند

عطا داد و بنواخت اہل ہنر
خردمند مردم زہر مرزوبوم
در آفاق شد نام نیکش سمر
شد القصہ غزنین عروس البلاد
در آفرودہ پائے سریش رجوم
نہ سلطان باندونہ سلطانیش
در راں بود از ہر فنی استاد
مگر قصہ ماے جہان بانیش

۱۹- پیرام وقاسم

چو اقبال رواز ہایوں بتافت
پریشاں شدش کاروسا ماں تباہ
زہندوستان سو ایراں شتافت
پراگندہ گشتند یاران او
فرو کوفت طبل شہی شیر شاہ
خیال رفاقت بسدراشتند
مگر جمعے از جاں نثاران او
ازا بخلہ پیرام وقاسم دومرد
پئے شاہ مغرول برداشتند
بر آقاسے دیرینہ دل شاں طپید
کہ بودند در وضع اخلاص فرد
شعبے راست کردند عزم گریز
وفا ہچو پیکاں بہ پہلو خلید
جدا گشتہ از مخیم شیر شاہ
نشستند بر بارگہاے تیز
ولے نیمہ رہ شیر شاہی سفیر
بایراں زمیں باز جستند راہ
چو قاسم نکو فر بہ اندام بود
منو دایں گریزندگان را اسپر
بصورت قوی تر ز پیرام بود
گماں برد پیرام و بندش نہاد
بروں جست پیرام چوں برق و باد

و لے کر داندیشہ درینِ راه
 کہ یارے شود فیہ خونِ من
 پیشیاں شد و شرمگین از فرار
 منم خانِ بیرام اے مرد ماں
 خدا را ز بندش رهایی دہید
 چو قاسم دلیری بیرام دید
 چرا آمد این یارِ بگریختہ
 گرایں باز پڑاں در افتد بام
 نمودند بارے از و کشفِ راز
 بگفتا کہ این خادم با وفا
 دلش سوخت بر حالتِ از من
 ز روے وفاداری آمد دواں
 و گرنہ منم خانِ بیرام و بیں
 دریں طرفہ دعوی مرد آزماے
 مگر قولِ بیرام باورنداشت
 زجاں رفت قاسم درینِ اوری
 بزرگاں کہ بر تنشیں بودہ اند
 کہ نبود مردی بترزیں گناہ
 تقو بر من و مہمتِ دونِ من
 عناں باز پیچید و گفت آشکار
 نہ آں مرد بیچارہ خستہ جاں
 ہماں بند بردست و پایم نہید
 بہ احوالِ اولب بدنماں گزید
 مبادا کہ خوشش شود ریختہ
 مرا جان شیریں شود تلخ کام
 کہ از رازِ سربستہ برگوئے باز
 نخواہد کہ بر من بہ بند جفا
 کہ بودست وقتے نمکخوارِ من
 کہ تا فدیہ من شود این جواں
 بخویم رهایی بہ اندادِ کس
 پڑوہندہ را خیرہ شد عقل و رایے
 نہ این را گرفت و نہ آرزو گشت
 فرو ماند بیرام از یآوری
 براہ فوت چنیں بودہ اند

۲۰۔ اورنگ زیب

بگویند سلطان اورنگ زیب
 در ایام شہزادگی ناگہاں
 دواں و پیش پیلیاں نعرہ زن
 زہولش ہیا ہو بمردم فتاد
 بکنجے فرافت ہر س کہ بود
 ولے شاہزادہ بیفشرد گام
 چناں زد بخرطوم آن ژندہ پیل
 بلرزید از زخم ضرب درشت
 ہم از منظرے دید شاہ جہاں
 بخواند و بگفتش کہ جان پدر
 نہ از عقل باشد کہ پیل مست
 ز روے ادب گفت کلے شہر یار
 مرا نیز شاہا چینست رائے
 کہ مردانہ خوبو دو صاحب شکیب
 بہ پیش آمدش مست پیلے دماں
 الا مردماں پیل مردم فگن
 پریدند چوں برگ از تندر باد
 کہ باد یو پیکار نتواں نمود
 بہیبت بر آورد تیغ از نیام
 کہ مستی او شد بہش مستحیل
 بر آورد فریاد و بنمود پشت
 دلیری شہزادہ نوجواں
 تہور نہ نیکوست با جانور
 در افتی و شمشیر تہنا بدست
 خدایم ندادست پائے فرار
 ولے پائے ہمت نہ جب ز بجائے

پائے کہ جویم زمیداں گریز
 مگر قطع بادا شمشیر تیز

۲۱- رو با ہے بے دُم

رو بے در دام صیادے فتاد
 چند روزے در غم دُم خستہ بود
 بر گزیدہ خلوتے با در دو سوز
 جوع تو را آورد تا پایان کار
 زندہ را گردُم نباشد گو مباح
 اندکے خورد و ز جور فاقہ رست
 گفت با خود بایدم افسوں و پید
 بانگ بر زد کرد دعوت قوم را
 رو ہماں گرد آمدند از ہر کنار
 شکر گفت و رفت بر جاے بلند
 بسکہ دُم را دوست دارد قوم ما
 گر سلف دلدادہ دُم بودہ اند
 بن نگوم پند از روئے قیاس
 استحاں را دُم زتن اند ختم
 تا ز دُم فارغ نشستم در ہماں
 جاں بپر دو گفت دُم را خیر باد
 زانکہ بر زیبا پیش دل بستہ بود
 نے شب بیرون خرامیدے نہ روز
 شد ز کنج خانہ با صد اضطراب
 لیک نتواں زیت بوجہ معاش
 پس خیال باطلے در دل بست
 وز غم وانڈہ بحیلت دار ہید
 ہاں بیایند اے عزیزاں بقتلا!
 ہم ز ہند و سند و از بنگ و بہا
 گفت دارم با شما ہا حرف چند
 بہت این رسم قبیح و ناسزا
 خود ز رشدر استی گم بودہ اند
 بہت بر ہاں قوی آزا اس
 بہر نفع قوم بازی با ختم
 راحتے دیدم کہ ناپید و ریاں

بر شما اظهار کردم ناگزیر	بے دمی عیشتے ستمیشل و نظیر
بایدیش حبستن ز بار دم فراغ	ہر کہ دارد عقل صالح در دماغ
گر قبول افتد زہے عز و شرف	بدیہ از حکمت آوردم بکف
ہست افسوں ایہا القوم این سخن	رو بے گفت از میان انجمن
زین موعظ پیش ما کم بافتے	ناصح ما باز اگر دم یافتے
عصمت بی بی ہم از بے چادری است	این ہمہ مکرو فن و حیلت گری است

۲۲۔ باو و آفتاب

کہ ز ما ہر دو کیست چاہکست	باو با آفتاب عہدہ جہت
از من و تو کہ زور مند تر است	کیست پرفتن کدام بے ہمت
تا نامند دگر مجال شکے	باید از بہر امتحان محکے
از برائے نشانہ بگزینند	در بیابان مسافر سے دیدند
بلکہ ہر کہ جامہ درویش	شرط کردند تا بقوت خویش
ورنہ بیہودہ اثر کم خاید	لب بدعوی فضل بخشاید
صبر تند گشت و گرد آہنخت	باو صحرا بدار غریب آونخت
دامن و آستین بنگ برچید	مرد چوں موج تیز صر صر دید
گشت این ز صر و ز صبا	پر و دوش چہت کرد عبا

توانست جامہ اش کبرند	باد چنڈاں کہ شور و شر انگند
سر بصر انہا دو باز استاد	رفت چوں جد و جہد باد بہ باد
کرد آغاز تا فتن بہ وقار	آفتاب آمدہ بہ نوبت کار
مرد ناچار بند جامہ کشود	اندک اندک حرارتے افزود
تا عبایش و بال دوش آمد	از بون مونسے خوبے بچوش آمد
جامہ افگند وزیر سایہ شافت	پس بخود تاب آفتاب نیافت
نیر با باد و تند کرد خطاب	بعد ازاں آفتاب باتب تاب
نہ بہ تندی و تیزی و ابرام	کہ با ہستگی بر آید کام

۲۳- گوزنے

کنار جوے باز آمد شتاباں	گوزنے نشنہ از سوے بیاباں
نظر بر شاخما کرد و بن زاید	بخورد آب میانش روے خود دید
بلند و استوار و سخت و سرتیز	کہ دارم شاخمائے بس دلاویز
بسان شاخما یم خوب و زیبا	مراے کاش بودے جملہ اعضا
ولے پایا مرا کردہ پشیمان	منم از شاخما سرخیل حیواں
بود دشوار ہنگام دویدن	چناں لانگر کہ بارتق کشیدن
و گرنہ ہستم آہوے بہشتی	مرا انداخت پایا یم بزشتی

بیک ناگہ سگاں کردند آواز
 شنید و کرد آغاز تگ و تاز
 سبک بر جبت و حالاً کرد باور
 کہ عضوے نیست جز پاپاش یاور
 ولیکن زود شاخ دلپسندش
 نمودہ بتلائے قید و بندش
 بہ سچیدند در شاخ درختے
 فرو ماند اندرین خلجان لختے
 تگاپورا درنگ افتاد چنداں
 گرفتندش سگان تیزونداں
 دواں آمد ز پس صیاد خوشدل
 بگردش زود تر بادشہ بسمل
 بسا چیزے کہ در چشمت بد آید
 و لے آخر در شادی کشاید
 بسا چیزے کہ آنرا دوست داری
 کہ پایانش نہ بینی غیر خوارمی
 بسا کسہا کہ پنداریش ناگس
 برو گئے سعادت از بسا کس

۲۴ - بدی و نیکی

باید ازیں سہ بگریزی بجد
 فکر بد و زشت کہ در دل بود
 فکر بد و زشت کہ در دل بود
 زہر کہ ماند بدرون متقیم
 آں مثل زہر ہلاہل بود
 زخم زندگ سگ دیوانہ
 تاچہ دہد؟ جز کہ زیان عظیم
 یا بگزد مار بہ ویرانہ
 دغدغہ در جان تو پیدا کند
 بہ کہ بدل فکر بدے جا کند
 ویو کیس کردہ تو چالاک باش
 فکر بد و قول بد و فعل بد
 آں مثل زہر ہلاہل بود
 تاچہ دہد؟ جز کہ زیان عظیم
 یا بگزد مار بہ ویرانہ
 دغدغہ در جان تو پیدا کند
 بہ کہ بدل فکر بدے جا کند
 ویو کیس کردہ تو چالاک باش

تا بتوانی مکن افتادگی	جوسه زانکار بد آزادگی
تا بکنی فکر بد از پنج و بن	جد کن و جنگ دیرانه کن
این پدرستان سپهر بشارت	قول بد آید همه از فکر زشت
موجب صد کلفت و آزار شد	خجست درون زشتی گفتار شد
مار سیاه است که جان را گیرد	از در گوش آمد و در دل خزید
تا سخن بد نه در آید بگوش	با همه نیرو که تو داری بگوش
چند شینی سر بول و بر از	تاں به بد و نیک بکن امتیاز
هست ز فکر بد و گفتار بد	پس بقیص صورت کردار بد
باتو زبان نیز کند آشتی	فکر بد از دل چو برون دشتی
دست نخبند به بدی هیچگاه	قلب و زبانت چو بود در پناه
زود برون کن بدرونش مهل	وسوسه بد که فروشد به دل
خانه نگهد آشتی از سوختن	شعله اول که بکشتی به فن
خود همه کردار و می آید درست	هر که دلش راز پلیدی شست
صورت افعال بیار است	جنبش نیکو که ز دل خاسته است

هر عمل خیر که آید ز تو
نیست مگر زاده فکر نکو

دورِ آخر

و فتیکہ استماعِ حادثہ ہائے حرطت فرمودن جناب و قبلہ مرشدنا و مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی
 کہ بروز دو شنبہ بست و ششم شہر ربیع الاولی ۱۲۹۷ ہجری مطابق ششم ماہ مارچ سنہ ۱۸۸۰ء
 بوقوع پیوستہ سماعہ سوزیاران طریقت گردید خاصہ نشی نجم الدین دہلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) را
 دامن شکیب از دست رفتہ بود و دل بگرداب اضطراب افتادہ و جوئے اشک از چشمہا
 چشم کشادہ باین خاکسار ایمائے رفت تابتیے چند باند از شنوی رنگ تسوید نیز رفتہ
 در اں ایام خواندن و شنیدن اُن موجب مشغولی طبایع محزون و دلہائے پر خون شد۔
 اسمعیل

اے نسیم صبح ایام بہار	در حیرت کعبہ جہاں کن گزار
روئے خود بر خاکِ پانی پت بسا	شمرہ احوال آنجا بر کشاے
فصلی از غوغای محشر کن بیاں	کوسِ حلتِ کوفت آن شاہ شہاں
غوثِ مارا وقتِ حلت در رسید	رفت در غیب آن شہنشاہ رشید
شاہبازِ قدس پرید از چمن	شد نور ویدہ بساطِ انجمن
باز گوا از زائرانِ کوئے او	باز گوا از بیدلانِ روئے او
باز گور مرے ازاں دریاے راز	موجہ دریا بدریا رفت باز
کن حدیثِ بحرِ ناپید انکار	باز گوزاں موجہ پلے نوریار
باز گوا از بزمِ آلِ شاہِ وحید	شہ سوارِ فردوسِ سلطانِ مجید
اے تو خوانِ غیبِ باخوشِ میناں	اے تو خضرِ راہِ ماگِ شتگان

از رخ روشن بر افکندی نقاب	لے جهان معرفت را آفتاب
چاره کن بیچارگان خویش را	در نگر آوارگان خویش را
یک نگه بر حالت دوراں بکن	گوشه پستی بجزوراں بکن
مردوزن با آه و زاری مسکینند	بشنو بکے سلطان ایوان بلند
هست هم این مردن و این زستین	ہے چه گفتم از غم و بگریستن
از خیالات است این هجر و فراق	تو بری از اقتران و فتراق
ہیچ باشد ما تم در دو فراق	و ہم ہستی شد مجال اشتیاق
فوق شوق معلم عرفاں نیز ہم	بلبل و گل ہیچ و بستان نیز ہم
گر بسنجی جلہ یک آب است آب	خدر و مدیجہ و ہم موج و حباب
بی نشانی را حنیض و اوج کو	و سوسہ بگذار بحر و موج کو
بحر مستغنی است از نقص و کمال	موج خواند قصہ ہجر و وصال
بی تموج بحر اشرف کجاست	بحر اگر ساکن بود امواج لاست
شد نمایاں آل قدیم اندر چہید	جوششی زد بحر و موج آمد پدید
وز نہ یکستی است بیژن از کلام	جوش بحر و موج میخویش نام
بر ترست از جسم جان بیچون و چند	نیست مردان خدارا ہیچ بند
زندگان را مرگ تن جان پرورست	مردگان را خوف مردن در خورست
مردہ را خود روا نبود حیات	زندہ را ممتنع باشد حیات

و حدیث مطلق بود در خویش مست	این حیاتِ این ممت از شرک است
لایموت و لایزال و دائم است	آنکہ وزندہ است حی قائم است
لایزال و لم یزل پائیدہ است	دائم است قائم است زندہ است
برتر آمد از تکاپو سے خیال	زندگی بے نہایت بے زوال
لے بروں از گفتگو ہا و کلام	خود تو بودی خود تو باشی تا دوام
ہم چہا نکہ بودہ آسودہ	تو در دریای وحدت بودہ
از تو خرم بوستانِ زندگی است	جان تو خود جانِ جانِ زندگی است
ہم تو خود مقصود بودی از سفر	سالہا گر دیدہ در بحر و بر
ہم تو خود صیاد بودی خود شکار	سالہا ارشاد را بروی بکار
وز دروں خود گوش بودی خود سخن	از بروں در بگفتی ما و من
تغز تر گفستی بوقت واپس	از حقائق و زمعارف و زقیں

تجسسیت توحید آنکہ از غیر خدا

فردائی در خلا و در سلا

بے یقین بے تشخیص بے دوی	بکر توحید الہی خود توئی
کے شود شورِ من و تو گوش زد	مستی صہبائے تو چوں جوش زد
نعرہ ہا از خاموشی بر خاستہ است	بی خودی بزم خودی آراستہ است
نعرہ دیگر بزبان لب بر کشا	لے نیکم اسس نجم الدین بیا

نعرہ دیگر بزبان می بخیم دین
 دیدہ چوں بر دید تو شیدا شود
 کاروان بجز در شب ماے تار
 باز بنشین در خرابات سخن
 باز گوئی ز سلطان جلیل
 اے درخشاں کو کب نور قدیم
 از کجا جوئیم آن شام و سحر
 از کجا جوئیم گل بانگ سرور
 از کجا جوئیم قرب اختصاص
 از کجا جوئیم آن خوش حال ما
 پر تو حال خوشت چوں سرزند
 پر تو حال خوشت چوں کوہ سار
 حسرت و اندوه زاید از خیال
 پر تو حال تو پاک از بیش و کم
 پر تو حال تو پاک از نیک و بند
 پر تو حال تو پاک ست از عمل
 پر تو حال تو پاک از فهم عام
 ماے و معنی تست معنی آفرین
 در درون بحر رو پیدا شود
 بر کفست بنهد ز ما م خست یار
 معنی اندر شیشه الفاظ کن
 تازہ گردد قصهٔ سحر طویل
 از کجا جوئیم انفاس کیم
 چوں فخر حضرت پاکت گذر
 از کجا یا جوئیم آن انس و حضور
 اے در تو قبلہ گاہ عالم خاص
 کز دل پاکت بروں زرد سالما
 مرغ اندوه و الم کے پرزند
 ہست در عصابت جان بر یک قرار
 نے ہمیشہ پر تو خورشید حال
 تاخت بیروں از وجود و از عدم
 بر زود نقشش از لزل را برابر
 استوار و پائدار و بے رخل
 ہست لا شرقی و لا غربی مدام

پر تو حال تو اے سلطانِ جلال
 ذاتِ تو پاک ست از حال و مقام
 کشفِ ہر حالے ز تو یا بد کشود
 نقدِ حالِ تست ذاتِ پاک تو
 در میانِ گردشِ لیل و نہار
 خضرِ ربانی و سر و کاٹے
 پاک و بے باک و مجرورِ اعلیٰ
 زندہ جاوید و پاک از جسم و جان
 بی نشانی را شناس اور توئی
 بے نشانی را نشان آمد ز تو
 لا الہ الاہد و پیشیت چیت لا
 ہرچہ میگوئیم قولِ ما ست این
 محور اہم محو کن اے چارہ ساز
 نیست جا گفت و تشبیہ و مثال
 گر بگویم ورنہ گویم شانِ تست
 اے بری از مرگ و ہم از زندگی
 ہم خدایے بندگانی اے خدا
 ہست بالا تر ز پروازِ خیال
 شہرِ پیرِ عقابے تو شکست دم
 ہر مقامے از تو میگیرد وجود
 ذاتِ پاکِ تست در ادراکِ تو
 ہم چو تو کم دیدہ باشد زورگار
 عارفِ بے باک و مردِ کاٹے
 شاہِ بیازِ اوجِ افلاکِ انزل
 شہِ سوارِ عرصہ نامے بے نشان
 ہم شناسا و شناسا اگر توئی
 بحر و کاں گوہرِ نشان آمد ز تو
 ما تو گویم گشت باقی کیست لا
 گفتگو با محو شد در ریاست این
 ہست فرق از بے نیازی تا نیاز
 لیس شیء مثلاً کم کن خیال
 ہم خیال و بے خیالی آن شست
 نے خدائی زبردت نے بندگی
 بندہ ہستی یا خدا یا خود جدا

خود جدائی خود تو وصلی خود توئی	اے منسترہ از یکتی و از دونی
اے بری از حد اعدا و شمار	با وجودت نیست کس اعتبار
با وجودت نیست چیزے معتبر	عقل تیرہ گشت و خیرہ شد نظر
ہم چو کافر باید مہبت خانہ	تا ز تو گویم بتو فسانہ
خویش را ثابت کنم تا خوانمت	سریناوانی دہم تا دانمت
بت ترا شم گر ترا یاد آورم	آذرم من گر ترا طاعت برم
کافر من گر ترا آرم بسجود	من چہ باشم تا نہم خود را وجود
دامن از گردِ حدوث افشانده	در جہاں غیب مرکب رانده
کشورتن را فرو بگذاشتی	آئینہ از پیش ما برداشتی
گفتگو با از پس آئینہ بود	گفتگو را غیر ازیں آئین نہ بود
گفتگو بر جاست ناگر ویدہ فوت	لیک بیرون زلباس حرف و صوت
پردہ صورت زرو انداختی	معنی معنی نمایاں ساختی
جان جاں بودی جان جاں شدی	ہر چہ بودی ہر چہ پستی آن شدی
برکتی ساغر و میناے ما	اے غنی الطبع بے پرواے ما
بزم انس بیدلاں بر ہم زدوی	پشت پابہستی عالم زدوی
بزم انس بیدلاں وادی بباد	اے زرویت آنجنم خالی مباد
اے ز تو خالی مباد و اتجاسے تو	منظر حق روے جاں اقلے تو

اے دروغا کار و این شهرِ جاں
 اے دروغا روزگار وصل شد
 لے امیر الشرق نجم الدین سیا
 مشرقت جانِ دلِ میراں ماہست
 نعرہ تو دلِ بخت باند ہے
 ہمت والا باہم سہراہ کن
 شاہِ مہرِ پاکست از مرگ و ہلاک
 زندگی و مرگ نبود جسز فریب
 ہر کہ دار و مایہ بے مایہ اوست
 ہر کہ جاں داری کند بے جاں تر
 سود و سرمایہ خیالے پیش نیست
 نقدِ درویشاں تمہی دستی بود
 چیت گنجِ خوش دلی کیسہ تھی
 ہستی مطلق سراسر تھی ست
 زندگی را ترکِ جاں بخشد وجود
 بخودی و با خودی ہم ناروست
 حضرت سلطانِ نگر و پیش و کم
 رخت بست و بز و طبلِ گراں
 جلوہ کرد و بہار وصل شد
 نعرہ میزنن شور مے کن بے ندا
 بے سرو سامانیت سامانِ ماہست
 شور تو جانسا بشور اندھے
 رو بسوے بارگاہِ شاہ کن
 گرفتار کرد و دو عالم نیت باک
 نیست کس را سود و سرمایہ نجیب
 وانکہ اندر فقر شد بے سایہ اوست
 وانکہ ساماں یافت بے ساماں تر
 مایہ و رویش جز درویش نیست
 دست مزدشاں ہمیں دستی بود
 اصل دانش ما بود نا آگہی
 اصل سستی نیستی درستی ست
 خود توئی گریبے خودی گیر و نمود
 بے نشانی حضرت سلطانِ ماہست
 نے نالش نے وجودش نے عدم

حضرت سلطان ندارد اسوا
 حضرت سلطان بسویش بانمیت
 حضرت سلطان نے گنج بگفت
 من ندانم حضرت سلطان کجاست
 حضرت سلطان ندارد بوجہ غیر
 حضرت سلطان چه باشد لب بند
 ہوش را بفروش و حیرت ام کن
 بالکہ گویم کن تو خود کن یا مکن
 قطرہ گشتی و سوے در پاشدنی
 قطرگی گم گشت دریا موج زد
 وہم را بشکن کہ بر خیزد وئی
 از دہنی ہستایں مرگ ہلاک
 پاک کے مرگ آید در خیال
 وصل اود اتم بود با زندگی
 زندہ را جلقہ ماتم چہ راست
 زندہ در زندگی بے پردہ شد
 زندہ را بزم طرب آراستند
 راست برجا خود است این ماجرا
 سالکانش را سرو ستار نیست
 در سخن کس در این معنی نسفت
 دل کجا و تن کجا و جاں کجاست
 ہست خود بزرگد خود در دور و سیر
 قاصر آمد نزد بانہا و کسند
 قطرہ از بے خودی در جام کن
 اعتبار قطرہ در دریا مکن
 راہ بنمودی و رہ پیا شدی
 وہم پستی محوشد براوج زد
 تا توئی گردے بر انگیزد وئی
 حضرت سلطان پاک ست پاک
 زندہ را مردن بود امر محال
 ذات اورا زندہ گویا زندگی
 از پنے گنج مسرت غم چہ راست
 مردگان را دل چہ آزرده شد
 مردگان بہر عمر زابرا بستند

زنده گرد از دامن جان بر نشاند
 مرده آن باشد که همش زندگیست
 مرده پندارد که ما خود زنده ایم
 زنده آن باشد که از هستی برست
 زنده آن باشد که مردن جان پوست
 زنده آن باشد که بال جان کشاد
 زنده آن باشد که پیش از مرگ مرد
 مرگ و جان داد و جانش زنده شد
 او زو هم زندگی آگاه نیست
 شمس بانی توئی لے نجم دین
 ہاں سیا و نعرہ دیگر زن
 ہوش را بردر گہ شہ کُن تشار
 من کجا بودم تو خود بودی ہدم
 طوق ما کردی ز نیکی و بدی
 مرده گشتم تا مراد ای حیات
 از دم پر عشوہ ما و پر فریب
 اتحاد تو مرا بیگانہ ساخت
 مردگان را صبر و آرمش مانند
 پیش ہم خویش اندر بندگیست
 زندگی را لائق وار زنده ایم
 نیست اندر نیست اندر نیست
 خانہ ویراں ساختن ساہان است
 نیست گشت و مچوشت نامراد
 مرده گشت و تن بیکر جان سپرد
 در جان خوشدلی تا زنده شد
 مرگ را ہم سوئے ذاتش نیست
 بر فراز منسب جہاں بر نشین
 خامشی تست سر جویش سخن
 ہائے ہوئے بر فلکن دیوانہ وار
 تہمتے بر یافتی از تنگ و نام
 راہ بنمودی و راہ ما زوی
 گم شد مچوں یا فتم راہ بجات
 بے سبب کردی تو ما را نامکلیب
 عقل و ہوش تو ما را دیوانہ ساخت

از نزولِ فاتِ تو پست آدم
 خوی آزاد تو در دام کشید
 از غنائے تو شدم من ستمند
 وصل تو مارا بہ پھراں در سپر
 عدل تو مارا بظلم آگندہ وصل
 تا تو کردی خندہ من گریاں شدم
 تو بیا سودی شدم من پائمال
 من شدم سگر شتہ تو برجاستے
 تو گرفتی جاے من رفتم زجاے
 تو شدی گنجے من میرانام
 تو خرا میدی و من رفتم ز دست
 تو ز من گشتی و من گشتم ز تو
 گر نماذایں من و تو در میاں
 چوں تو خود ہستی غیر می زنیہار
 بچم دین اے مطلع انوارِ جاں
 خود مخاطب باش و خود میکن خطاب
 خود بنود با خود بکن گفت و شنید
 تو کشیدی جام من مست آدم
 تو شدی پنہاں مرا کردی پدید
 علم تو مارا بنا دانی فکند
 حی و قائم تو شدی ما خورد و مرد
 مشکل ما جملہ پیش تست سہل
 تو شدی رو پوش و من عریاں شدم
 من بہ پھراں قدم و تو در وصال
 من شدم تنہا تو بزم آراستے
 سر کشیدی تو من اُقادم زپائے
 عقل محل ہستی تو من دیوانہ ام
 تو شدی بت آفرین من بت پرست
 تو ز من بگذر کہ بگذ شتم ز تو
 لئے ترا سود مت لئے مارا زیاں
 نیستم من پس کجا گیرم قرار
 نعرہ دیگر بزین بے ایں واں
 خود توئی اصل سوال ہم جواب
 نعرہ از قعر جاں بای کشید

رنم از خود بخویشتن آغاز کن
 نعرہ ہائے بے سرو و من ساز کن
 آنچه ناید بر زباں گفتار تست
 آنچه مخفی ماند آں اظہار تست
 من نگویم بلبس و پروانہ
 ہاں براہ سوختن مردانہ
 بے تپ سچراں بے ذوق مصل
 خود بسوز و خود بساز و خود بنال
 از خزان و از بہاراں در گزر
 وز گدایاں قہر شیش شہر
 اے شہ والا کہ در رہ آمدی
 خود یگانہ بودی و غیرے شدی
 در حرم خاص در سیرے شدی
 بازی نیرنگ خوش در باشتی
 بر کشادی پائے رفتار ہمہ
 لیک مدرسنی بغیر ذات نیست
 ذات تو پاکست کے گرد و بہل
 ہر چہ داری نے کم آید نے فوں
 نے ہمیشہ جسم و جاہنارا وجود
 نے ہمیشہ ظاہر و باطن و چیز
 نے نہ ہمیشہ تو فنا و نے بقا
 نے ہمیشہ آسمان و زمین
 نے ہمیشہ نامہا و نے نشاں
 خود گدگشتی و خود شہ آمدی
 خود یگانہ بودی و غیرے شدی
 اسپ و فرزین میل و بندق تاختی
 فرق پیدا گشت در کار ہمہ
 اندریں بازی ترا شہ مات نیست
 اے بری از رنج و آفات و خلل
 نے ہمیشہ فرق بیرون و درون
 نے مکان و نے زماں وارد نمود
 نے ہمیشہ اندک و بسیار نیز
 نے ہمیشہ استبداد و انتہا
 نے شریعت نے حقیقت نے یقین
 نے ہمیشہ کفر و دین نے میں و آں

نے ہمیشہ تو وجودت و عدم
پیش تو تعلیل و توجیہات نیست
نے ہمیشہ تو حدوث و لئے قدم
پیش تو امثال و تشبیہات نیست
غرقہ توحید بجز توحید نیست
نہستی ہم پیش تو گردید نیست

”حقیقت توحید آنکا از غیر خدا

فردائی در حلا و در ملا“

خود تو رفتی آمدی خود پیش پیش
خود تو بودی خود تو ہستی من نیم
من کجا ایم من کجا ایم من کجا
خود بہ ہیں و خود بدان و خود بگو
بیدلاں را با فضولیہا چہ کار
نے بگنجی در یقیں نے در گماں
و رسم از تو نے یا ہم اثر
رہز وحدت خود نے آید بگفت
گشتہ پیش سر وحدت پائمال
ذات تو قائم بود بے ہیج برگ
نے ازل گرد تو گردو نے ابد
امر کردی قل ہوا بعد احد

خود تو گفتی خود تو بشنودی ز خویش
من چہ گویم من چہ باشم من کیم
چوں تو بودی چوں تو خود ہستی بپا
اچنہ باشی باش من باشم نہ تو
خواہ پنہاں باش و خواہی آشکار
من ندانم تو نہ سانی یا عیاں
گر توئی از من نے آید خبر
بے من تو کار نکشاید بگفت
ایں عبارات و اشارات مخیاں
پس چہ باشد زندگی چسپت مرگ
ذات تو لاریب پاکست و حمد
ہم ازل مستغرق تو ہم ابد

قال را بگزار و حال خود بگو
 حال و قال از تنفس و طاهر شود
 جمع و تفریقے ہے گرد و عیاں
 آگے از سر مطلق کے بود
 راست نبود ہرچہ گوئی زیر نمط
 از صحیح و از غلط ہم دور باش
 نے غلط کردی بناوردی صحیح
 نے قبیح و نے حسن نے خوب زشت
 علم و عرفان نیست گشت مفرق شد
 غرقہ را بنود مقام و منزلی
 بارگاہ اوست بے جا و مقام
 ہر کجا سر برزند خود جاے اوست
 ہست آزاوہ ندادار و پائے بند
 ہم زمان و ہم مکان خیسند آزاو
 ما مرادی ہم ازو مقصود ہم
 ہرچہ می خیزد نہ پیر و نش بود
 ہیج گرد و نے خودست و بنے خدا

کے بمیرد غرقہ دریاے ہو
 کینست تا از اصل خود ماہر شود
 اصل این ہر دو نیاید دریاں
 آنچه در قسم تو آید شے بود
 خود غلط انشا غلط امل غلط
 ہرچہ خواہی گو بگرد مسرور باش
 نے حسن پیدا ست اینجانے قبیح
 نیست کعبہ نیت دیرو نے کنشت
 ز ورق اندر بجز وحدت غرق شد
 غیر دریا نیست اورا حاصلے
 نے نشانے باشدش نے ہیج نام
 بے سرو سامانیش ماواے اوست
 نے اسپر وقت و نے درجاے بند
 اعمت ہا جسم و جاں خیسند آزاو
 عبد ازو پیدا شود معبود ہم
 ہرچہ غیر ست آل نہ مادوش بود
 اتحادی نے مخلولی نے جدا

پاک از ناپاک و پاک از ناپاک ہم
 گفته و ناگفته یکساں پیش اوست
 ہست خود تنہا و ہم خود انجمن
 معیش واحد عبارت تا بسے
 از عبارت تا بمعنی فرق نیست
 شد عبارت زوئے بمعنی را حجاب
 ہم عبارت گشت بمعنی را شہود
 و بسجی این مثال ہیچ ہیچ
 معنی آزاد خود پابست شد
 ال عبارت نیست خود معنی ستاں
 نیست معنی و عبارت جہ نہاں
 از عبارت و زمعانی پاک شو
 از بیان و گفت گو لب بستہ بہ
 ذکر و فکر و فہم ادراک و قیاس
 کار دار و سوختن نے ساختن
 اصل نور و اصل نار و خاک ہم
 دیدہ شدنا دیدہ چہ دشمن چہ دوست
 گاہ نوئے گردد و گاہے کُن
 نیست نقصاں گرنے فہم کسے
 گردانی ظاہر و باطن یکے ست
 معنی آمد در عبارت آفتاب
 در عدم معنی عبارت در وجود
 غیر معنی نیست خود موجود ہیچ
 نیست شد معنی عبارت ہست شد
 در نہاں معنی عبارت در عیاں
 جملہ وہم ست و گمان ست و خیال
 خاک مردان خدا را خاک شو
 خامہ گر جنبش کند رشک ستہ بہ
 این ہمہ بگذار و ویراں کن اسماں
 ہست کار اینجا سپا زند ختن

تشبیہ

نماند تابِ فراقِ تو پیش ازین مارا
 بقطعِ وادیِ عشقِ تو در نخستین گام
 ز تو گسستنِ بچاں ز ما درستیِ عہد
 اگر تو مے ندہی دادِ تشنہ کامی من
 مدار چرخ بہ آبِ زمزم نئے پاشد
 مراد لے ست کہ از رنگِ پارہ پارہ شود
 نہنیم از تفتِ دلِ داغِ بردلِ آتش
 بہ ترس ازین کہ تو انم من از تپیدنِ دل
 کہ پابرہنہ بر آرم بدشت لیلے را
 یکِ مشب است بیا و تو ہم چو روز شمار
 بگو چہ قدر نبی وعدہ ہائے فردا را

تشبیہ

اے بہ نقابِ رختِ مہرِ قیامت نہاں
 عارضِ مستورِ تو بتکدہ ہارا چراغ
 قامتِ موزونِ تو فتنہ آخِرِ زماں
 ز گیسِ مخمورِ تو میکدہ ہارا مخاں
 مردمِ چشمِ ترا کسوتِ عباسیاں
 بہند وے زلفِ ترا حاصلِ ملکِ خطا

در خمِ ابروئے توییغِ اجل معتکف
 جنبشِ بازوئے تو خونِ جہانے بخت
 وصفِ تنِ نازکتِ گریزِ باہنافتہ
 ابرز جوشِ ہوسِ قطرہ چکاند بہ بحر
 غیرتِ دندانِ تو آبِ کنڈاں یکے
 حکمِ جمالِ تو در ششِ جہتِ مضامیر
 حیرتیِ روئے تو آئینہ دارِ وہ پیش
 طرزِ تو عارتِ گردانشِ خاکِ فرنگ
 شاہِ پر خوں بے ترانگِ حیا ہم نشین
 عشوہ تو بردِ پرودہ زہد و ورع
 زہرہ چو یک رہ کنڈرتو زوشوخی نظر
 گرتو کئی غمزہ را تیر بہ رسمِ ستم
 گرز سراپردہ خویشِ پائے بر آری برون
 نازِ کمر بستنت رنگِ امید شرمگست

کاوشِ مٹرگانِ تو قبلہ نوکِ سناں
 لعلِ دلِ آویز تو کرد اشارتِ کپاں
 بیچ کس از جانِ خویشِ باز بخویشناں
 مہر ز دلِ غمِ حسدِ لمعہ فروشد بہاں
 واں دگرے بابتِ سنگِ بومچہاں
 سکہِ حُسنِ تو در ہفتِ قلمِ ورواں
 حسرتیِ وصلِ تو سیر بر آید زجاں
 ناز تو بر ہم زینِ حکمتِ یونانیاں
 لیلیِ حُسنِ ترا ناز و اداساں
 غمزہ تو بشکند حوصلہ قدسیاں
 سحرِ ادیتِ فرود آوردش ہو کشاں
 مہر نماید دگر ہر ستمِ آسماں
 پانہ رسد بر زمین بسکہ سر آید براں
 زان کہ نہ گنجِ ہمی کشتنِ من در میاں

. . . پیشیِ اہلِ دید بہت حدیثِ کلیم
 چوں تو کئی در نظر جلوہ بیک ناگہاں

قطعه

دوش گونی که در نشین قدس	خیل روحانیان خرامان ست
زده اندازن شاط اسب نخبه	طوبی و سلسبیل و رضوان ست
طوطیانند بال و پراز نور	سایه و شاخسار و ریحان ست
بلبلانند نغمه شان تحسید	چمن و گلشن و حیابان ست
قریانت نعره شان تهلیل	سر و شمشاد و طرفستان ست
آهوانند از سرشت صفا	سبزه و جوئبار و میدان ست
ماهیانند از خمیر بهدی	خضر و ساقی و آب حیوان ست
اخرانند از جلال و جمال	آسمان و زمین و اقیانان ست
همه از رحمت احرار نسیم	همه از فیض ابر و باران ست
خم ز قفرید و ساغر از تجسید	طرفه اجماع باوه خواران ست
نعره کلا لاله الا الله	از دل هر که هست جوشان ست
هر که با من بدعوی آویزد	گویم آری دلیل و برهان ست
نه روم بر طریق استدلال	گرترا نیز نقد ایمان ست
ورقے زین کتاب پاک ببرد	که همانا ز عالم جان ست
به هوای طواف مضمونش	مرغ اندیشه بال افشان ست

سرکہ بر فہم معنیش پے برد
 نہ ز سعی ست بل ز وجدان ست
 گوہر و لعل و دروہ مرجان ست
 لعل امانہ از بدخشان ست
 لعل رخشاں ز سر اعیان ست
 تہجان مظاہر شان ست
 کہ ز ملفوظ شاہ شاہان ست
 ہرچہ از اعتبار امکان ست
 مامن رند و پارسیان ست
 سعی اندیشہ ہم زسیان ست
 رخسِ فکر ت بہ ترک جولان ست
 ملک توحید را سلیمان ست
 شرح اوصاف او نہ چندان ست
 گرچہ این کار ہم نہ آسان ست
 کہ مرآاں شاہ راز خاصان ست
 لمعہ آفتاب تابان ست
 آل پاک و سست و قرآن ست
 برکہ بر فہم معنیش پے برد
 فہم معنی کہ بہت فوز عظیم
 بود لیت دریں جریدہ راز
 دروہ مرجان و سے ناز دریا
 دروہ مرجانش از لطائف غیب
 دیدبان شواہد اکواں
 بہ تعجب میں در اوصافش
 آنکہ در پیش ہمتش لاشے
 آنکہ در ظل رایت فقرش
 آنکہ در اوج عظمت و شان
 آنکہ اندر فضائے مدحت او
 طور تحقیق را کلیم اللہ
 خرد اندیشہ و زباں گوید
 دوسہ بیتے دگر کرم انشا
 یعنی در وصف جامع ملفوظ
 راشد و مرشد ست و لیل رسول
 ایچہ بعد از نبی بہ امت ماند

قبلہ گاہش بظاہر و باطن
 خرقہ او حسینی احسنی است
 شاہ مردان و شیرزدان است
 ہم بہ حکیم طریق و ہم بہ نسب
 دقہ حایہ شہیدان است
 اصل پاکش ز شرب بطحا است
 جد و الاش قطب گیلان است
 مولدش خطہ خراسان است
 او قنادست در دیار غریب
 چند روزے بہ ہندوستان است
 ایں لالی کہ در کتاب کشید
 خوان یغما برائے اخوان است
 چند گویم بہ لجه فارس
 خاک میرٹھ نیرد و طہران است

گفت محمد و سال ختم کتاب

بحر توحید و نور عرفان است

قطعہ تاریخ

حسن بنوشت ملفوظاتِ مرشد
 کتابے مستطابے لاجوابے
 بدل تاریخۂ انوارِ توحید
 ہمانا ابر گوہر بارِ توحید
 بہیں در ہر اشارتِ زندجوش
 محیطِ اعظمِ زغارِ توحید
 قلم در ہر چہ گوید و دیدہ گوید
 چرائی بو العجب در کارِ توحید

چو از توحید دیدیم شرح اسرار

بگفتم آیت اسرارِ توحید

قطعه تاریخ

شداں عوث علی سلطان فی شان
 مآب خلق عالم بارگاہش
 شہ فقر و فنا دریاے توحید
 فریدے نے حجابے رست گوئے
 زہر گونہ کمالش بہرہ خاص
 دلش تفسیرِ لاخوف علیہم
 بہت پیش رو فردِ جبریدہ
 بہ توحید و توکل یک سوارہ
 بہ ایشار و کرم ابرگہ سربار
 سخن ہائے بلند و ارجمندش
 کلامش ہر کیے صد بابِ حکمت
 براتِ قسمت خود ہر کسے یافت
 بحیب اندر محیطِ سردی و شہت
 خراباتِ حقیقت را قلندر
 ز آب و گل منزہ ذاتِ پاکش
 کہ مارا قبلاً دنیا و دیں بود
 تو گوئی آسمانے بر زمیں بود
 در اے عرصہ علم و یقین بود
 بہ عرفان و حقیقت دور ہیں بود
 نشانِ اولین و آخرین بود
 کہ فارغ از غم دنیا و دیں بود
 بہ گنجِ خوش دلی عزت گزین بود
 بہ ترکِ دین حق خلوت نشین بود
 ظہورِ شان رب العالمین بود
 مذاقِ اہل حق را انگیزین بود
 نکاتش طالبانِ اول نشین بود
 جہانے خرمنش را خوشہ چیں بود
 رموز و حدیث در آستین بود
 شریعت را امام المتقین بود
 اگرچہ در میانِ ما و طین بود

کلیدے بود اسرار ازل را
 ہمیش حق الحقیقت بودیم
 ندانم من چه بود آن بحر موج
 بروں از بود و ما بود دست بودش
 بہ بحر غیب چون کشتی فرورد
 نفود گنج غیبی را میں بود
 ہمیش ملک صفای زینگیں بود
 نہ خود بود و نہ آل بود و نہ ایل بود
 چرا گویم چناں بود و چنیں بود
 خرد گفتا کہ خضر راہ میں بود
 دیگر

ش غوث علی شہ زمانہ
 تاریخ وصال گفت ہاتف
 سلطان حقیقت و طریقت
 او بود شہنشاہ حقیقت
 ۱۲ ۴ ۹۴

قطعہ تاریخ وفات سرسالار جنگ بہادر

بود دستور دکن نام آورے مختار ملک
 ہمجوا و دستور دانا نے ندارد کس بیاد
 نیز بخت رعایا تافت بر اوج شرف
 ہمیش آئین بیاست ابنائے خوش بہاد
 بود را محکمش اعضائے دولت را سپر
 فخر قوم و فخر ملک و حرز بازوئے دکن
 عدل او شیروائے بخت را اسکندرے
 در مقام امور سلطنت با ہوش و ہنگ
 پاسبان امن و صلح و مال و دولت نام رنگ
 تا زمام ملک و دولت دادہ بودندش بچنگ
 نظمش از آئینہ نظم و سیاست برد رنگ
 فتنہ ہائے ملک را تہذیب و اصلاح زندگ
 بوستان خلق و احسان سخارا آب رنگ
 ضیغ صحرائے سبیش بگردانش را رنگ

بیکساں اوستگیر خستگان رام ہے
 نیتش آں بود در دوش و لے ناید پرتنگ
 موج فیضانش گرفتہ چار دانگ ہند را
 از لب رود کرشنا تا سر دریائے گنگ
 لوح دل پر نگار از شکر نعمت ہائے او
 درس گاہ قوم را طغرای نامش نقش سنگ
 مختصر گویم زا و صافش کہ از انیش بود
 تن زہد و دین ز شیرب دانش از ملک سنگ
 شور و فریادِ رعایا سدا راہ او شدے
 عرصہ عمر معین گر پذیرفتے دزدگ
 تا بکے این نالہا محمود و تارخیش بگوئے
 پیکر آں پاک گوہر شد نہالِ خاک و سنگ
 گفت با توف حشر تا صحتِ ہیما ت آہ آہ
 واسے دانش مند و نازک فہم سر سالار جنگ
 ۱۳۰۰ ۱۳۰۰

دو کیسہ داریم

دو کیسہ پُر از عیب داریم ما
 یکے پیشِ روے و یکے پشتِ سر
 دران نقص ہما نگاں ست و عیب
 دریں زشتی نفس ما بہت و شر
 ازاں ہر چہ ہمیں بکف نیم
 وزیں خود نداریم علم و خیر
 دران فکرت و ہوش ما تیز و چست
 دریں دیدہ و گوش ما کور و کر
 اگر بہت ہما یہ ہشیار دل
 نہ کو بد در جنگ با ما مگر
 بکند چارہ عیب و نقصان خویش
 ز بد بینی ما بگنجد دہنر
 شود کیسہ اش از بد بیاتہی
 پُر و کیسہ ما ز عیبِ دگر
 چنین ست احوالِ ما را طریق
 کہ فردا ز امروز آید بتر

پر پچیدہ در باطن دیگران
 پر پوشیدہ از ظاہر خود نظر
 نشستی چنان فارغ از حال خویش
 تو گوئی نذاریم سمع و بصر
 مدام این چنین آں چنان فکر است
 نہ باینک رغبت نہ از بدھذر
 اگر گوش داری نصیحت نبوش
 کن آویزہ گوش جان این گہر
 مکن قصتہ از عیب ہمساکان

بکن چارہ خویش المختصر

غزلیات

رخ تمیثل ہم در آئینہ نا دیدہ گویا
 بخلوت گاہ ناز آری ز خود پوشیدہ گویا
 تو در کنعان جسمانی و مصر جہاں پُر از غوغا
 ز پیر امان یوسف شتمہ نشنیدہ گویا
 پئے دنیا کہ از طول المل بر یافتی دامن
 بسان عنکبوتے برگس سچیدہ گویا
 لبِ نانا آربست آیم و وشاب ز جگر پُرا
 کفاف ماز اقطاع محن بخشیدہ گویا
 پائے لطف گشت بوستان فرما تا گل
 بجائے خویش پندارد ہمیش بوئیدہ گویا

اسد اسدا صطلاح کہنہ از بر کردہ اند
 و ز قاضاے خرد حرفے مکرر کردہ اند
 برگیاں آں لب شیریں کہ جز در وہم نیست
 طوطیاں منتقار اند ز رنگ شکر کردہ اند
 از شمیم زلفا و نشنیدہ کس بوئے ہنوز
 تودہ از مشک و انبارے زغبہ کردہ اند

مے گساراں گردشِ چشمیشِ ندیدہ یک نگاہ
 در سنزہ گفت نتواں از قد و بالا مے او
 نقشِ ہستی چوں سراسرست نیرنگِ خیال
 بیش و کم ہرگز نہ گردہ ہرچہ بہت از نیک و بد
 از غلط کاری عقل میں جہاں ہرگز نہیں
 عابدان وقتِ عبادت نقشِ معبود ز زند
 در حرمِ ذات اور نہایت کس را لعجب
 صوفیاں از غیر حق تصفیہ دل میکنند
 ہر کسے را اعتماد مے بہت بخشن عمل
 در بت و بتخانہ رو آورده قومے بر خیال
 عاشقانِ رنیت حاصل ماں یہ چہ بے حالی
 آں یکے را وادہ اندا و صفا اخلاق واد
 آں یکے بر آتش و وزخ کبابے میزند
 کیست کور ہمارا سرتل تحقیق راند
 بارگاہِ وحدتشن را کونشان و کو مقام
 بر تصور نقلِ بادامِ مُقشتر کردہ اند
 حیف تشبیہ کہ با سرو صنوبر کردہ اند
 عاقبت سر برزند و ہے کہ در سر کردہ اند
 زانکہ پیشین ز باہراتِ ماسقہ ذکر کردہ اند
 تہمت ہر نیک بد پر چرخ و اختر کردہ اند
 آشکارا شرکتے با ذاتِ داور کردہ اند
 قصہ بسیار از مقام و راہ و رہبر کردہ اند
 غیر حق را خود چہ ادر دل مقرر کردہ اند
 از سعادت ماںے خود ترتیب محض کردہ اند
 قوم دیگر تکیہ بر محراب و منبر کردہ اند
 ز ابدالِ اوست اندر سجدہ گوہر کردہ اند
 واں یکے را رند و سرست و قلندر کردہ اند
 واں یکے را مشربے از آبِ کوشک کردہ اند
 ہر یکے را مسلکے بر نوع دیگر کردہ اند
 در حقیقت خود غلط بود آنچه باور کردہ اند

نجمِ ذاتِ واحدت اما سامی در مقال

ماہ و پروین و شہا و مہر انور کردہ اند

سرب پائے من پائے تاسر بہ لرزد ^۳ کہ مجرم بدیوانِ داو رہ لرزد
 مژ لطف لے خامہ گوہر فشانند ز قلم سرتو در تیغ جوہر بہ لرزد
 چناں لرزد از بیم جاہ تو حاسد کہ در دورِ اسلام کافر بہ لرزد
 مگر دیدہ انوارِ قلبِ منیرت کہ ہر صبح دم مہرِ خاور بہ لرزد
 مراد دل بہ لرزد بے برگ و سازی چناں کز سخائے تو گوہر بہ لرزد
 نیاسایم از جنبش و نیت جنبش کہ پاماندہ برجائے و پیکر بہ لرزد
 ہے لرزم از دستِ سرمائے ناخوش کہ دل دادہ از شوخ دلبر بہ لرزد
 چناں حرف لرزد بہ پیش نگاہم کہ اندر کفِ مست ساغر بہ لرزد
 ز سرمائے دی کس نہ لرزد بساغم مگر شاخِ عریاں ز صرصر بہ لرزد
 چین است عالم بہ ماہِ نومبر

دل من ز بیم و سبب بہ لرزد

باز بارید ابر باز بیامد بہار ^۴ باز نوا ساز کرد مرغ سر شاخسار
 باد وزیدن گرفت سبزہ چمیدن گرفت جلوہ صد رنگ گل جوش زد از ہر کنار
 باز پرند سحاب دامن گوہر فشانند ہم بلبسِ شہرودہ ہم بسر کوہسار
 غنچہ دہن باز کرد بہر سپاس خدائے برگ ورقم نوشت در صفت کردگار
 تاک قتادہ ہے مست بطرفِ چمن سرو سہی سر بلند گشت لب جوئیار
 سنبلِ بچیاں فگنڈرہ فرو ترزدوش نرگس شہلا کشاد دیدہ بروے بہار

بسکہ طرب عام شد کام روانی گرفت سبزه بیگانه ہم یافت دریں زبم بار

ساقی و ساغر بدست مطرب و شعر بلب

ز مژدہ عود و چنگ جام و کیف مے گار

تا کے بہ عدو زخم در صلح ۵ اے شوخ ستیزہ کار برخیز

ناچار شدم ز شورِ ناصح اے تمہی اختیار برخیز

پہشت عبا بردل او اے دیدہ اشکبار برخیز

برخاست دل من از سر جاں اے دلبر جاں شکار برخیز

اے بلبل نالہ مست مے نال شد فصل گل و بہار برخیز

خلق شدہ منکر قیامت اے فتنہ روزگار برخیز

من بند نقاب مے کشیم اے طرہ مشکبار برخیز

تا پروہفتہ ز کفر و ایماں

اے برقع روئے یار برخیز

اے رورے تو بے نقاب تاکے ۶ بر خود تپد آفتاب تاکے

بشکن سیر زلف تابدارت دلہا ہمہ پیچ و تاب تاکے

در روز شمار کس پرسم گیرم ز غمت حساب تاکے

حسن تو نقاب بر نتابد شوخی تو در حجاب تاکے

صد قفل ز دم در تہتا دل بستہ تر فتح باب تاکے

زاہد بہ نواسے خلیج آہنگ
 آخر نہ کہ واژگونہ بخستم
 دل بر کنی از رباب تا کے
 ناگفتہ ہزار حرف خون شد
 تشویش از انقلاب تا کے
 باغیر کنی خطاب تا کے
 یکبار بکش عتاب تا کے
 من تشنہ جگر ترم ز تیغ
 ساتی نیم از سزائے جاے
 دوراں کندم خراب تا کے

بے نشان بے صفت در عین آنا آمدی
 یوسف مصر جمالی و زلیخاے طلب
 گرد خود در دور و گردش ہم چو پکار آمدی
 دعوت دیں کردی خود بزرگی مانگ با
 خود شدی جنس عزیز خود خریدار آمدی
 حش چوں بے پردہ شد عوفا عشق آمدید
 وحی منزل گشتی وہم خود با قرار آمدی
 چوں بے رنگی رسیدی خار گل در سختی
 طالبان خویش را ہم خود طلبگار آمدی
 چوں بختن را غیر بنمودی با ظہار آمدی
 چارہ گر گشتی و بر بالیں ہمار آمدی
 شور در جاں با قادی تا بگفتار آمدی
 بحر موج و حباب و دہر شہوار آمدی
 کسوت مجنوں بہر کردی و ہشیار آمدی
 رند و گمراہ و قلندر مست و سرشار آمدی
 عالم اندر رقص آمد تا خرامیدی بناز
 ہر چہ اہل شیم نہ با این ہمہ غیر تو نیست
 ناقہ میلادے حسنت چوں بہ صحرای نہاد
 علم گشتی و شدی مستور اندر چین کفر

ہر چند مرانیت بتو بیچ کلامے
گفتم تو از لبش بروں آمدہ حرفے
ہر دم ز تو صد بار پیامے و سلامے
رفتم تو از جائے نہ برداشتمے گانے
سالیت نہ ماہیت نہ صحبت نہ شامے
آنکاہ کہ ناگاہ بہ بیگاہ رسیدیم
منزل گیرانہ سلوکینست نہ رسمے
آن بے کہ بخوریم نہ در خورد عوام است
نخچانہ مارانہ ختمے ہست نہ جامے

صد فتنہ بر این گنجهتہ تا کردہ نگاہے

صد مرحلہ طے ساختہ تا کردہ خرامے

متفرقات

مثنویات

۱ بدریا و کان ہست گوہر بے
بزیر زمین ہست خرمن ہزار
نیابد بہساتا نگیں و کسے
از آں کسے نیست بے کشت و کار
بطمع زیادت ز روے گماں
کہ آں نفع اندک نیابی دیگر
چرا میدہی آنچه معلوم تست
کہ داند کہ بسیاں مقصوم تست

۲

تذاریع مبرپیش دیوانیاں
کہ بسیاں خواہد شد اندک نیاں

تخل کن اندک زیانے بجال کہ خود مال ناقص بہ از پائمال

جو انا جوانی مکن رائگاں کہ پیری ہے آید از پے دواں
گرام روز تدبیر فرسودا کنی بسر منزل عافیت جا کنی
ورام روز کارت بسا ماں نشد درینا کہ خود ایں شد و اں نشد

لب نالے با من و آزادی بہ ز علو اے خوف و ناشادی
جائے تنگے کہ بے ضرر باشد بزایواں کہ پر خطر باشد

خرے با عند یبے گفت روزے شیندستم کہ مے نالی بسوزے
بہر طرفے فادہ برز بانہا ز خوش الحانی تو داستانہا
ولے خواہم بگوش خود شنیدن بداد نغمہ ہایت وارسیدن
در آمد بلبیل گویا باواز بصد آئیں تر تم کرد آغاز
بزیرو ہم چنساں آہنگ ہا کرد کہ صحن بوستاں را پرنوا کرد
بوجد آورد مرغان چمن را نہ تنہا مرغ بل سر و سمن را

قطعات

مکن زور آوری بر زیر دستاں کہ زورت رائے بینم بقائے

بترس از انقلاب دہر ز تبار

مکن در حق مسکیناں جفاے

در وطن و در سفر و در حضر

گر بودت یار و فسادار بہ

یار کہ بگذاشت ترا در بلا

مار یقیئنا ز چین یار بہ

پستی ہم جنس کند دام و دود

وام و دود از مردم غدار بہ

تواں برق و مدار ایشادمانی زیت

ولے ز عربدہ خیزد نکال و بدبختی

ہر آنکہ صلح بہ ابناءے جنس پیش گرفت

بروزگار نہ بیند مصیبت و سختی

اے ترا دست نارسیدہ بتاک

ترش انگور را چرا گوئی

تو ز خود کردہ نہ ترک ہوس

شرم بادت کہ حیلہ می جوئی

دوستان را کہ جنگ و فتنہ بخت

دگر انجام نیک امید مدار

بیچ سووے حوور از حد

نیست الا کشیدن آزار

ہر آنکہ رنج و مشقت کشد ز چہاراں

بر انقلاب زماں چوں کند غم و شادی

بہت ہر کہ قدس پر پیش او بہند

ازاں کہ قطع شد اور امید ازادی

ابیات

- ۱ دوں بہت است فناکس نامرد و پیر نہاد آل کو بکرو حیلہ بدست آور و مراد
- ۲ ز حرص و طمع دور باش اے سلیم طمع خر سہرا میں نہ امید گلیم
- ۳ چو تیغ راستی داری توانی لشکرے کشتن ولیکن تیغ فولادی نہ ہر جا بے بکار آید
- ۴ تو بیناؤ کے کنی قطع راہ ز مردان دانا بصیرت بخواہ
- ۵ ہمانا کہ مغرور گرد و دہلاک کشف دار روزے در افتد بجاک
- ۶ جان بابا برو نکوئی کن کہ نکوئی بلا بگرداند
- ۷ بجاک مذلت نشاند دروغ دروغ آدمی را کند بے فروغ
- ۸ بوزنہ نقل مردمان بکشد گر تو بد کردہ ہماں بکشد

۹

ویدیم صد ہزار پئے دیگران حکم ۹
 اما حکم بدیدیم از بہر خویش کم

۱۰

خرگوش صفت گر تو دریں خواب بمانی
 ترسیم کہ خوراسر منزل نہ رسانی

۱۱

بدست آوردن دنیا ہنرمیت
 کیے را اگر توانی دل بدست آر

۱۲

تہانہ اہل وعظ و نصیحت شنیدہ ایم
 انجام لاف غیر فضیحت نہ دیدہ ایم

۱۳

بوقت امن و سلامت مزین زمردی لاف
 کہ تو بخواب نیدی ہنوز روز مصاف

۱۴

اے بسا کس کہ در زیانِ دگر
 خویشتن را ہمی بسا دوید

۱۵

چنانکہ نعمت بلبلس بگوشِ خریدہ است
 چشم بے ہنراں ہمچنین ہنر خریدہ است

۱۶

بامیسد نفع کردن بحق بدان نکوئی
مگر این مثال دارد که شب آفتاب جوئی

۱۷

زود بینی که مرد سایه پرست در سایه شش و دوازده است

— (•) —

ضمیمہ اردو

نوٹ۔ یہ نظمیں سوائے ثلث اور ایک غزل کے ترتیب کلیات کے بعد لکھی گئی ہیں احباب کی فرمائش سے بطور ضمیمہ درج کی گئیں۔

مشہوری

کو

کو سے ہیں سب دیکھ بھالے	چوچ بھی کالی پر بھی کالے
کالی کالی وروی سب کی	اچھی خاصی اُن کے ڈھب کی
کالی سینا کے ہیں سپاہی	ایک سی صورت ایک سیاہی
لیکن ہے آواز بُری سی	کان میں جا لگتی ہے چھری سی
یوں تو ہے کو احرص کا بندہ	کچھ بھی نہ چھوڑے پاک نہ گندہ
اچھی ہے پراس کی یہ عادت	بھائیوں کی کرتا ہے دعوت
کوئی ذرا سی چیز جو پالے	کھائے نہ جب تک سب کو بلا لے
بھانے وانے پر ہے گرتا	پیٹ کے کارن گھر گھر پھرتا
دیکھ لو! وہ دیوار پہ بیٹھا	غلّہ کی ہے مار پہ بیٹھا
کیوں کر باندھوں اُس پہ نشانا	بے صبرا چوکتا۔ سینا

کائیں کائیں پنکھ پارے
 تاک رہا ہے کونا کھڑا
 اُس کو بس آتا ہے اُچھلنا
 اُچھلا کودا لپکا سٹرا
 آنکھ بچا کر جھٹ لے بھاگا
 ہانا کرتے رہ گئے گھر کے
 پیڑ پہ تھا چڑیا کا سیرا
 ماتھ لگا چھوٹا سا بچا
 چڑیا رورو جان ہے کھوتی
 چیں چیں چیں ہیں دے کڑہنی
 کون ہے جو فریاد کو پہنچے
 پکھنے پر جب مٹکا آئی
 دو دھیا بھٹا چوہنج سے حیرا
 رکھوالے نے پائی آہٹ
 ہریا ہریا "شور مچا کر
 سن کے تڑا قا کو ا بھاگا
 لالچ خورا ڈھیٹ بڑ ہے
 کرتا ہے یہ بھوک کے مارے
 کچھلا دیکھا تو نیچے اُترا
 جاتے کیا دوپانوسے چلنا
 ہاتھ میں تھا بچہ کے ٹکڑا
 واہ رے تیری پھرتی کا کا!
 یہ جا وہ جا چوہنج میں بھر کے
 اُس کو ظالم نے جا گھیرا
 نوچا پھاڑا کھا گیا کچا
 ہے ظالم کی جان کو روتی
 اپنی پیتا سب کو سنانی
 بے چاری کی داد کو پہنچے
 کووں نے جا لوٹ مچائی
 سچ سچ کا ہے اُٹھائی گیرا
 گوہن لے کر اُٹھا جھٹ پٹ
 ڈھیلا مارا تڑن سے گھما کر
 تھوڑی دیر میں پھر جا لاگا
 ڈانکوسے کچھ اس میں کسر ہے؟

ڈانگو ہے یا چور اچکا
پر ہے اپنی دُهن کا پکا

مثلت

خوشی راک مشغلہ ہورات دن کا شمار افزوں ہو اُس کے سال و سن کا

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

ہے سن اُس کی شہنشاہی میں ہر جا شکھی میں آج راجا اور پر جا

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

کوئن دنیا کے ہر خطے میں نامی غریبوں اور مسکینوں کی حامی

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

رعایا تن کوئن اس تن کی جاں ہے خدا کی خلق پر وہ سب باں ہے

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

دعا گو اُس کا پورب او پچھاں بھی فرنگستان بھی بندو ستاں بھی

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

رہے زفہ کوئن بادولت و بخت رہے محفوظ اُس کا تاج اور تخت

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

ہیں اکثر ساکنانِ مربع سکوں کوئن کے حکم میں مامون و مصلوں

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

بے اُس کا ملک راحت کا ٹھکانا زمانہ اُس کا ہے طرقتہ زمانہ

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

سبھی احسان اُس کا مانتے ہیں اُسے پیارا شہنشاہ جانتے ہیں

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

ہیں اُس کے عہد میں انسان بڑھتے نہال تازہ ہیں پروان چڑھتے

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

سمندر۔ شہر۔ جنگل۔ اور پریت بنے گلزار ہیں اُس کی بدولت

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

نظام الدین کی ہے التجاہی نکلتی ہے تیرول سے دعا یہ

خدا حافظ خدا حافظ کوئن کا

قطععات

(۱) مسلمانوں کی تعلیم

اٹھے خوشا وہ قوم مستقبل ہو جس کا شان دار

کل سے بہتر آج ہو اور آج سے بہتر ہو کل

وم بدم راہ طلب میں کر رہی ہو دوڑ دھوپ

ایک نقطہ پر نہ ہو اُس کو توقف ایک پل

۱۔ پرنسپل شیخ نظام الدین صاحب بنیر نوان بہادر حافظ عبدالکریم روم ہی آئی۔ انجیل میں الال کوئی سے جلسہ الگرہ کلمہ معطر کوئی وکٹوریہ میں پڑھی تھی ۱۲
۲۔ پرنسپل شیخ کو مقام علیگندہ ٹیچر کانفرنس میں پڑ گیا۔

رفتہ رفتہ بن گئی ہو علم کی کشور کشا
 ہوتے ہوتے ہو گئی ہو مزد میدانِ عمل
 کیوں نہ ہو اُس قوم کی دنیا کے ہر گوشہ میں ساکھ
 جس میں اخلاقی سکت ہو اور ہر حکمت کا بل
 وقت کو دولت کو طاقت کو نہ کھوئے راگیاں
 کھو دے آجیانا تو حاصل بھی کرے نعم البدل
 ہچکچاتی ہو پہاڑوں سے نہ دریا سے رُکے
 ہمتیں ہوں اُس کی عالی عزم ہوں اُس کے اُٹل۔
 حسرتا وہ قوم ناقابل کہ ہونگ سلف
 کاہلی سے دست و بازو ہو گئے ہوں جس کے شل
 اُس کی طاقت کیا؟ کہ ہوں اوروں سے کم جس کے نفوس
 اُس کی عزت کیا؟ جو ہو پس ماندہ علم و عمل
 اُس کی دولت کیا؟ کہ ہوں افراد جس کے بے ہنر
 مفلسی بھی اور دماغوں میں مشیخت کا خلل
 کر دیا ہے حاتمہ برباد آج اُسے اسراف نے
 جس کو قدرت نے دئے تھے سیکڑوں سنگیں محل
 خیر جو گزرا سو گزرا یہ جو ہیں تازہ نہال

فکر ان کی چاہئے شاید یہی جائیں سنبھل
 زبان کو بار آور بنا و خواہ بے کار و فضول
 آج جس سانچے میں ڈھالو گے انہیں جائیں گے ڈھل
 کھیت میں پیدا ہوں پودے اور نہ سینچو وقت پر
 ہے نتیجہ صاف ظاہر دھوپ سے جائیں گے جل
 سوکھ کر جھڑ جائیں کلیاں اور نہ چیتے باغبان
 ایسے ظالم باغبان کو کیا ملے گا خاک پھل
 جی چرانا کام سے اور کام یا بی کا یقین
 اے عزیزو! ہے خلاف حکیم حق عزوجل
 لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ يَرْهَقَ تَوْبَهُ
 لیکن اس پڑھنے کا اے حضرات! آخر حاصل ہے
 شہد کی نکھی کو دیکھو کس قدر مصروف ہے
 اچوس کر ہر بھول سے لاتی ہے بے چارمی عمل
 اپنے بچوں کے لئے کرتی ہے آذوقہ تلاش
 آخرش آتے ہیں بچوں کے بھی پر پڑزے نکل
 یہ نئی تانتی ہماری کیا کرے گی بھاگ دوڑ
 تنگنائے کاہلی میں جب بڑے جائیں کھیل

بعض کہتے ہیں بڑھو آگے کہ ہے میدان وسیع
 بعض کہتے ہیں کہ ہیں یہ روکنے والے مبتذل
 دیکھنا! تم ٹس سے مس نہ ہونا ایک اچھے
 بڑھ گئے آگے تو آجائے گا ایماں میں خلل
 اُن کا کہنا مانئے یا ان کی خاطر کیجئے
 اپنا عقدہ کیجئے اب اپنے ہی ناخن سے حل
 تیز کر اپنی توجہ کی کرن اسے آفتاب!
 تاکہ جائے عادتوں سے برفِ سُستی کی گچھل
 تیری سرگرمی سمندر سے اٹھائے گی بخار
 پھر ہوا میں جمع ہوں گے بادلوں کے دل کے دل
 دشت اور کُساں پر برسیں گے ایک دن جھوم جھوم
 ایک ہو جائے گا آخر دیکھنا! جل اور تھل
 پھر تو ہو جائے گی یہ مردہ زمیں بلغ و بہار
 پھر تو کھل جائیں گے پھر مردہ دلوں کے بھی کنول
 دل نہ ہو درد آشنا تو نظم ہے اک دردِ سر
 کیا رباعی کیا قصیدہ کیا مخمس کیا غزل
 جملہ ڈیلیگٹ سے اب خیر مقدم عرض ہے

اور پریزیڈنٹ کی خدمت میں شکریہ ڈیل

(۳) قطعہ وفاتِ ملکِ معظم ایدور ڈہفتم آن جمانی

رحلتِ ایدور ڈہفتم پیش آئی یک بہ یک
 اس وقوعہ کا نہ تھا ہرگز کسی کو بھی خیال
 ہم نہ بھولے تھے ابھی وکٹوریہ عظمیٰ کا غم
 کیوں کہ گزرے تھے ابھی اس حادثہ پر چند سال
 چند سالہ سلطنت میں شاہِ والا جاہ نے
 کر دیا سب پر عیاں اپنی لیاقت کا کمال
 ملکِ افریقہ میں قومِ بور کو بخشا عروج
 باوجود فتح مندی چھوڑ دی جنگ و جدال
 کس قدر ہم عصر شاہوں سے بڑھائی اشتی
 کس قدر ہمسایہ ملکوں سے بنا ہا اعتدال
 بن گئے یارانِ مخلص پیرش و پیٹرس برگ
 دھل گئی انگلش کی جانب سے جو تھی گردِ لال
 جرمن و اسپینیرومی و یونانی و ترک
 صلح جو ایدور ڈہ نے سب کی بدل دی چالِ ڈھال

پیس میکر بڑا عظیم میں ہوا اُس کا لقب
 بڑھ گیا برطانیہ کا اور یہی غرّو جلال
 کی تھی دورانِ ولی عہدی میں سیر اس ملک میں
 تھی عنایت کی نظر ہندوستان کے حسب حال
 ہفتیم ماہ مئی کو بیج گیا کوسر رحیل
 عیسوی اٹیس صدیاں اور یہ دسواں ہے سال
 اب دعا ہے جارج پنجم جانشین سلطنت
 مدتوں پھولے پھلے دُنیا میں یہ تازہ نہال
 سب کے دل پر نقش ہیں اس خاندان کی نیکیاں
 اُن کے حق میں ہے رعایا کا دعا گو بال بال
 دودمانِ شاہ کو اسد دے صبر و مشکوں
 دولت و اقبال روز افزوں رہے اور ملک مال

(۳) مسلمان اور انگریزی تعلیم

ایک دن تھا بحکم سرکاری گئے اسکول جا جا کھولے
 نہ تو پچھ فیس تھی نہ داخلہ تھا مفت تعلیم تھی اُسے جو لے
 ہم مسلمان سب اکڑ بیٹھے پہلے فتوے لے جواز کا ہو لے

مٹنے زبانی بھی اور لکھ کر بھی
 وہ ایسی تعلیم سے تو بہتر ہے
 ان کو تنقیصِ دین کی سوجھی
 وہم و وسواس کے رہے چلتے
 انتظامِ امورِ دنیا کو
 جس کو ہو کچھ بھی فہم سے بہرہ
 رہنا بے خبر تو بات کو پھر
 رہے علمِ معاش سے کورے
 میں ہمارے جو اور ہسایے
 خوانِ ینماہ جا کے ٹوٹ پڑے
 لگی ہلدی نہ پھٹکری اور مفت
 محکموں کی پلٹ گئی کایا
 کہا سید قوم سے ناداں!
 پیچھے امیدِ جمعِ خرمن کر
 تب ہوئی کچھ جھجک ہماری دور
 مگر اس فیس کی گرانی کے
 - حوصلہ کا نکل گیا جھرس

پوچھ کچھ کی تو مولوی بولے
 آدمی ٹوکرے کہیں ڈھولے
 تھے تعصب کے آنکھ میں پھولے
 سا لہا سال توپ اور گولے
 کیا سمجھتے یہ جتنی بھولے
 اپنے شربت میں زہریوں گھولے
 کون میزانِ عقل میں تولے
 شہرِ قصبے محلے اور ٹولے
 گویا بیٹھے ہی تھے وہ مٹنے کھولے
 بھر لئے ٹھونس ٹھونس کر جھولے
 خوب موتی معاش کے رولے
 آفسوں کے بدل گئے چولے
 تو بھی اٹھ بیٹھ ماتھ مٹنے دھولے
 پہلے کھیتوں میں بیج تو بولے
 اور ہم نے بھی بال پر کھولے
 متواتر لگے وہ ہچکولے
 اور ہمت کے ہو گئے ہولے

الغرض وہ مثل ہوئی اپنی
سرمنڈا ہے ہی پڑ گئے اولے

غریب اور امیر

خوش ہیں غریب اپنے اُن جھونپڑوں کے اندر
جو دھوپ کی تپش سے دوزخ کی بھٹیاں ہیں
شاکی ہیں اہل دولت حالانکہ اُن کے گھر میں
پنکھا بھی کھنچ رہا ہے اور خس کی ٹٹیاں ہیں

غریبات

بواہوس گرتے ہیں اُس پر ٹوٹ ٹوٹ	سر زمین ہند کا میوہ ہے پھوٹ
یہ خزاں تھی یا کہ پٹاروں کی لوٹ	سچ گھنٹ کر رہ گیا مفلس چین
غنچہ و گل رو رہے ہیں پھوٹ پھوٹ	ہو چکی میعادِ ایام بہار
کیا ہوا پہنا اگر ڈاسن کا بوٹ	جا کہیں سے مول لا عقلِ فرنگ
صنعتیں یورپ کے سر میں کوٹ کوٹ	صانعِ قدرت نے بھردیں کس قدر
اچھے اچھوں کا وضو جاتا ہے ٹوٹ	زالِ دُنیا کی نمائشیں دیکھ کر
آخرش جیس بول ہی جاتا ہے جھوٹ	سچ کی پاؤں گے صدا ہردم کر می

دایہ ابر بہ ساری واہ وا! گل زمیں کو خوب پہنایا ہے سوٹ
 چھٹی ہیں فقروں کی آتہ بازیاں جب کبھی آپس میں ہو جاتی ہے چھوٹ
 بیٹھ کر کالج میں انگریزی علوم رٹ لے لیکن نہ پایا ان کارٹوٹ
 بے ہنر ہاتھوں میں ہیں بے کار سے مالوے کی روٹی بنگالے کا جوٹ

کیا ہمارے شعر اور کیا شاعری

گا ہے ما ہے اور وہ بھی چھوٹا ٹوٹ

مانع گزشتگی وہ سنگِ در ہوتا نہیں
 پھوڑنا سر کا علاج در دسر ہوتا نہیں
 حیف دنیا ہائے عقبے! منزلِ دلبر ہے دور
 دل جو اس رستہ میں ٹھٹکا طے سفر ہوتا نہیں
 یاد اور امید کی دولت سے کٹ جاتے ہیں دن
 ورنہ عم کھانے سے دنیا میں گزر ہوتا نہیں
 دعوے الفت ہے کچا جو نہ ہو دل میں طیش
 بے حرارت تو کبھی ٹھپتہ ٹھہر ہوتا نہیں
 خوفِ جاں سے نامہ بر جانے کی نامی کیوں بھرے
 رشک سے یاں اعتبار نامہ بر ہوتا نہیں
 صدمہ دل کو بفرقت امتحانِ عشق ہے

بے پسے سرمہ بھی منظور نظر ہوتا نہیں
ہے شعور ماسوا بھی اک حجابِ آگہی
بے خبر جب تک نہ ہو لے باخبر ہوتا نہیں

رباعیات

(۱) ہمت

تاریک ہے رات اور دریا زخار طوفان بپا ہے اور کشتی بے کار
گھبرائی موت کہ ہے مددگار خدا ہمت ہے تو جا لگاؤ کھیو اُس پار

(۲) ہمت

انسان کو چاہئے نہ ہمت مارے میدانِ طلب میں ہاتھ بڑھ کر مارے
جو علم و ہنر میں لے گئے ہیں تازی ہر کام میں ہیں انھیں کے وارے تیار

(۳) مسلمانوں کی تسلیم

قلّاش ہے قوم تو پڑھے گی کیوں کر پس ماندہ ہے اب تو پھر پڑھے گی کیوں کر
بچوں کے لئے نہیں ہے اسکول کی فیس یہیل کو منڈھے پڑھے گی کیوں کر

(۴) جھوٹی نفرت

لاکھوں چیزیں بنا سکے بھیجیں انگریز سب کرتے ہیں مذاں ہوں ان پر تیز
چڑتے ہیں مگر علوم انگریزی سے گڑگھائے تہیں اور گنگلوں سے پرہیز

(۵) مقصود عالم انسان ہے

یہ سئلہ دقیق سنئے ہم سے
 ہم اصل ہیں اور یہ ہمارا سایہ
 آدم ہے مراد ہستی عالم سے
 عالم کا وجود ہے ہمارے دم سے



طبع اول ستمبر ۱۹۱۶ء

مکھیٹ